تفسیرِ فاضلی

منزل اوّل

الفَاتِحَة — النِّسَآء

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمّد اشرف فاضلی

۱۴۱۲ھ

فاضِلی فاؤنڈیشن، لاہور

فہرست

ابتدائی کلمات

قرآن پاک عربی زبان میں صورتوں کے اس مجموعے اور اس ترتیب کا نام ہے، جس کو معلم قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے سند قرار دیا ہے اور شاہدین جس کی شہادت دیتے چلے آرہے ہیں۔ معلم کتاب وحکمت نے اس کتاب اللہ کو سات حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ہر حصہ ایک منزل کہلاتا ہے۔ تفسیر فاضلی ایک منزل، ایک جلد کی صورت میں نظر قارئین ہے۔

اس منزل میں چار سورتیں ہیں۔

(1) سورۃ فاتحہ 1 میں 7 آیات ہیں۔

(2) سورۃ بقرہ 2 میں 286 آیات ہیں۔

(3) سورۃ آل عمران 3 میں 200 آیات ہیں۔

(4) سورۃ نساء 4 میں 177 آیات ہیں۔

اس منزل میں کل 670 آیات ہیں۔

یہ منزل سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اور چھٹے پارے کے پہلے ربع پر ختم ہوتی ہے۔

تفسیر فاضلی آپ کے لئے باعثِ نور ہدایت ہو تو ان سب حضرات کی سعی مشکور ہو جائے گی، جو کسی بھی لحاظ سے اس کارخیر میں شامل ہوئے ہیں۔

اشرف فاضلی

27 رمضان المبارک 1417ھ

پیش لفظ

تفسیر فاضلی کی منزل اول ۱۹۸۲ء میں چھپی۔ ناشر رشید احمد چودھری صاحب تھے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم سے عقیدت کا یہ پروقار اظہار ہر قدردان کے لئے باعث راحت ہوا۔ چودھری صاحب کہا کرتے ہیں "ایسا اہتمام میں نہ پہلے کسی کتاب کے لئے کر سکا ہوں نہ آئندہ کر سکوں گا۔ جو راحت مجھے اس کتاب کو چھاپ کر حاصل ہوئی ہے، اس کو محسوس کیا جا سکتا ہے، بیان نہیں کیا جا سکتا۔" چودھری صاحب، حضور کی خدمت عالیہ میں کثرت سے حاضر ہوتے رہے ہیں۔ تہجد کے وقت کی مجالس میں بھی، جب جاگنا نفس کے لئے بھاری ہوتا ہے، آپ کو ہمہ تن گوش دیکھا ہے۔

"تاثرات" کے عنوان سے چودھری صاحب نے تفسیر فاضلی کا جو تعارف لکھا، اس روشن بیان کو ہر ایڈیشن کے ساتھ چھپنا چاہئے۔ جو کچھ انہوں نے سنا، مانا اور بیان کیا، اس میں سے کچھ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے :

"جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا ثابت نہیں ہوتا، ماضی حال کا مصدق ہو اور حال ماضی کی تصدیق کرے تو شبہات ختم ہو جاتے ہیں، پہلا درجہ قول ہے، دوسرا عمل ہے، تیسرا علم ہے اور چوتھا اخلاص ہے۔ قول معدن ہے، یہ ہو تو سب کچھ بن سکتا ہے۔ قول معبود کو مانا جائے تو اعمال کی اصلاح کا مقام آتا ہے، اعمال صالح ہوں تو علم حقیقی حاصل ہوتا ہے ورنہ گمان کے دائرے سے نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔ قول، عمل، علم ان تینوں مقامات پر پورا رہنے والا مخلص ہو جاتا ہے اور انعام یافتہ ہو جاتا ہے، اس کے نقوش قدم سے صراط مستقیم کا تعین ہوتا ہے، اس کے حکم کو ماننا باعث فلاح ہوتا ہے۔ ماننے کے بعد ہی جاننے کا مقام آتا ہے، ماننے سے پہلے جاننے کی کوشش یکسوئی سے دور کر دیتی ہے۔ جس کو اپنے تجربے اور مشاہدے کے حوالے سے ایک بار اچھا کہہ دیا جائے، پھر کبھی اس میں تضاد نہ تلاش کیا جائے۔ جس کے اخلاص کا یقین ہو اس کے ساتھ جڑ جانا حق ہے۔ اپنی پسند کو اس کی پسند کے تابع رکھا جائے تو تائید ایزدی شامل حال ہو جاتی ہے اور منزل قدموں کے نیچے آ جاتی ہے۔"

علم حقیقی عطا کرنے والے کا درجہ بڑا ہوتا ہے۔ اس ذات بابرکات سے فیض حاصل کرنے والے کبھی اپنے معلم کے علم پر محیط ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ نام اس محسن کا لیتے ہیں جس سے علم عطا ہوا ہے۔ حال ان کا ہوتا ہے جو اسے بیان کرتے ہیں۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم کا یوم وصال ۲۳ شعبان ۱۳۹۸ھ ہے۔ ہر سال اسی تاریخ سے آپ کے عرس شریف کی تقریبات شروع ہوتی ہیں اور تین روز تک جاری رہتی ہیں۔ حضرت" کا مزار پاک ۲۹ - ۳۱ انفنٹری روڈ، دھرم پورہ لاہور میں ہے۔ یہ نور والوں کے ڈیرے کے نام سے معروف ہے۔ یہ جگہ دھرم پورہ نہر کے پل سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر راستہ درگاہ حضرت میاں میرؒ سے کچھ آگے لب سڑک ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم نے وصیت کی صورت میں اپنا حکم نامہ اپنے وصال سے بارہ روز قبل جناب محمد حنیف رائے صاحب کو بلوا کر لکھوایا اور اس حکم نامے پر جن پانچ حضرات کو دستخط کرنے کا امر دیا وہ جناب غلام رحمٰن سیکرٹری صاحب، جناب

صاحب زادہ رضا حسین صاحب، محمد اشرف فاضلی (راقم الحروف)، جناب حاجی سلطان احمد صاحب اور جناب محمد اعظم صاحب ہیں۔ اس تحریر کا عکس ملاحظہ فرمائیے :

ارشاد حضرت سائیں فضل شاہ صاحب قطب عالم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ درویشوں کا مقام ہے۔ تمام عمر اینٹیں کھائیں، گالیاں کھائیں۔ یہ ہسپتال جو بنا ہے اس کے لیے کسی نے کوڑی نہیں لگائی، سب اللہ کا ہے۔ رضا صاحب کی نہیں، ڈاکٹر صاحب کی نہیں، میری نہیں، کسی کی کوڑی نہیں لگی۔ تمام دوست اس جگہ کو (ہسپتال سمیت) پیر خانہ سمجھیں۔ پہلے بھی بزرگان دین اسی طرح کرتے رہے ہیں۔ حضور نے (بزرگان دین نے) اس جگہ کی بنیاد رکھی ہے یہ جگہ انہی کے سپرد رہے وہ اسے چلا سکیں یا چلا سکیں۔ اور کسی کی ذمہ داری نہیں کہ اسے چلا سکے یا نہ چلا سکے۔ گویا یہ جگہ پیر خانہ کے طور پر استعمال ہو گی۔

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی قول کے بادشاہ ہیں۔ ویسے بھی بادشاہ ہیں۔
ڈاکٹر صاحب تفسیر پاک کی اشاعت کا حق رکھتے ہیں۔ کفالت وہی (بزرگان دین) کریں گے جن کا یہ حکم ہے۔

ہم سب اس فیصلے پر راضی ہیں :

تحریر (محمد حنیف رامے) M Hanif Ramay
18th July 1978 صبح دس بجے
29-31 Infantry Road,
Mustafaabad, Lahore.

1. G. Rehman 18-7-78
2. R Hussain 18.7.78
3. Ashraf Fazli 18/7/78
4. Sultan Ahmed 18.7.78
5. Azam 18.7.78

اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا میں خوف و حزن سے بچائے اور قیامت کے دن پاک لوگوں کی صف میں سے اٹھائے۔ ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرنا اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا، جن کے حسن اہتمام سے یہ کتاب آپ تک پہنچی ہے، آپ کے لئے باعث رحمت ہو گا۔

محمد اشرف فاضلی
پکو روڈ، کوٹ لکھپت لاہور

۱۲ر ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
۲۲ر ستمبر ۱۹۹۱ء

تعارف

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین
حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ

(المعروف باباجی نوروالے)

کے

ارشاداتِ عالیہ

۱۔ مخلصین کا وجود واحد ہے، چونکہ ان کا مقصود واحد ہے، اور ان کا مقصود ہے لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانا۔

۲۔ حق حال پر عاید ہوتا ہے، اور حال پر ہی ادا کیا جاتا ہے۔ ماضی کی یاد یا مستقبل کی فکر دامن گیر رہے تو حق کی ادائیگی میں کوتاہی ضرور ہوگی۔

۳۔ ولی اللہ وہ ہے، جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے معاملہ کرے، اور ہوعادت سے پاک۔

۴۔ جو وقت مخلصین کی معیت میں گزارا جائے وہ سرمایۂ حیات بن جاتا ہے۔

۵۔ جسے احسان کرنے کا شرف ہو، اس کو استفادہ کرنے والے کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے کہ مستفید ہونے والے کی بدولت ہی محسن کو فانی شے کے بدلے دائمی انعام ملتا ہے۔

۶۔ شریعت بمنزلہ دودھ، طریقت بمنزلہ دہی، حقیقت بمنزلہ مکھن اور معرفت بمنزلہ گھی ہے۔ اگر دودھ ہی نہ ہو تو نہ کچھ بن سکتا ہے، نہ کوئی بنا سکتا ہے۔

۷۔ تضاد میں مبتلا رہنے والے کے لئے لطافت کا دیکھنا ممکن نہیں رہتا۔

۸۔ کامیابی کی حقیقت شاہدین کا ساتھ ہے۔ خلوص نیت، حصول مقصد کے لئے شاہدین کی طریقت کا اختیار کرنا اور نتائج کو باذن اللہ ماننا یہ کامیابی کے ارکان ہیں۔

۹۔ جہاں خواہشات کا اتباع ہو، شجاعت وہاں سے رخصت ہوجاتی ہے۔

۱۰۔ انسان کی عقل اسے جانور سے ممتاز کرتی ہے، تضاد سے پاک رہنے کی سعی اس کا مکمل استعمال ہے۔

۱۱۔ جو شاہد کی صداقت کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اس کی تکذیب سے باز نہ آئے، اس سے توفیق چھن جاتی ہے۔

۱۲۔ تکبر ہی سب سے بڑا جرم ہے، اس کی حقیقت شرک ہے، اور یہ تمام معصیتوں کی جڑ ہے۔

۱۳۔ علم ہمیشہ عمل کے بعد عطا ہوتا ہے۔

۱۴۔ مخلص کو شیطان بہکا نہیں سکتا، کہ وہ مدح سے بے ربط نہیں ہوتا اور مذمت سے پریشان نہیں ہوتا۔

۱۵۔ حال ہمیشہ حال پر عطا ہوتا ہے، اور صاحب حال سے عطا ہوتا ہے۔
۱۶۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مقابل لوگوں کی پسند کو وقعت دینا اور اللہ کے ڈر کے مقابل لوگوں کا زیادہ ڈر رکھنا، ہمیشہ پریشانی کا باعث بنتا ہے۔
۱۷۔ جس کا قرب مقصود ہو، اس کی پسند کو پسند کرنا لازم ہوتا ہے۔
۱۸۔ ہر قطرہ جو سمندر میں مل جائے گا، سمندر ہی کہلائے گا۔
۱۹۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلصین کے لئے جو جو حالات آتے ہیں، صورتاً بمنزلہ سواری کے ہوتے ہیں۔
۲۰۔ دل کو شاہد کے حضور حاضر رکھا جائے، تو اس میں غیر کا داخلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔
۲۱۔ اپنی تجویز کو وقعت دینے والے شاہد کے اتباع کو مشکل اور اپنی خواہش کی پیروی کو آسان سمجھتے ہیں۔
۲۲۔ انعامات تقسیم کے لئے عطا ہوتے ہیں، تقسیم نہ کیے جائیں تو عطا کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔
۲۳۔ اپنی ذات کے لئے صبر اور مخلوق کی بھلائی کے لئے سعی کرتے رہنے کا حکم ہے۔
۲۴۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں جو حال پر عطا ہوتا ہے، اس کو مناسب حال مانا جائے، تو اللہ تعالیٰ کے علم مطلق پر ایمان ہو گا۔
۲۵۔ جہاں تکریم و توقیر وسعت مال کی نسبت سے ہو، وہاں جو ہو گا خلاف حق ہو گا۔
۲۶۔ اپنے لئے امتیازات تلاش کرتے رہنا آداب معاشرت کی تکفیر ہے۔
۲۷۔ جب حق پر خرچ نہیں کیا جائے گا تو ناحق پر ضرور خرچ ہو گا اور یہی کفران نعمت ہے۔
۲۸۔ جس کا بولنا خواہش نفس کے تحت ہو اس کی اطاعت کبھی خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔
۲۹۔ شاہد کو مخلص مانا جائے اور اس کے کسی مشہود میں عیب دیکھا جائے تو یہ تضاد معترض کے اندر ہوتا ہے۔
۳۰۔ جو تکلیف دینے والے کو معاف نہ کرے، اس کا اپنی خطاؤں پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔
۳۱۔ علم والوں کا کام راستہ بتانا نہیں بلکہ راستہ دکھانا ہے۔
۳۲۔ عشق، معشوق کے کمال پر مبنی ہو تو کمال کے خاتمے پر ختم ہو جاتا ہے۔ جمال پر مبنی ہو تو جمال کے خاتمے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے ہو تو دائمی ہوتا ہے۔
۳۳۔ اپنے جائز حق کو ترک کرنے سے ہی اگر فساد دفع ہوتا نظر آئے، تو بھی مخلصین اس میں دیر نہیں کرتے۔
۳۴۔ جو تبدیلی جبر و اکراہ کی بدولت ہو گی، وہ جبر و اکراہ کی حد تک ہی قائم رہے گی۔
۳۵۔ آباء و اخوان کو اگر ایمان کے مقابل کفر کی حب ہو، تو ان سے دوستی کرنا ظلم ہے۔
۳۶۔ جو برائی کا امر کرے، بھلائی سے منع کرے اور اللہ کی راہ پر خرچ نہ کرے، اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا ہے۔
۳۷۔ مومن کے نو مقام ہیں۔ توبہ، عبادت، حمد، روزہ، رکوع، سجدہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور حدود اللہ کی حفاظت۔

۳۸۔ عادت سے نفس کو ایک سہارا ملتا ہے۔ جس کی عادت چھڑوانا ہو اس کو بچانے کا اہتمام کر کے اس کی عادت کو دور کرنا چاہئے۔ معلوم رہے جو بے سہارا ہو کر گرے گا، ٹوٹ جائے گا اور اس کی ذمہ داری حکم نافذ کرنے والے پر عاید ہوگی۔

۳۹۔ ایمان کا دعویٰ حُبّ الناصحین کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔

۴۰۔ جسے ناصحین سے محبت نہ ہو، دعویٰ ایمان کے باوجود وہ سمجھنے میں سنجیدہ نہیں ہوتا۔ وہ اگر سمجھانا بھی شروع کر دے تو اس سے سننے والوں کے شکوک و شبہات ہی بڑھتے ہیں۔

۴۱۔ اظہار حق کے جواب میں جن سے ذاتی تکلیف پہنچے، ان کے بارے میں یہ یقین رکھنا کہ ایذا دینے والوں سے جو کچھ ہوا ہے کمیٔ علم کی بنا پر ہوا ہے، خاتم النبیین کی سنت ہے۔

ان ارشادات عالیہ سے اگر آپ کو روشنی ملی ہے، آپ کو راستہ آسان ہوتا نظر آیا ہے تو آیئے نور والے کے رحمت خانے پر حاضر ہوتے ہیں۔ یہ رحمت خانہ ۲۹ - ۳۱ انفنٹری روڈ، مصطفیٰ آباد، لاہور پاکستان ہے۔ دو ناموں سے معروف ہے ادارۂ قادریہ اور نور والوں کا ڈیرہ۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ یہاں تقریباً پچیس (۲۵) برس لوگوں کو دعوت فلاح دیتے رہے اور ماننے والوں کو تزکیہ عطا کر کے واصل باللہ کرتے رہے۔ حضور کو یہ خیر کثیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی، اور حضرت میاں خدا بخش صاحب سرتاج اولیاء (آپ کا مزار پاک پیر بخاری قبرستان ساہیوال میں ہے) کے ہاتھ سے ملی۔ حضرت فضل شاہ صاحب اپنے مرشد کریم کی خدمت اقدس میں چودہ (۱۴) برس حاضر رہے، مگر اس شان کے ساتھ کہ حضوری میں کبھی زبان نہیں کھولی۔ لوگ حضور میاں صاحب سے پوچھتے : ”جناب! اس بچے کو کبھی بولتے نہیں دیکھا۔“ آپ فرمایا کرتے تھے : ”یہ بچہ اپنے وقت پر بولے گا، اور اس وقت اس کا بولنا سند کا درجہ رکھے گا۔“ میں شہادت دیتا ہوں کہ حضور کے ہر قول پر فرمان خداوندی شاہد ہے اور آپ کے ہر عمل پر اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہے اور مومنین کے لئے یہی بڑی اسناد ہیں۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم کو ان کے محبین 'حضور' کہہ کر پکارتے تھے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ سفر ہو یا حضر کوئی وقت آپ نے خلوت نشینی کے لئے مخصوص نہیں کیا ہوا تھا۔ دوستوں سے فرمایا کرتے تھے : ”نماز کو قضا کر کے پڑھا جا سکتا ہے مگر خدمت خلق کو قضا کرنا خلاف سنت ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی آئے، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا جانو اور بھیجنے والے کے لئے اس کے ساتھ معاملہ کرو، اجر کا سوال نہ کرو کہ رب العالمین سے بہتر کوئی اجر دینے والا نہیں۔“

اپنے ساتھیوں کی پوری حفاظت کرنا اور مشکل مقامات پر انہیں پورا رہ کر دکھانا اخلاقی تربیت دینے والوں کی شان ہوتی ہے۔ یہی شان اخلاقی تربیت گاہوں کی جان ہوتی ہے۔ اور اخلاقی تربیت گاہیں ہی حسن معاشرت کو قائم رکھتی ہیں۔

ایک بار حضور کو بخار تھا، کئی روز سے جَو کا پانی پی رہے تھے، مگر بخار کی شدت بھی قائم تھی۔ ایک صاحب نے حاضر ہو کر کہا : ”حضور! بابا چراغ دین بیمار ہے، آپ کی دعا بھی چاہتا ہے، دوا بھی چاہتا ہے، مگر آپ کو بھی بخار ہے، اب میرے لئے کیا حکم ہے۔“ حضور نے فرمایا : ”ہم ابھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔“ اٹھے، نقاہت خاصی تھی، عصا ہاتھ میں لیا، اور اس کے ساتھ

چل پڑے۔ نصف کلومیٹر کے فاصلے پر بابا چراغ دین کے گھر پہنچے تو بابا آپ کو دیکھ کر رونے لگا۔ اس نے کہا: "حضور! مجھ سے بڑی بے ادبی ہوئی ہے۔ حضور بخار کے ساتھ میرے لئے اتنی تکلیف کر کے آئے ہیں۔ اب میرا کیا بنے گا؟" فرمانے لگے: "آپ نہیں آسکتے تھے۔ آپ نے بلا بھیجا، یہ بھی ادب ہے۔ آسکنے کی سکت ہوتی اور پھر بلا بھیجتے تو یہ بے ادبی ہوتی۔ رہا ہمارا حال تو اگر ہم میں آسکنے کی ہمت نہ ہوتی تو یہ بلاوا ہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس کی طرف سے بلاوا آیا تھا، توفیق دینے والا معطئ مطلق بھی وہی ہے۔ اس کی طرف سے جو حق کسی پر عاید ہوتا ہے، اس کے ادا کرنے کے لئے کہیں زیادہ توفیق پہلے اسے عطا کی جاتی ہے۔"

آپ کی پیدائش جالندھر میں ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان تشریف لائے۔ تاریخ وصال ۳۰ رجولائی ۱۹۷۸ء ہے۔ وصال کے وقت عمر شریف ایک سو برس کے لگ بھگ تھی۔

حضور جسمانی اور روحانی امراض کے علاج کا یقینی علم رکھتے تھے۔ صحت تشخیص ملاحظہ ہو کہ دوا تجویز کر دینے کے بعد آپ نے اسے کبھی نہیں بدلا۔ اگر کسی مریض نے یہ کہا کہ حضور فائدہ نہیں ہوا تو تحقیق پر یہی ثابت ہوا کہ مریض نے پرہیز کی مقررہ حدود سے تجاوز کیا ہے۔ جالندھر کے ایک حکیم صاحب کی اہلیہ کو معدے کا السر (ULCER) تھا۔ علاج ہوتا رہا۔ ایک دن حکیم صاحب نے کہا: "حضور! فائدہ نہیں ہو رہا۔" آپ نے فرمایا: "مریض پرہیز نہ کرے تو مرض سے نجات نہیں ہوتی۔" حکیم صاحب نے کہا: "حضور! پرہیز تو وہ بہت کرتی ہے۔" آپ نے فرمایا: "آج معمول سے دو گھنٹے پہلے چل کر دیکھئے۔" جب وہاں گئے تو جن چیزوں کا کھانا منع کیا گیا تھا، خاتون وہی کھا رہی تھی۔ حکیم صاحب بہت حیران ہوئے، اور آپ نے حضور سے کئی سوالات کیے۔ آیئے وہ مکالمہ سنتے ہیں۔ ممکن ہے حکیم صاحب نے وہی پوچھا ہو جو آپ پوچھنا چاہ رہے ہیں۔

حکیم صاحب : حضور! آپ کو یقین تھا کہ پرہیز نہیں ہو رہا۔ اس کی بنیاد کیا تھی؟

حضور : تشخیص درست ہو، غذا اور دوا درست ہو، پرہیز ہو رہا ہو تو مریض کو افاقہ ہونا چاہئے۔ مریض کے ذمے ایک ہی کام ہوتا ہے، اور وہ ہوتا ہے ان حدود کا احترام جو طبیب نے اس کے لئے مقرر کی ہیں، اور مریض کوتاہی بھی اسی میں کر سکتا ہے۔ ہمیں اپنی تشخیص پر یا غذا اور دوا کے اعتبار سے اپنی تجویز پر کبھی شک نہیں ہوا۔

حکیم صاحب : حضور! آپ کے علاج میں دوا کی نسبت غذا کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے، جب کہ عموماً دوا کو غذا کے مقابل زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے، عام معالج دوا ہی دیتے ہیں، غذا نہیں بتاتے۔

حضور : دوا شدت مرض کو کم کرنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ غذا درست ہو تو طبیعت کو تقویت ملتی ہے، اور طبیعت کو تقویت ملے تو مرض مغلوب ہوتا ہے۔ جسے غذا کا علم نہ ہو اس سے علاج کرانا بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کی تجویز کردہ دوا اگر مفید بھی ہو، تو بھی وہ زندگی کے لوازمات میں شامل ہو جاتی ہے۔

حکیم صاحب : حضور! مجھے یاد ہے کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آنے سے پہلے جب ہم کیمپ میں تھے تو وہاں ہیضہ پھوٹ پڑا تھا، بہت سے لوگ ہر روز اس سے مر جاتے تھے۔ حضور کے ساتھ کئی لوگ ہوتے تھے، پگڑیوں والے، اور وہ یاوُدُودُ یاوُدُودُ پڑھتے رہتے تھے، اور مریضوں کی خدمت بھی کرتے تھے۔ پینے کا پانی آپ کے ہاں ضرور ملتا تھا، دوسری جگہوں پر نہیں ملتا تھا، بلکہ آپ کے ہاں تو دال روٹی بھی ملتی تھی، وہاں یہ بندوبست کیسے ہو جاتا تھا۔ نظر آنے والے

وسائل تو آپ کے ہاں محدود ہی تھے۔

حضور : جو اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کر دے، شکایت اس کے وجود سے رخصت ہو جاتی ہے، اس کے سارے کام آسان ہو جاتے ہیں اور آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ جو اسباب کو مُسبّب کی بدولت نہیں جانتے انہیں یہ مقام نصیب نہیں ہوتا۔

حکیم صاحب : حضور! جب آپ نے ہمارا قافلہ رخصت کیا تھا، تو گاڑیوں میں بہت پانی بھر بھر کر رکھوایا تھا۔ مجھے وہ بہت عجیب لگ رہا تھا، مگر راستے میں یہ بات روشن ہوئی کہ سب سے زیادہ ضرورت اسی کی تھی۔

حضور : چھوٹے علم والا قریب کے فائدے کو ہی دیکھتا ہے۔ بڑے علم والا قریب کے فائدے کو بھی دیکھتا ہے، دور کے فائدے کو بھی دیکھتا ہے۔

حکیم صاحب : آپ کو سکھ میں بھی دیکھا ہے، دکھ میں بھی دیکھا ہے، مگر آپ کو کبھی پریشان نہیں پایا اور ہم ہیں کہ کبھی پریشانی سے نجات نہیں ہوتی۔

حضور : ہم آپ کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اس لئے ہمیں پریشانی نہیں ہوتی۔ آپ ہمارے علاوہ کچھ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اس لئے پریشانی آپ کے ساتھ رہتی ہے۔

حکیم صاحب : حضور! ہم آپ کو مانتے تو ہیں مگر کہیں کہیں من مانی بھی کر جاتے ہیں۔ دنیا دار مان بھی کہاں تک سکتے ہیں۔

حضور : اللہ کے نزدیک "دین" اسلام ہے۔ کافروں کے عقاید کا نام بھی دین ہی ہے۔ جو لوگ من مانی کرنے کو دنیا داری اور عبادات میں مصروفیت کو دین داری کہتے ہیں یہ ان کی اپنی بنائی ہوئی اصطلاحات ہیں، اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ جو شاہد کو پورا پورا مانے وہ اسلام میں پورا پورا داخل ہے۔ جس کا ماننا اس کی اپنی پسند کے تابع ہو اس کا ماننا بے حقیقت ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے آپ کو ہی مانتا ہے۔ ماننے والے کا مخلصین سے میل جول ہو تو اس کا قول پاک ہو جاتا ہے، اسے ناصحین سے محبت ہو جائے تو اس کے اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ اعمال کی اصلاح کے بعد علم حقیقی عطا ہوتا ہے۔ پھر وہ مخلص ہو جاتا ہے۔ مخلصین ہی وہ معیار مطلق ہیں جن کے نقش قدم کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔ جو لوگ مخلصین کو مانتے ہیں، انہیں خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔ حیات دنیا میں یہ ہدایت یافتہ ہونے کی سند ہے۔

حکیم صاحب : حضور! آپ نے یقیناً خوف و حزن سے نجات کا راستہ روشن فرما دیا ہے۔ اب میں اگر راستے کی باتیں ہی کرتا رہوں تو راستہ طے نہیں ہو جائے گا، راستہ تو چلنے ہی سے طے ہوتا ہے۔ مگر ایک بات مزید جاننا چاہوں گا اور وہ یہ کہ خیال سے جسم کس حد تک متاثر ہو سکتا ہے؟

حضور : آپ نے سائیں قلندر کو تو دیکھا ہو گا وہ اتنے سیدھے آدمی تھے کہ کسی کی بات بھی بلا تحقیق ماننے میں انہیں دیر نہیں لگتی تھی۔ ان کے مشاہدے اور احساس کے بالکل خلاف بھی اگر کوئی بات ان کے سامنے آ جائے اور کہنے والے کا رویہ بظاہر دوستانہ ہو تو وہ اسے مان جاتے تھے۔ ایک بار مالی نے ان کی مالش کی، بہت خوش ہوئے۔

مالی کو بہت دعائیں دیں۔ مالی کے جانے کے بعد غلام حیدر صاحب آگئے۔ سائیں جی بڑے خوش تھے۔ کہنے لگے : "غلام حیدر! بزرگوں کی خدمت کا شرف بھی قسمت والے کو ہی ہوتا ہے، مالی نے آج وہ خدمت کی ہے جس کا جواب نہیں، بہت تھکن تھی، اب وجود ہلکا پھول معلوم ہو رہا ہے۔" غلام حیدر نے کہا : "سائیں جی! مالی ایسا ٹیک تو نہیں ہے، آپ کے ساتھ کوئی دھوکا نہ کر گیا ہو، ذرا لیٹیے میں دیکھوں تو سہی۔" غلام حیدر نے ایک دھاگے کے ساتھ ناف سے کئی فاصلے ناپے اور پھر کچھ دیر کے بعد کہنے لگا : "مجھے تو پہلے ہی یہ بات بے جوڑ معلوم ہو رہی تھی۔ مالی اور بزرگوں کی خدمت! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ سائیں جی آپ جس بات پر خوش ہو رہے ہیں، اس کی حقیقت بھی ہے معلوم؟" سائیں جی کہنے لگے : "کیا ہوا ہے۔" غلام حیدر نے کہا : "حضرت صاحب! مالی نے آپ کی ایسی مالش کی ہے کہ دائیں ٹانگ بائیں ٹانگ کی نسبت دو انچ لمبی کر گیا ہے۔ اب آپ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہیں، اب عمر بھر لیٹے رہیے اور رویا کیجیے مالی کی مالش کو!" سائیں جی رونے لگے، رو رو کر پکارتے تھے "او مالی تیرا بیڑا غرق، تو نے میرے ساتھ یزیدپنا کیا ہے۔ میں نے تیرا کیا قصور کیا تھا۔" ہم کسی مریض کو دیکھنے گئے تھے، واپس آئے تو سائیں جی کو روتے دیکھا۔ پوچھا : "سائیں جی کیا بات ہے؟" کہنے لگے : "آپ بات پوچھ رہے ہیں اور میری جان نکل رہی ہے۔ میں تھکا ہوا تھا، مالی نامراد نے میری مالش کی، میں سمجھا خدمت کر رہا ہے، اور وہ میرے ساتھ یزیدپنا کر رہا تھا۔ دائیں ٹانگ بائیں ٹانگ کی نسبت دو انچ لمبی کر گیا ہے، غلام حیدر نے پیمائش کر کے بتایا ہے۔ اب تو عمر روتے ہی گزرے گی اور شاید عمر ہی پوری ہو گئی ہو۔ آپ نے جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں جو بتانا ہو بتا دیں، اب قیامت کو ہی میل ہو گا۔" سائیں جی کو بخار بھی ہو گیا۔ طبیعت بھی گھبرانے لگی۔ ہم نے مالی کو بلا کر سرزنش کی اور کہا تمہیں مالش کا علم بالکل نہیں ہے، تمہیں کیا حق تھا مالش کرنے کا، اب جیسے ہم کہتے ہیں ویسے کرو۔ ہم بتاتے گئے یہاں سے ملو، اب یہاں سے ملو۔ پھر شک پیدا کرنے والے سے کہا اب پیمائش کر کے دیکھو۔ اس نے دیکھا اور بڑی حیرت کے ساتھ کہا : "سائیں جی، یہ اللہ کا فضل ہی ہے۔ میں تو یہ دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں کہ اتنا فرق کہاں گیا۔ دونوں ٹانگیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔" کہنے لگے : "اچھی طرح دیکھ لینا، کہیں میں گرتا ہی نہ رہوں" اس نے کہا : "میں نے خوب جانچ پڑتال کر کے دیکھا ہے۔ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی یہ ہو کیسے گیا ہے۔ سائیں جی نے کہا : "حضور فرمایا کرتے ہیں، جس اللہ نے پہلے ہمیں بنایا ہے، اسے ہماری مرمت کرتے دیر نہیں لگتی۔ یہ اللہ کے کام ہیں اور بزرگوں کو ہی ان کا پتہ چلتا ہے۔" صحت کا سرٹیفکیٹ بھی اسی سے دلوایا جس نے معذوری کا لیبل لگایا تھا۔ اٹھ بیٹھے کہنے لگے : "اب ٹھیک ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ لاؤ وضو کے لئے پانی، وضو کروں اور نفل پڑھوں۔" دیکھ لیجیے خیال کس حد تک جسم کو متاثر کر سکتا ہے۔

حکیم صاحب : حضور! اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عقیدہ درست ہو تو راستہ طے ہوتے دیر نہیں لگتی۔

حضور : عقیدہ درست ہو تو رخ درست ہو گا، اور رخ درست ہو تو منزل مقصود پر پہنچنا ممکن ہو گا۔

آپ نے حضور کے ارشادات سے روشنی حاصل کی، آپ کے مکالمات کو پڑھا، سنا۔ تو جناب یہ ہیں صاحب تفسیر حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ جن کی ہر بات سند کا درجہ رکھتی ہے۔

تفسیر پاک کے بارے میں آپ کا فرمان ملاحظہ ہو

۱۔ تفسیر پاک وہ روشن بیان ہے، جو شاہدین کی زبان پاک سے ہو، کہ اس میں ماننے والوں کی فلاح کی ضمانت موجود ہوتی ہے۔

۲۔ لغت اور گرائمر کے تابع نہ ہو کہ حادث علم سے علم الٰہی کو جانچنا بے جا ہے۔

۳۔ قرآن پاک عربی زبان میں سورتوں کے اس مجموعے اور اس ترتیب کا نام ہے، جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے، اور شاہدین جس کی شہادت دیتے چلے آ رہے ہیں۔

۴۔ جس ترجمے یا تفسیر میں حدود عبدیت کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو، اس میں کجی بھی ہوگی، تضاد بھی ہو گا۔

۵۔ قرآن پاک کے ان الفاظ کا ترجمہ نہ کرنا بہتر ہے جو ترجمے کی زبان میں مستعمل ہوں۔

۶۔ آیات قرآن پاک کے دوام کو ماننا حق ہے۔ محدود کرنے کی کوشش حق نہیں ہے۔

۷۔ بنی اسرائیل کی روایات کے حوالے سے تفسیر بیان کرنا وقف لازم کا عدم لحاظ ہو گا۔

۸۔ ہر آیت کی تلاوت کے ساتھ جو حق پڑھنے اور سننے والوں پر عائد ہوتا ہے، اس کی ادائیگی ہی ماننے کا ثبوت ہوگی۔

۹۔ ہر بیان کا حاصل بہتر جاننے والوں سے سیکھنا چاہئے، اور کم جاننے والوں کو سکھانا چاہئے۔

۱۰۔ قرآن پاک میں تدبر کرنے کی صورت یہ ہے کہ حکم خداوندی کو تضاد سے پاک مانا جائے۔ تضاد سے پاک ہونے کے لئے اللہ العالمین کی اطاعت کی جائے۔ ماننے کے بعد جاننے کا جو مقام آتا ہے، اسے علم کہتے ہیں۔ ماننے سے پہلے جاننے کی حقیقت قول ہوتی ہے۔

تفسیر فاضلی پیش خدمت ہے۔ رضائے الٰہی کے مقابل انسانی تجویزیں جب بالکلیہ ناکام ہو جائیں گی تو سارے عالم کو علم الٰہی کی جستجو ہو گی، تب یہ نور خلوت سے جلوت میں آئے گا، اور اس قدر پھیلے گا کہ ساری کائنات میں سوائے مومنین کے اور کوئی نہ ہو گا۔ یہ خلوت جب تک جلوت نہیں بنتی آپ اس کے امین ہیں۔ آپ کو امانت مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، رحمت و برکات سے نوازے اور ہر مقام پر پورا رکھے۔

محمد اشرف فاضلی

مستقیم پیکیجز کوٹ لکھپت۔ لاہور

۱۷ر رجب المرجب ۱۴۰۱ھ

۲۲ر مئی ۱۹۸۱ء

آیاتہا ۷ | سُورَةُ الْفَاتِحَةِ | رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

فرمایا: صاحبو، اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ جو پاک ہو وہی اسے پا سکتا ہے۔ یہ پاکی اللہ کے محبوب سے عطا ہوتی ہے اور اس کی بدولت مخلوق کے ساتھ پورا رہنے کا ذاتی اور صفاتی علم عطا ہوتا ہے۔ الرحمٰن کی شان یہ ہے کہ وہ رحم کرتا ہے اور جب کوئی مقصود سے دور ہو رہا ہو تو اسے قریب کرنے کے لئے سختی بھی کرتا ہے۔ مگر یہ وقتی ہوتی ہے۔ پھر اس کا رحم ہی رحم ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ جس پر اللہ کا کرم ہو اس کے قریب ہونے کا شرف ہو جائے۔ اس طرح بسم اللہ عمل سے ہو جاتی ہے، ورنہ قول کی تکرار سچا ثابت ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا ثابت نہیں ہوتا۔

حاصل: ہر کام میں بسم اللہ قول سے ادا کرنا حق ہے۔ عملاً یہ دیکھنا لازم ہے کہ ہم عبادِ مخلصین کے اتباع میں تجویز سے پاک رہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ — حمد اللہ ہی کی ہے جو عالمین کا رب ہے۔

تعریف کا تعلق تعین سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ حمد کی حقیقت شان ہے، اور شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ ابتدا سے انتہا تک ہر حال میں اس کے پالنے کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس پالنے میں کسی کی تجویز کو دخل نہیں ہوتا۔

حاصل: رب العالمین کی حمد کرنے والے کو مطابق کے بھی مطابق رہنا چاہیے، مخالف کے بھی مطابق۔ توکل ایسا ہو کہ شکوہ زبان پر نہ آئے، اطمینان ہو کہ رب العالمین کا علم ہی سب سے اعلیٰ ہے اور ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہے اسی کے علم سے ہو رہا ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾ — جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کا خالق ہے اور پالنے والا ہے۔ پالنے والے کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی کو اعتدال سے دور ہوتا دیکھے تو

اس پر سختی بھی کرتا ہے۔ منشا اس کی فلاح ہوتا ہے۔ سختی کا مقام وقتی ہوتا ہے، اس کے بعد رحم کا مقام جاری و ساری رہتا ہے۔

حاصل : مخلوق کے ساتھ سختی اس کی بھلائی کے لئے اور وقتی ہو تو حق ہے۔ رحم دائمی ہونا چاہیے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۳ یوم الدین کا مالک۔

توفیق دینے والا ہی جزا دینے والا بھی ہے۔ جن لوگوں کا رخ حال پر اللہ کے محبوب کا ہوتا ہے ان کو جزا کا یقین ہوتا ہے۔ فلاحِ دارین انہی کے لئے ہے۔

حاصل : کام کوئی ہو، مقصود رضائے الٰہی رہے کہ جزا دینے والا وہی ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۴ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی اعانت چاہتے ہیں۔

رب العالمین کی بے حد مہربانی اور بے حد رحم کے اعتراف کے ساتھ جزا کو اسی کی طرف سے سمجھنا بندے پر حق ہے۔ اللہ کا نبی عبدہ اور اس کا حال عبودیت ہوتا ہے۔ عبودیت یہ ہے کہ عادتاً کوئی کام نہ ہو، اس لئے ہو کہ اللہ کے محبوب نے ویسا کیا ہے۔ اللہ کی مدد اس لئے چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں شاہدین میں لکھ لے، ہمیں تزکیہ عطا ہو اور فلاح عطا ہو۔

حاصل : عبدہٗ کا حال عبودیت کا معیارِ مطلق ہے۔ استعانت کی دعا اس لئے ہے کہ اللہ کے محبوب سے تزکیہ عطا ہو اور اطمینان عطا ہو۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۵ ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔

اللہ کے محبوب کے نقشِ قدم کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں کہ اللہ کی رضا اسی سے روشن ہوتی ہے۔ معلم کا پڑھنا کتاب و حکمت کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے۔ اس کو مانا جائے تو رب العالمین کی عبادت ہوگی اور صراطِ مستقیم پر ہونے کا ثبوت ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : [بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے تو اس کی عبادت کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔] (۳۶:۱۹) [اللہ کی عبادت ہی صراطِ مستقیم ہے۔] (۳۶:۶۱) اللہ کی عبادت کا معیار عبدہٗ ہے اور اس کے شاہدین ہیں۔

حاصل : صراطِ مستقیم کی ہدایت طلب کرنے سے یہ حق عائد ہوتا ہے کہ اللہ کے محبوب سے کسی مقام پر اپنی کوئی صورت نہ رکھی جائے اور رب العالمین کو اسی کے حوالے سے اور اسی کی شہادت سے یاد کیا جائے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

راہ ان کی جن پر تو نے انعام کیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں فرمایا ہے [اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے تو اسے ان کی معیت حاصل ہوگی۔ جن پر اللہ نے انعام کیا۔ نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ اور کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔ ۴ : ۶۹] ان انعام یافتہ حضرات کی معیت رضائے الٰہی کی سند ہے۔ اس معیت کا طریق حصول یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہو۔ اللہ کی اطاعت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی سے ثابت ہوتی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تابعین، تاصحین، شاہدین کی اطاعت سے ثابت ہوتی ہے۔ دعویٰ بھی حال پر ہوتا ہے، شاہد بھی حال پر ہوتا ہے اور بغیر شہادت دعویٰ قابل سماعت ہی نہیں ہوتا۔ انعام یافتہ کا اتباع خوف و حزن سے یقینی نجات کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے بڑی رفاقت کوئی نہیں ہو سکتی۔

حاصل : انعام یافتہ حضرات خوف و حزن سے نجات دلانے کا محکم علم رکھتے ہیں۔ ان کے اتباع سے انعام یافتہ صف میں شمار ہو جاتا ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ

نہ ان کی جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کی۔

خیر اور غیر کے مابین وقف رکھنا بہت بڑا حق ہے۔ قول میں یہ وقف لازم ہے اور عمل میں یہی وقف برہان ہے۔ انعام یافتہ کے ساتھ پورا رہنے کے لئے مغضوب اور ضالین سے بچنا ضروری ہے۔ مغضوب وہ ہوتے ہیں جو منافق ہوتے ہیں۔ جن کا دل کفر سے لگ جائے ان پر ہی اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ جو لوگ فرمان خداوندی میں اپنی تجویز کو داخل کرتے ہیں وہی فاسق ہوتے ہیں اور فاسق ہی گمراہ ہوتے ہیں۔ جو لوگ حق کو تسلیم کرنے کے دعوے کے بعد بھی اپنی چاہت اور کراہت سے فیصلے کرتے رہیں، ان سے دوری انعام یافتہ حضرات کے قرب کی سند ہے اور اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کی روشن نشانی ہے۔

حاصل : مغضوب اور ضالین سے دوری، انعام یافتہ حضرات کے قرب کی سند ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

[بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے، اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔]

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ
اٰیَاتُہَا ۲۸۶ — رُکُوْعَاتُہَا ۴۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾

حروفِ مقطعات

فرمایا: صاحبو، ان کے معنوں کا تعین کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہے، اور خلافِ حق ہے۔

حاصل: بولنے کے مقام پر بولنا، اور خاموشی کے مقام پر خاموش رہنا ضروری ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ﴿۲﴾

اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ متقین کے لئے ہدایت ہے۔

مع الجزء الاول ۱۲

اس کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے اور نازل فرمانے والے کی طرف سے اس پر کسی اجر کا سوال نہیں ہے۔ یہ ماننے والے لوگوں کے لئے ہدایت ہے، رحمت ہے اور شفا ہے۔ صاحبِ فرمان سوال اور خواہش سے پاک ہے، اس لئے اس کا فرمان شک سے پاک ہے۔ اس میں شک کرنے والا ناپاک ہے۔ جہاں فرمان علمِ یقین سے ہو اور اجر کا سوال موجود نہ ہو، وہاں شک کرنے والا خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ متقی اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ کے محبوب کے مطابق رہتا ہے۔ ہدایت کے معیار کا اتباع کرنے والا شک سے پاک ہو جاتا ہے، خلوت میں بھی، جلوت میں بھی۔ اللہ کے محبوب کا نقشِ قدم ہی اس کے لئے راہ روشن ہوتا ہے۔ متقی کا رخ ہر مقام پر اپنے شاہد کا ہوتا ہے، عمل کی کوئی صورت ہو۔

حاصل: جو صاحبِ فرمان اجر کے سوال سے پاک ہو، جس کا فرمان علمِ یقین پر مبنی ہو اور لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اس میں شک کرنے والا خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ متقی اللہ کے محبوب کے مطابق رہتا ہے، اس لئے ہدایت پاتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ ﴿۳﴾

وہ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

متقین کی صورت یہ ہے کہ وہ شاہدِ حق کے مطابق رہتے ہیں۔ جو کچھ بھی اس کی طرف سے فرمایا جائے، اسے حق مانتے ہیں، سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جس کی صداقت کا اعتراف ہو، جس کی امانت کا اعتراف ہو، اس کی بات کی تصدیق کرنا متقی کی شان ہے۔ نماز قائم کرنے والے نماز میں کئے ہوئے قول پر قائم رہتے ہیں۔ اور ایک نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور نیت کرتے ہیں۔ جو رزق کو عطائے خداوندی سمجھتے ہیں وہی اسے اللہ کی رضا پر لگاتے ہیں۔ متقی رضائے خداوندی کے لئے خرچ کرنے کا علم شاہدین سے سیکھتے ہیں اور انہی کے مطابق رہتے ہیں۔ اس خرچ میں ہر قدم پر علمِ حقیقی جلوہ گری کرتا رہتا ہے۔

حاصل : جس کی صداقت و امانت کا اعتراف ہو اس کی بات کو بلا دلیل ماننا ایمان بالغیب ہے۔ نماز میں کئے ہوئے قول پر قائم رہنے سے نماز قائم ہوتی ہے۔ اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اس کی رضا کے لئے اس کے عبادِ مخلصین کی صورت سے خرچ کرنا متقی کی شان ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

اور وہ کہ ایمان لائیں جو تمہاری طرف نازل ہوا اور جو تم سے قبل نازل ہوا اور آخرت پر یقین رکھیں۔

متقی حال کو بھی مانتے ہیں اور ماضی کو بھی مانتے ہیں۔ اور تفریق سے پاک رہتے ہیں۔ توفیقِ ایزدی کے استعمال میں رضائے خدا کو ملحوظ رکھنے والے جزا کا یقین رکھتے ہیں۔

حاصل : متقی حال کو بھی مانتے ہیں، ماضی کو بھی مانتے ہیں اور جزا کا یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

متقی اس ہدایت کا اتباع کرتے ہیں جس کے بھیجنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس ہدایت کے اتباع کی بدولت انہیں خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ قول میں ان کے شک نہیں رہتا، عمل میں ان کے گمان نہیں رہتا۔ شاہد کی مطابقت سے یہ لوگ فلاحِ دارین پاتے ہیں۔

حاصل : اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہونے کی علامات ہیں۔ ایمان بالغیب، صلوٰۃ کا قائم کرنا، انفاق فی سبیل اللہ، حال پر ایمان، ماضی پر ایمان اور آخرت پر یقین۔ فلاحِ دارین ان کا حاصل ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾

بے شک جو لوگ کافر ہو چکے انہیں برابر ہے، چاہے انہیں ڈر سناؤ یا نہ سناؤ، وہ ایمان نہ لائیں گے۔

جو حق کے انکار سے غیر کی طرف ہو جائے، وہ انکار پر قائم ہو جاتا ہے۔ اسے ڈر سنانا یا نہ سنانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لاتا۔ جو صاحب حق کی مخالفت پر اڑ جائے، وہ ایمان نہیں لایا کرتا۔ ایمان تو وہ لاتا ہے جسے عطاء خداوندی کے احسن استعمال کی قدر ہو، جسے خوف و حزن سے نجات درکار ہو، جسے زندگی بامقصد معلوم ہو۔

حاصل : جس کی طرف غیر ہو جائے، اسے ڈر سنانا یا نہ سنانا برابر ہوتا ہے۔ ایمان وہی لاتا ہے جسے زندگی بامقصد معلوم ہو، عطائے خداوندی کے احسن استعمال کی قدر ہو، اور خوف و حزن سے نجات کی طلب ہو۔

پارہ 25
الجاثیہ 45/23
آیت (23)
شہادت

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ ع

اللہ نے ان کے قلوب پر اور ان کے سمع پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

جس نے اپنی خواہشات کو معبود ٹھہرا لیا ہو، وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ (۴۵ : ۲۳) اس کا دل غیر کے ساتھ لگ جاتا ہے، خیر سے دور ہو جاتا ہے۔ وہ غیر کی ہی سنتا ہے، خیر کی سنتا ہی نہیں۔ یہ ہے قلب اور سمع پر مہر۔ جس کا مشاہدہ خواہش کی آنکھ سے ہو اسے خیر نظر نہیں آتا، اس کی آنکھوں پر پردہ ہوتا ہے۔ وہ عطائے خداوندی کو اپنی خواہشات کی پرستش پر لگاتا رہتا ہے اور حال پر خوف و حزن میں گھرا رہتا ہے۔ آخرت میں اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

حاصل : جو اپنی خواہشات کو معبود بنا لے اس کے قلب و سمع پر مہر ہو جاتی ہے۔ خواہش کے تحت دیکھنے والی آنکھ پر پردہ ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی کو اپنی خواہشات کی پرستش پر لگا دینے والوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ شوریٰ میں فرمایا ہے :

اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۚ مَا لَكُم مِّن مَّلْجَإٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِّن نَّكِيرٍ ﴿٤٧﴾

[اپنے رب کو مانو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ اس دن تمہیں کوئی پناہ نہ ہوگی اور نہ تمہیں انکار کرتے بنے گی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾

اور کچھ لوگ کہتے ہیں، ہم اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے، اور وہ مومن نہیں۔

اللہ پر ایمان لانا اور یومِ آخرت پر ایمان لانا دعویٰ ہے۔ شاہد کے اتباع کی شہادت نہ ہو تو یہ دعویٰ سچا ثابت نہیں ہوتا۔ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ توفیق کو اس کی عطا مانا جائے، اور یومِ آخر پر ایمان یہ ہے کہ اس کی رضا مقصود ہو ہر مقام پر۔ مومن کا حال ہوتے ہیں یہ دونوں مقامات۔ وہ شاہد کے اتباع کو اپنا حال بناتا ہے۔ منافق شاہد کا اتباع نہیں کرتا اس لئے اس کا دعویٰ سچا ثابت نہیں ہوتا۔

حاصل: اللہ اور یومِ آخر پر ایمان کا دعویٰ شاہد کے اتباع سے سچا ثابت ہوتا ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩

فریب دینا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو، اور دراصل فریب اپنے آپ کو ہی دیتے ہیں، اور انہیں شعور نہیں۔

جن کا قول عمل کی شہادت سے سچا ثابت نہیں ہوتا، ان کے دعوے کا منشا دھوکہ ہوتا ہے۔ یہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس دھوکے کا وبال انہی پر پڑتا ہے۔ یہ لوگ اشیاء کے طالب ہو جاتے ہیں، اور جس کی سب اشیاء ہیں اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ بے شعوری یہ ہے کہ اشیاء تو ہیں ہی لوگوں کے لئے اور ہیں بھی فانی اور یہ ان کو مقصودِ حیات بنا رہے ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے گا اشیاء اس کی طالب ہوں گی۔ فنا سے بھی وہی گزرے گا اور بقا بھی اسے ہی عطا ہو گی۔

حاصل: منافق وقتی فائدے کے لئے اللہ اور ایمان والوں سے دھوکہ کرتے ہیں۔ چاہت ہی انہیں لے ڈوبتی ہے۔ بقا کے مقابل فنا کی طلب بے شعوری ہے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝١٠

ان کے قلوب میں مرض ہے، تو اللہ نے ان کے مرض کو زیادہ کیا، اور ان کے لئے عذابِ الیم ہے اس لئے کہ وہ تکذیب کرتے تھے۔

جس قلب میں اشیاء کی خواہش ہو، وہ مریض ہوتا ہے۔ خواہش کے ساتھ صورت یہی رہتی ہے کہ ایک پوری ہو جائے تو اس سے مزید کئی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح انسان کوہلو کے بیل کی مانند اپنے مرکز کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ یہ لوگ شاہد کے فرمان کو ماننے کا دعویٰ بھی کریں تو ان کے دل دلبر کے تحت نہیں ہوتے، خواہش کا گھر ہوتے ہیں۔ اور خواہش کا یہ سلسلہ زندگی کے ساتھ ہی ختم ہوتا ہے۔ یہ لوگ اشیاء کے طالب ہونے کی بدولت حال پر بھی خوف و حزن میں مبتلا رہتے ہیں اور آخرت میں بھی المناک عذاب ان کی اپنی کاوش کا حاصل ہو گا، اس لئے کہ یہ قولاً حق کو مانتے ہیں عملاً اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

حاصل: شاہد سے محبت نہ ہو تو دل میں مرض کا ہونا اور اس کا بڑھنا ضروری ہے۔ ارشاد سے پہلے صاحبِ ارشاد کا ماننا لازم ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱

اور جب ان سے فرمایا جائے زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو مصلح ہیں۔

جس کے قلب میں اللہ کی رضا کے مقابل اشیاء کی خواہش ہو، وہ مفسد ہوتا ہے۔ اور اپنی خواہش کے اتباع کو ہی حق جانتا ہے۔ فساد یہ ہے کہ لوگوں کو تجویز میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، نام فائدے کا لیا جاتا ہے، حقیقت اس کی نقصان ہوتی ہے۔ جو اپنے فائدے کے لئے لوگوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے اور عطائے خداوندی کے مقابل انہیں تجویز میں پھنسائے وہ بڑا مفسد ہوتا ہے۔ نام لوگوں کے فائدے کا ہی لیتا ہے، اسی لئے اپنے آپ کو مصلح کہتا ہے۔ مصلح کی شان تو یہ ہے کہ اس کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے، اور شاہدین کی شہادت سے ہوتی ہے۔

حاصل : فائدے کا نام لے کر لوگوں کو عطائے خداوندی کے مقابل تجویز میں مبتلا کرنا فساد ہے۔ جس کی اپنی کوئی بات ہو وہ مصلح نہیں ہو سکتا۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲

خبردار، وہی مفسد ہیں ولیکن انہیں شعور نہیں۔

مفسد سے خبردار رہنا اپنی حفاظت کے لئے بھی ضروری ہے، دوسروں کی حفاظت کے لئے بھی ضروری ہے۔ مفسد اپنے وقتی فائدے کے لئے لوگوں کو کسی جگہ پھنسانے سے دریغ نہیں کرتا۔ جس وقتی فائدے کے لئے وہ حق کی عملاً تکذیب کرتا ہے وہ بھی اسے باذن اللہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ بے شعوری سے وہ اپنی دنیا و آخرت دونوں خراب کر لیتا ہے۔

حاصل : مفسد سے خبرداری ضروری ہے۔ وقتی فائدہ بھی اللہ کے اذن سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ بے شعور لوگ اسی فائدے کے لئے دنیا و آخرت خراب کر لیتے ہیں جو ہوتا ہی ان کے لئے ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

اور جب ان سے فرمایا جائے ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں، تو کہتے ہیں کیا ہم بےوقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ خبردار وہی بےوقوف ہیں اور انہیں علم نہیں۔

ایمان لانے کی صورت یہ ہے کہ ناصح سے محبت ہو جائے۔ قول بھی اسی کا ہو، عمل بھی اسی کا ہو، علم اور اخلاص بھی اسی کا ہو۔ محبت سے اس کا اتباع کیا جائے اور نتائج کو باذن اللہ مانا جائے۔ منافق اسے بےوقوفی سمجھتے ہیں کہ اس میں انہیں اپنی تجویز ذوقی نظر آتی ہے۔ حقیقتاً بےوقوفی یہی ہے کہ بہتر جاننے والے کے مقابل اپنی تجویز رکھی جائے۔ اس سے کبھی علم میں اضافہ نہیں ہوتا اور لاعلمی کا احاطہ بھی نہیں ٹوٹتا۔

حاصل : ایمان لانے کی صورت یہ ہے کہ ناصح سے محبت ہو۔ منافق کو یہ بے وقوفی معلوم ہوتی ہے۔ بے وقوفی دراصل بہتر جاننے والے کے مقابل اپنی تجویز میں مبتلا ہونے کا نام ہے۔ لاعلمی کا احاطہ اس سے کبھی نہیں ٹوٹتا۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾

اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب شیاطین کے پاس خلوت میں ہوں تو کہتے ہیں بے شک ہم تمہاری معیت میں ہیں، ہم تو استہزاء کرتے ہیں۔

خلوت و جلوت میں تضاد منافقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ ایمان والوں سے ملاقات ہو تو منافق کہتے ہیں، ہم ایمان لائے۔ اور خلوت میں غیروں کے پاس ہوں تو ان کی معیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہاں وہ دعوئ ایمان کو استہزاء کہتے ہیں۔ خلوت درست نہ ہو تو جلوت درست نہیں ہو سکتی۔

حاصل : خلوت درست نہ ہو تو جلوت درست نہیں ہو سکتی۔ اس سے استہزاء کا مقام بھی ضرور آتا ہے۔ یہ منافقت کی نشانیاں ہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾

اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے، اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں اندھے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے استہزاء یہ ہے کہ منافقوں کو ڈھیل دی جاتی ہے، اور وہ اس ڈھیل کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اور سرکشی میں مزید بڑھ جاتے ہیں۔ خواہشاتِ نفس انہیں اندھا کر دیتی ہیں حتیٰ کہ یہ اپنے کیے کے نتیجے میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

حاصل : خواہش کے اتباع سے بچنا حق ہے۔ اس حق کی ادائیگی نہ ہو تو سرکشی اور خسارے تک پہنچنا یقینی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾

یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کی، تو ان کی تجارت نفع نہ لائی اور نہ وہ ہدایت والے ہوئے۔

جن کی خلوت و جلوت میں تضاد ہوتا ہے، جو ایمان والوں کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور شیاطین کی معیت اختیار کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدلی۔ یہ لوگ اشیاء کے طالب ہوئے اور حق کی تکذیب کے مرتکب ہوئے۔ اشیاء بھی انہیں باذن اللہ ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس طرح یہ لوگ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کر کوئی نفع نہ پا سکے۔ دنیاو آخرت دونوں کا خسارہ ان پر مسلط ہو گیا۔ ہدایت کو ان لوگوں نے نہیں مانا۔ انہیں اپنی تجویز کی اتنی قدر تھی کہ یہ حق کے مقابل اسی کو ترجیح دیتے رہے۔ جو ہدایت کی راہ پر ہی نہ ہو اسے ہدایت نہیں ہوتی۔

حاصل : جو حق کو چھوڑ کر ناحق خرید لیتا ہے، اسے دونوں جہان کا خسارہ ہی ملتا ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک نے آگ روشن کی، پھر جب اس کا ماحول روشن ہو گیا، اللہ ان کا نور لے گیا اور انہیں ظلمات میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھتے نہیں۔

آگ سے روشنی ہوتی ہے اور ماحول روشن ہو جاتا ہے۔ اس روشنی کی شعاعیں روشن آنکھ پر پڑیں تو وہ روشن آنکھ دیکھنے لگتی ہے۔ اب اگر ماحول روشن ہو اور آنکھ دیکھنے والی نہ ہو تو نظر کیا آئے گا۔ روشنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی، اس کا ماحول منور ہوا، دیکھنے والے محبین نے دیکھا کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہیے۔ جن لوگوں کو آگہی کرنے والے سے محبت نہ ہو، ان کا نور ان کی ناشکری کی بدولت اللہ تعالیٰ لے جاتا ہے اور انہیں ظلمات میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر انہیں پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہیے، جس راستے پر وہ جا رہے ہیں اس کا انجام کیا ہو گا۔

حاصل : روشنی کی حقیقت آگہی ہے۔ آگہی کرنے والے سے محبت نہ ہو تو دیکھنے کی صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ اندھیرے میں موجود نظر آتا ہے نہ مقصود۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

بہرے، گونگے، اندھے وہ تو رجوع کرنے والے نہیں۔

جسے حق کے مقابل غیر کی بات کی طرف رغبت ہو وہ بہرا ہے، جو حق کو اپنے حال کے مطابق بیان نہ کرے وہ گونگا ہے، اور جس کا مشاہدہ خواہش کے تحت ہو وہ اندھا ہے۔ جہاں یہ تینوں مقامات جمع ہو جائیں وہاں حق کی طرف مراجعت کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

حاصل : غیر کی سننے والا بہرا، غیر بولنے والا خیر کو چھپانے والا گونگا، اور غیر کی آنکھ سے دیکھنے والا اندھا ہوتا ہے۔ یہ سب صورتیں جمع ہو جائیں تو رجوع الی اللہ ہونے کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

یا جیسے آسمان سے اترتا پانی کہ اس میں ظلمات اور رعد اور برق ہے۔ اپنے کانوں میں کڑک کے سبب موت کے ڈر سے انگلیاں ٹھونس رہے ہیں۔ اور اللہ کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

دوسری مثال یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جیسے موسلا دھار بارش کے وقت جب کہ اندھیرا بھی خوب ہو، گرج بھی ہو، چمک بھی ہو، تو یہ لوگ موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ ان کی تجویز انہیں کہاں بچا سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے تو کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نزول ہو رہا ہے، وہ لگاتار ہے۔ غیر کے انکار اور خیر کے اقرار کی گرج ماننے والوں کی بدولت ہے۔ اور یہ حق کو ناحق سے جدا کرنے والی روشنی ہے۔

حاصل : خواہشات میں الجھے ہوئے لوگ مومنین کے حال کو اپنے لئے پیغام موت جانتے ہیں کہ اس سے ان کا تشخص انہیں ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ نتیجہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے اذن سے مرتب ہوتا ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ ع ۲

یوں لگتا ہے برق ان کی بصارت اچک لے جائے گی۔ جب کچھ چمک ہوئی اس میں چلنے لگے اور جب اندھیرا ہوا کھڑے رہ گئے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں لے جاتا، بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

منافق جب صاحبانِ حق کے نور کو دیکھتے ہیں، تو ان کے انفاق فی سبیل اللہ کو دیکھ کر ان کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس برق سے ان کی بصارت ہی جاتی رہے گی۔ یہ لوگ ہادی سے تعلق نہیں رکھتے۔ جب کوئی بات ان کی پسند کے مطابق سامنے آجائے تو اس روشنی میں ذرا چل لیتے ہیں۔ جب ان کی پسند کے خلاف صورتحال ہو تو یہ اندھیرے میں کھڑے رہ جاتے ہیں۔ منزل پر تو وہی پہنچتا ہے جو اسلام میں پورا پورا داخل ہو۔ شاہد کی بات سمجھ میں آنے والی ہو تب بھی مانے اور سمجھ میں نہ آنے والی ہو تب بھی مانے۔ کان اور آنکھیں عطائے خداوندی ہیں، دینے والا لے لے تو اسے پوچھنے والا کوئی نہیں۔ اس عطا کا شکریہ ادا کرنا انسان ہی کے فائدے کے لئے ہے۔ اس سے کان کی سماعت اور آنکھ کی بصارت قائم رہتی ہے۔ ناشکری سے یہ

قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ختم ہو جاتی ہے۔

حاصل : مومنین کے انفاق فی سبیل اللہ سے منافق کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اپنی پسند کی صورت میں وہ کچھ چلتا ہے، پسند ختم ہوئی تو رک جاتا ہے۔ کان کو حق کے ساتھ لگایا جائے، آنکھ صاحبِ حق کے قدم پر رہے، تو فلاحِ دارین عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف، غیر سے پرہیز اور خیر کے در پر رہنے سے ثابت ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں فرمایا ہے :

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۳۶﴾

[ماننے تو وہی ہیں جو سنتے ہیں۔ اور ان مُردوں کو اللہ اٹھائے گا، پھر اسی کی طرف لوٹیں گے۔]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں خلق فرمایا اور تم سے قبل والوں کو، تاکہ تم متقی بنو۔

اللہ تعالیٰ ہی خالق کل ہے۔ وہی رب العالمین ہے۔ عبادت اسی کی حق ہے جو توفیق عطا کرنے والا ہے اور جزا دینے والا ہے۔ جس نے ہمیں خلق فرمایا ہے اور ہم سے پہلوں کو خلق فرمایا ہے اس سے بہتر ہماری بھلائی کا علم کوئی نہیں رکھتا۔ اس کے فرمان کو مانا جائے تو اس کے شاہدین کی مطابقت ہوگی، یہی تقویٰ ہے اور یہی ہدایت کی راہ ہے۔

حاصل : احکامِ خداوندی کو ماننا بڑا حق ہے کہ وہی ہمارا خالق ہے۔ وہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ رب کی عبادت شاہدین کی مطابقت سے ثابت ہوتی ہے۔ تقویٰ اس کا حاصل ہوتا ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾

جس نے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت ٹھہرایا اور آسمان سے پانی نازل فرمایا، پھر اس سے تمہارے رزق کے لئے ثمرات نکالے، تو کسی کو اللہ کے مقابل نہ ٹھہراؤ اور تمہیں معلوم ہے۔

زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنانے کا دعویٰ ہی وحدہٗ لاشریک کا ہے۔ لوازماتِ زندگی پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ ان کے لئے اسباب بنانے والا بھی وہی ہے۔ جب سارے ارکان اسی کے ہیں تو پھر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بڑا ظلم ہے۔ شرک انسانی تجویز ہے اور مصائب و آلام کے وقت اس کا کوئی پتہ نشانی باقی نہیں رہتا۔ اس وقت وحدہٗ لاشریک کو مانتے ہی بنتی ہے اور یہ انسان کو معلوم ہے۔

حاصل : سارا اہتمام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے احکام کے مقابل کسی کا حکم ماننے کے لائق نہیں۔ انسان کو معلوم ہے کہ حکم معطیٔ مطلق کی ہی شان کے لائق ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر تمہیں اس میں شک ہو جو ہم نے اپنے عبد پر نازل فرمایا، تو اس کی مثل ایک سورۃ لے آؤ۔ اور اللہ کے مقابل اپنے شہداء کو پکارو اگر تم سچے ہو۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے، وہ سب سے بہتر جاننے والے کی طرف سے ہے اور بہتر جاننے والے پر ہے۔ لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے اور اسی میں فلاح کی ضمانت ہے۔ اگر کسی فرد کو یا جماعت کو اس کے علم الٰہی ہونے میں شک ہو اور وہ اسے انسانی کوشش سمجھتے ہوں تو اس کی مثل ایک سورۃ لے آئیں، اور اس کے لئے اللہ کے مقابل اپنے سب حمایتیوں کو بلالیں۔ یہ سب مل کر ہی اپنی صداقت کا کوئی ثبوت پیش کریں۔ من دون اللہ تو اللہ کے مقابل والوں پر ہی آتا ہے، اللہ کے دوست تو اس میں شمار نہیں ہوسکتے کہ وہ اسے ماننے والے ہیں۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے برابر نہیں ہوا کرتے۔ صداقت کا ثبوت پیش کرنا تو ان کے ذمے ہے جو قرآن پاک کو انسانی کاوش سمجھتے ہیں۔

حاصل : جسے فرمانِ خداوندی میں شک ہو وہ اس کی مثل ایک سورۃ لاکر دکھائے اور اللہ کے مقابل اپنے حمایتیوں کو پکارے۔ صداقت کا ثبوت دعوے سے نہیں شہادت سے ہوتا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

پھر اگر نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے، تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار ہے کافرین کے لئے۔

فرمانِ خداوندی کی مثل پیش کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی فرمایا ہے، لوگوں کی بھلائی کے لئے فرمایا ہے، علمِ اکمل سے فرمایا ہے۔ خواہش کے تحت بولنے والا اس کی مثل کبھی نہیں لاسکتا۔ پھر اگر علمِ الٰہی کو مانتے ہو تو اس کو مانو اور اس آگ سے بچو جو اس فرمان کے نہ ماننے والوں کے لئے انہی کے اعمال سے پیدا ہوگی۔ غیر کی جزا دوزخ ہے جو پہلے سے مقرر ہے، اور یہ کافر کے اعمال کے نتیجے سے تعلق رکھتی ہے۔ منکرین کو اس میں ڈالا جائے گا۔ آگ کو دیرپا بنانے کے لئے پتھروں کو بھی ایندھن بنایا جائے گا۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کی مثل لانا ممکن ہی نہیں۔ اس کو ماننے کا ثبوت اس آگ سے بچنے کی سعی پر ملتا ہے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس سے آگاہی کی جارہی ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۵

اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے، کہ ان کے لئے جنّت ہیں جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ جب انہیں ان سے کوئی ثمر رزق کے لئے دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں، یہ وہی رزق ہے جو ہمیں قبل ملا تھا۔ اور وہ انہیں متشابہ دیا گیا۔ اور ان کے لئے ان میں ازواجِ مطہرہ ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ ناصحین سے محبت رکھتے ہیں، وہ ان کے قول کو بھی مانتے ہیں، ان کے اعمال کو بھی مانتے ہیں۔ جن لوگوں کے اعمال پر صالحین کی شہادت ہو، ان کے اعمال صالح ہوتے ہیں۔ ان سچوں کو جنت کی بشارت حال پر دی جاتی ہے۔ جنت کی حقیقت راحت ہے۔ جو لوگ حال پر اللہ کے محبوب کی معیت میں رہتے ہیں، وہ سبب سے نہیں مسبّب سے لگے رہتے ہیں۔ انہیں جو رزق بھی ملتا ہے، اس میں وہ سبب کو نہیں مسبّب کے فضل کو دیکھتے ہیں۔ ان کی سعی اللہ کے فضل کو تلاش کرنے کی ہوتی ہے۔ جس علم سے وہ مخلوق کی خدمت کرنا جانتے ہیں، اس سے حقِ خدمت ادا کرتے ہیں اور رزق کو اپنی کوشش کی بدولت نہیں جانتے۔ اس لئے حال پر انہیں وہی ملتا ہے جو جنّت میں ملے گا۔ اسی لئے وہ جنّت کے ثمرات کو پاکر عرض کریں گے، یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا۔ جنّت میں بھی جو عطا ہوگا وہ کسی سبب کی بدولت نہیں ہوگا، اس لئے یہ دونوں ایک ہی طرح کے رزق ہیں۔ اسی حال کا مستقبل بنے گا۔ جو حال پر جنّتی ہے، مستقبل میں بھی وہی جنّتی ہوگا۔ جنّت میں ازواج کا منشا بقائے نسل نہیں ہوگا، اس لئے دنیا کی صورت نہیں ہوگی میل جول کی۔ ازواجِ مطہرہ خدمت کے لئے ہوں گی اور مومنین کے حال کو بقا ہوگی۔

حاصل: صالح مومن جنّتی ہیں، وہ یہاں بھی مسبّب کی معیت میں رہتے ہیں وہاں بھی ان کا یہی حال ہوگا۔ موجودہ حال کا ہی مستقبل بننے والا ہے۔ ازواجِ مطہرہ ان کے لئے ہیں، یہ ان کے لئے نہیں ہیں۔ جسے دائمی راحت ہو، وہی جنّت میں ہمیشہ رہنے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بے شک اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بڑی، تو جو ایمان لائے ہیں انہیں معلوم ہے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور جو کافر ہوئے تو وہ کہتے ہیں، اس مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہے۔ کثیر کو اس سے گمراہ

يَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶

کرتا ہے، اور کثیر کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔ اور گمراہ اس سے فاسقین ہی کو کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو بڑی حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ جوں جوں منشائے تخلیق اور افادیت واضح ہوگی، خالق کل کی قدر بھی بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھر اور مکھی کو جس حکمت سے پیدا کیا ہے اور جو خدمت یہ چھوٹے جاندار سرانجام دے رہے ہیں، اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ کائنات میں ہر شے علم سے اور حکمت سے رکھی گئی ہے، اور ہر شے اپنا اپنا منشائے تخلیق پورا کر رہی ہے۔ ایمان والے یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں حکمت موجود ہے، اور یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ کافروں کی نظر حکمت پر نہیں ہوتی۔ وہ کسی چیز کے بارے میں اپنے گمان کو بیان کرنے لگتے ہیں، اور اپنی تجویز میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حق کے مقابل اپنی تجویز میں مبتلا ہو جانے کا نام فسق ہے۔ فسق کا حاصل گمراہی ہے۔ جو فرمان کو مانے، اور صاحبِ فرمان کا اتباع کرے اسے ہدایت ہوتی ہے۔ جو فرمان میں اپنی سمجھ کو داخل کرے وہ اپنے فسق کی بدولت گمراہ ہو جاتا ہے۔

حاصل : جو بیان حکمت پر مبنی ہو اس سے شرمانا حق نہیں۔ جو فرمان کو مانے اور صاحبِ فرمان کا اتباع کرے، اسے ہدایت ہوتی ہے۔ جو فرمانِ حق میں اپنی تجویز کو داخل کرے، وہ اپنے فسق کی بدولت گمراہ ہو جاتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷

وہ جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کے میثاق کے بعد، اور اسے قطع کرتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے امر دیا ہے، اور زمین میں فساد کرتے ہیں، وہی خسارے والے ہیں۔

اللہ کا امر یہ ہے کہ عدل کرو اور احسان کرو اور رشتہ داروں کو دو۔ اللہ بے حیائی اور برائی سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ ۱۶ : ۹۰ مفسد اللہ کے فرمان کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنانے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور پھر اپنے عہد تسلیم کو توڑتے ہیں جب کہ اس عہد کو پکا کر چکے ہوتے ہیں اور اس پر شہادت موجود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والے صبر کرتے ہیں اور مخالف کے بھی مطابق رہتے ہیں۔ برائی کو بھلائی سے ٹالتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو چھپے اور ظاہر اس کی رضا پر لگاتے ہیں۔ یہ جوڑنے والے ہیں، جس کے جوڑنے کا اللہ نے امر دیا ہے۔ ان کے خلاف جن کا معاملہ مخلوق سے اپنی غرض و غایت کے لئے ہوتا ہے، وہ جہاں غرض و غایت پوری ہوتی نہ دیکھیں، تعلق توڑ لیتے ہیں۔ ان کے سامنے اللہ کی رضا کا کوئی معیار ہو تو وہ پورے رہیں اس پر۔ معیار خواہش نفس ہو تو اللہ کے امر کی خلاف ورزی ضرور ہوتی ہے۔ اللہ کے امر کی خلاف ورزی ہی فساد ہے، اور اسی کا حاصل خسارہ ہے۔ نتائج تو باذن اللہ ہوتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے والا بھی وہی حاصل کر سکتا ہے، جو باذن اللہ ہوتا ہے۔ اور اس کا شمار بھی غیر کے ساتھ ہو جاتا ہے، یہ دونوں جہاں کا خسارہ ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کی تسلیم کے بعد اپنی چاہت کے پیچھے لگنا جوڑنے کے امر کی خلاف ورزی ہے، اور توڑنے والی بات ہے۔ خلافِ حق کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ فساد کا حاصل خسارہ ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

بھلا کیسے اللہ کی ناشکری کرتے ہو اور حالانکہ تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف رجوع کرو گے۔

عدم سے موجود کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ توفیق دینے والا بھی وہی معطیِ مطلق ہے۔ مہلت جو حیاتِ دنیا کی صورت سے دی جاتی ہے، اس کے بعد موت دینے والا بھی وہی ہے۔ اور پھر بعث بعد الموت بھی اسی کے ہاتھ ہے، اور جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ کسی بھی مقام پر دیکھو اسی وحدہٗ لاشریک کا احاطہ ہے۔

حاصل : جو عدم سے موجود کرنے والا ہے، توفیق دینے والا ہے، موت کے بعد حیات دینے والا ہے، جزا دینے والا ہے، اس کی ماننے میں ہماری ہی بھلائی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع ۳

وہی ہے جس نے تمہارے لئے خلق فرمایا جو کچھ زمین میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف استویٰ فرمایا، تو انہیں ٹھیک سات آسمان بنایا۔ اور وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

جو کچھ بھی زمین میں ہے، اللہ نے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ کسی شے کو بے مقصد کہنا بھی حق نہیں اور کسی شے کو ضائع کرنا بھی حق نہیں۔ اس کے اچھے استعمال کا علم سیکھنا بڑا حق ہے۔ کسی بھی شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا حکمت ہے۔ زمین کے اہتمام کے بعد اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے آسمان کی طرف استویٰ فرمایا گیا۔ سات آسمان بنائے گئے۔ زمین جب مردہ ہو جاتی ہے تو اس کے لئے باعثِ زندگی پانی آسمان سے نازل فرمایا جاتا ہے۔ ہر شے کا خالق ہی ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل : کوئی بھی شے زمین پر بے مقصد نہیں ہے۔ سب کچھ بندوں کے لئے ہے۔ ہر شے کا آسمان سے بھی تعلق ہے۔ ہر شے کا استعمال علمِ الٰہی سے ہو تو استعمال کرنے والے کو بھی اور اس کے ساتھیوں کو بھی اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾

[کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے۔ ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں۔]

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا، میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، عرض کرنے لگے، کیا اس میں اسے ٹھہراتا ہے جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے، اور ہم حمد سے تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ فرمایا مجھے بڑا علم ہے، جو تمہیں معلوم نہیں۔

جب ہمارے رب نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمین میں خلیفہ ٹھہرانے کا ذکر ملائکہ سے کیا کہ زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ تصرف میں لائے جانے کے لئے ہے۔ فرشتوں نے یہ دیکھا کہ زمین کی خلافت کی حقیقت بہت بڑی توفیق سے اشیاء دنیا کو تصرف میں لانا ہے۔ پھر انسانوں کے لئے فرشتوں کی طرح رہنا بھی ممکن نہ ہو گا کہ ایک فرشتے کو دوسرے فرشتے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ زمین میں رہنے والے اشیاء کے تصرف کے وقت اپنی خواہشات کی وجہ سے ٹکرائیں گے اور خون بہائیں گے۔ توفیق کی وسعت اور اشیاء مشترکہ، اس میں فساد اور خون بہانے کا امکان تو نظر آتا ہے۔ اور اس کے مقابل فرشتوں کا حال یہ ہے کہ وہ امر کے مطابق لگے ہوئے ہیں۔ حمد سے تسبیح کر رہے ہیں، تقدیس کر رہے ہیں۔ وہاں فساد کا کوئی مقام ہی نہیں، کہ ہر ایک اپنے اپنے دائرہ کار میں امر کے مطابق لگا ہوا ہے۔ ایک کا دوسرے سے تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ سب سے بڑا علم رکھنے والا میں ہی ہوں اور تمہارا علم تمہارے حال ہی سے تعلق رکھتا ہے، فرشتوں پر یہ واضح کرنے کے لئے ہے کہ توفیق عطا فرمانے والا سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ تمہیں صرف خلوت کی پاکی حاصل ہے۔ اس کا مقام اور ہو گا، جو تمہیں معلوم نہیں۔

حاصل : نائب مقرر کرتے وقت ماننے والوں کے سامنے اعلان کرنا ضروری ہے۔ سننے والوں کو چاہئے کہ نائب کو اپنی ذات پر قیاس نہ کریں۔ معطیٔ مطلق ہی سب سے بہتر جانتا ہے کہ اس کی عطا کیا ہے، رضا کیا ہے، اور وفا کیا ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو سب نام سکھا دیئے۔ پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے کیا۔ پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

آدم علیہ السلام کو خلوت و جلوت کی پاکی کا شرف بخشا گیا۔ فرشتوں کو صرف خلوت کی پاکی حاصل ہے۔ آدم علیہ السلام کے تصرف میں آنے والی تمام اشیاء کے نام انہیں سکھا دیئے گئے۔ کسی شے کے نام سے مراد صرف اس کا نمبر جاننا نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس کا محل استعمال، اس کی مقدارِ استعمال، طریقِ استعمال، اس کے فوائد اور نقصان کی صورت میں علمِ اصلاح، اس کل کا نام علمِ اسماء ہے۔ اشیاء سب بندے کے لئے ہیں، اس کی طالب ہیں۔ جس کا مقام آئے اس کا نام لیا جاتا ہے۔ وہ آگے آجاتی ہے، باقی طواف کرتی رہتی ہیں۔ فرشتوں کے سامنے ان اشیاء کو لا کر ان سے ان کے نام پوچھنا اس لئے تھا کہ جس مقام کے بارے میں تم نے بات کی تھی کہ فساد ہو گا اور خون بہے گا اس کا علم رکھتے ہو تو خلیفے کے تصرف میں آنے والی چیزوں کے نام بتاؤ۔

حاصل : جس کو مقام عطا کیا جاتا ہے، اس کے تصرّف میں آنے والی اشیاء کا علم بھی اسے عطا کیا جاتا ہے۔ قیاس کی بنا پر اس حال کو بیان کرنے والوں سے یہی پوچھنا چاہئے، اگر تم سچے ہو تو یہاں کام آنے والے ارکان کے نام بتاؤ۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

عرض کرنے لگے، تجھے پاکی ہے۔ ہمیں کچھ علم نہیں، مگر جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی علم والا حکمت والا ہے۔

فرشتوں نے جب حضرت آدم علیہ السلام کے تصرف میں آنے والی اشیاء کو دیکھا، اور جس حال کے بارے میں وہ کہہ چکے تھے کہ فساد ہو گا اور خون بہے گا، وہاں کام آنے والی اشیاء کے نام بھی وہ بتا نہ سکے، تو ان کا اس حال کے بارے میں کلام کرنا پورا نہ ہوا۔ پورا ہی صادق ہوتا ہے۔ وہ عرض کرنے لگے، ہمیں تو وہی علم ہے جو ہمیں دیا گیا ہے اور کچھ نہیں۔ علیم مطلق اور حکیم مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

حاصل : جسے خلوت کی پاکی حاصل ہو، وہ خلوت و جلوت کی پاکی والے کے متعلق کلام کرے تو اس کی بات پوری نہ ہوگی، کہ اس کی بات اس کے حال سے ثابت نہیں ہوگی۔ جو مقام اپنا حال نہ ہو وہاں یہی کہنا حق ہے کہ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہی بہتر جانتا ہے۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

فرمایا، اے آدم (علیہ السلام) انہیں ان کے نام بتایئے۔ جب آپ نے انہیں سب کے نام بتا دیئے، فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں ارض و سماوات کے غیب کا سب سے بڑا جاننے والا ہوں، اور مجھے بڑا علم ہے، جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام نے سب اشیاء کے نام بتادیئے، جو اس حال پر پیش تھیں، تو آدم علیہ السلام کے تصرف میں آنے والی اشیاء کے بارے میں ان کا علم کامل ثابت ہوگیا۔ علم کامل ہو تو فساد نہیں ہوتا کہ ہر شے کو اس کے مقام پر رکھا جاتا ہے۔ اشیاء کی طلب اور خواہش سے فساد پیدا ہوتا ہے، اور اشیاء کے مطلوب ہونے کے مقام پر رہنے سے فساد کی جڑ کٹتی ہے۔ اشیاء سب انسان کے لئے ہیں، انسان اشیاء کے لئے نہیں ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس حال پر ارشادِ خداوندی ہوا کہ میں نہ کہتا تھا ارض و سماوات کے غیب کا سب سے بڑا جاننے والا میں ہی ہوں۔ مجھے بڑا علم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔ خالقِ کل سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ وہ جسے چاہے علم عطا فرمادیتا ہے۔ بندہ علم والا تو ہو سکتا ہے، سب سے بڑا علم اللہ تعالیٰ ہی کی شان کے لائق ہے کہ خالقِ کل وہی ہے۔ محبوب کو تصرف کا علم عطا فرمانے والا بھی وہی ہے۔ فرشتوں نے ظاہراً جو کہا وہ تو اوپر بیان ہو چکا ہے، چھپایا اس بات کو کہ ہماری تسبیح، تحمید، تقدیس کے باوجود خلیفے کی شان بالا ہو گی۔

حاصل : اشیاء کو تصرف میں لانے کا علم علمِ الٰہی ہو، تو فساد کا امکان نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ تصرف کا علم اپنے محبوب کو عطا فرماتا ہے۔ جس سے کچھ مخفی نہیں ہے اس کا خوف بہرحال محیط ہونا چاہیئے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور جب ہم نے ملائکہ سے فرمایا آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ منکر ہوا اور تکبّر کیا اور کافرین سے ہو گیا۔

ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا، تو ملائکہ نے سجدہ کیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو خلیفہ مانتے تھے۔ حکم سجدے کا تھا اس لئے سجدہ کیا گیا۔ حکم میں جاننے کی شرح ہی نہیں رکھی گئی۔ اس کا ماننا ضروری ہے، جاننا ضروری نہیں۔ ابلیس نے حکم کو جاننے کی کوشش کی۔ جہاں حکم سن کر تعمیل کی بجائے سوچ کا مقام آجائے، وہاں خواہش کی بدولت انکار کا مقام بھی آتا ہے۔ تکبّر کا مقام بھی آتا ہے۔ اس طرح غیر سے غیر ملتے رہتے ہیں اور غیر جماعت بنتی جاتی ہے۔

حاصل : حکم کا ماننا ضروری ہے، جاننا ضروری نہیں۔ حکم کو جاننے کی کوشش سے انکار اور تکبّر ضرور پیدا ہوتا ہے، اور غیر کے ساتھ کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

اور ہم نے فرمایا اے آدم (علیہ السلام) آپ اور آپ کی زوجہ جنّت میں رہیں اور اس میں سے کھائیں جہاں سے چاہیں۔ مگر اس شجرے کے قریب نہ جائیں، پھر ظالمین سے

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

ہو جائیں گے۔

آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ کو جنّت میں رہنے کا اور اس سے کھانے کا، جہاں سے وہ چاہیں، حکم ہوا اور ایک شجرے کے قریب دونوں کو جانے سے منع فرمایا گیا۔ جنّت میں رزق بے سبب ملتا ہے۔ آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو آگاہ فرما دیا گیا کہ اس شجرے کے قریب جانے سے ظالمین میں شمار ہو جائے گا۔ کھانے کی ایک شے سے منع کر دینا اور اس کے نتیجے سے بھی آگاہ کر دینا اس لئے تھا کہ یہ غیر رخ کے تعیّن کی صورت تھی۔

حاصل : جنت میں رزق بے سبب ملتا ہے۔ غیر رخ کا تعیّن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوا۔ اس کے نتیجے سے آگاہی بھی اسی کی شان ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

پھر شیطان نے انہیں ہلا دیا، پھر انہیں وہاں سے نکالا جس میں تھے۔ اور ہم نے فرمایا، تم سب اترو۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک مستقر اور متاع ہے۔

جس شجرے کے قریب جانے سے منع فرمایا گیا تھا، آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ نے حال پر اس حکم کی ادائیگی کی اور اس کی ادائیگی کی نیّت رکھی۔ شیطان ان کا دشمن تھا۔ اس نے ان دونوں کو ان کے مقام سے ہلا دیا اور انہیں اس درخت سے استفادے کی ترغیب دی اور یہ کہا کہ تمہیں اس سے منع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ کہیں تم ملک نہ ہو جاؤ یا تمہیں دوام نہ مل جائے۔ اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کے لئے نصیحت کرنے والا ہوں۔ انہوں نے اس شجرے کو چکھا۔ ۲۰ : ۲۲ تو ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں، اور وہ اپنے بدن پر جنت کے پتے چپکانے لگے۔ انہوں نے دشمن کا کہا مانا، بھول ہو گئی اور ساتھ ہی غیر عمل کی صورت بھی متعیّن ہو گئی۔ پہلے قول کی صورت سے وقف تھا خیر اور غیر میں، اب عمل کی صورت میں بھی وہ روشن ہو گیا اور وہ راستہ متعیّن ہو گیا، جس سے منع رہنا حق ہے۔ ساتھ ہی جنت سے اترنے کا حکم بھی ہو گیا۔ شیطان نے وہاں بھی دشمنی کی تھی، یہاں بھی وہی دشمن ہے۔ زمین کا مستقر اور متاع ایک وقت تک کے لئے ہے۔ اس وقت کو گزارتے ہوئے اس بات کا لحاظ بہر حال ضروری ہے کہ شیطان ہمارا دشمن ہے۔ خواہش کے جال میں ہمیں پھنسانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ ہمیں اس کے اتباع سے بچنا لازم ہے، ورنہ ہم مستقر کو بھی خراب کر لیں گے اور متاع بھی ضائع ہو جائے گی۔

حاصل : نیّت خیر کی ہو تو بھی یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہمیں ترغیب دینے والا ہمارا دشمن تو نہیں ہے، ورنہ مشقت ضرور گلے پڑ جائے گی۔ مستقر کو پاک رکھنے کے لئے اور متاع کے صحیح استعمال کے لئے حق کو ماننا اور خواہش کے اتباع سے بچنا لازم ہے۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ

پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے

عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

کلمات سیکھ لئے۔ پھر اس پر متوجہ ہو گیا۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کلمات سیکھ لئے۔ توبہ کی۔ عرض کی، اے ہمارے رب ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور خسارے والوں سے ہوئے۔ اللہ تعالٰی نے آپ پر توجہ فرمائی۔ توبہ کا علم بھی اللہ تعالٰی ہی سکھاتا ہے۔ رخ اسی کا ہو تو سکھاتا ہے۔ بھول ہوئی تو سکھاتا ہے، اور نیّت درست ہو تو سکھاتا ہے۔ آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو اللہ تعالٰی نے انہیں توجہ کرنے پر معاف فرمایا۔ اور ان کی بدولت توبہ کا دروازہ کھل گیا جس سے قیامت تک بھولنے والے گزرتے رہیں گے اور ان کی بھول پھول بنتی رہے گی۔ اللہ تعالٰی آدم علیہ السلام کی خطا کے ارتکاب سے پہلے ہی تواب الرحیم تھا، اس لئے بندے سے بھول کا ہو جانا قدرتی بات تھی۔ بھول جانا بھی محبوبِ خدا کی ایک صفت ہے۔ توبہ کرنے والے کی بھول کو توبہ قبول کرنے والے کا کرم نعمت بنا دیتا ہے۔ اس کی ذات کے لئے بھی اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی۔ اللہ تعالٰی کی طرف سے رحم کا مقام اتنا بڑا رکھا گیا ہے کہ اس میں ساری کائنات بھی داخل ہو جائے تو اس کا ایک کونہ نہیں بھرتا۔

حاصل : توبہ کا کلمہ بھی اللہ تعالٰی ہی سکھاتا ہے۔ توبہ قبول کرنے والا بھی وہی ہے، رحم کرنے والا بھی وہی ہے۔ ہمیں بھی معاف کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

ہم نے فرمایا، تم سب اتر جاؤ۔ پھر اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت پہنچے، تو جو اس کا اتباع کرے، ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ انہیں حزن ہو گا۔

آدم علیہ السلام، ان کی زوجہ اور ان کے دشمن کو اتر جانے کا حکم ہوا۔ توفیق عطا فرمائی گئی، توفیق کے استعمال کی صورت روشن فرمائی گئی، ہدایت کے منجانب اللہ آنے کا اطمینان دلایا گیا، اس کی شان واضح فرمائی گئی کہ اس کے اتباع سے خوف و حزن سے یقینی نجات ملے گی۔ اس حال پر جو ہادی کا اتباع کرے گا، اسے ہادی سے محبت ہو گی۔ جس سے محبت ہو، خلوت و جلوت کا اس کے مطابق ہو جانا یقینی ہے۔ اسی محبت کا مستقبل جنت ہے۔

حاصل : زمین پر کسی سزا کے طور پر نہیں بھیجا گیا بلکہ یہ دیکھنے کے لئے کہ عطائے خداوندی کا استعمال اس کی رضا کے مطابق ہوتا ہے یا خلاف۔ ہدایت کے قاسم کا اتباع محبت سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ ہادی سے محبت ہو تو خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۤئِكَ

اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری

۱۰ع ۴ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

آیات کی تکذیب کی، وہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ حق کو نہیں مانتے، ہدایت کو منجانب اللہ نہیں جانتے، صاحبانِ حق کے اتباع کی بجائے اپنی خواہش کا اتباع کرتے ہیں، انہیں حال پر خوف و حزن گھیرے رکھتا ہے۔ آخرت میں ان کے لئے آگ کا عذاب ہو گا۔ توفیقِ ایزدی کو رضائے خداوندی کے خلاف استعمال کرنے والے ہمیشہ خسارے میں رہیں گے۔

حاصل : صاحبانِ حق کا انکار آیاتِ خداوندی کی تکذیب ہے۔ حاصل اس کا دوزخ ہے۔ توفیقِ ایزدی کو رضائے خداوندی پر لگانا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے۔
وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾
[اور جو برا عمل کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے، پھر اللہ سے استغفار کرے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔]

LB/WHH 6/9/05
HH/HR 27/9/05

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو تم پر انعام ہوئی۔ اور میرا عہد وفا کرو میں تمہارا عہد وفا کروں گا۔ اور مجھ ہی سے ڈرو۔

بنی اسرائیل وہ لوگ ہیں جن کو پہلے عالمین میں فضیلت عطا فرمائی گئی تھی۔ یہ انعام یاد رکھنے کے لائق تھا۔ یہ ذکر تعلیمِ امت کے لئے ہے اور حال سے تعلق رکھتا ہے۔ عطائے خداوندی کو جو یاد رکھتا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ جو ناشکری کرتا ہے، وہ نعمت کو ضائع کر دیتا ہے۔ صاحبو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اللہ کی مدد چاہو اور صبر کرو۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۖ سورۃ اعراف ○ (۷ : ۱۲۸) [بے شک زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں سے جسے چاہے اس کا وارث بناتا ہے۔] یہ خدائی عہد تھا۔ اب اگر یہ لوگ نتائج کو اپنی کاوشوں کی بدولت جاننے لگیں اور خواہشات کے اتباع میں لگ جائیں، تو پھر یہ اللہ سے کئے گئے عہد کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے، جو خسارے کی راہ ہے۔ دنیا و آخرت میں جسے اللہ کا ڈر ہو اسے کوئی خواہش نہیں رہتی۔ جسے خواہش ہو اسے اللہ کا ڈر نہیں ہوتا۔

حاصل : عطائے خداوندی کی قدر کرنے والا، اللہ کی مدد چاہتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ وہ اللہ ہی سے ڈرتا ہے اور عہد کو وفا کرتا ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

اور ایمان لاؤ جو میں نے نازل فرمایا۔ اس

مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے۔ اور اس کے اوّلین منکر نہ بنو۔ اور میری آیتوں کے بدلے قلیل دام نہ لو۔ اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

بنی اسرائیل پہلے وارثِ کتاب تھے۔ ماضی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد جو نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا، یہ اس ماضی کا مصدق ہوا۔ اس طرح اس ماضی کے حاملین پر بھی یہ حق عائد ہوا کہ وہ حال کی تصدیق کریں۔ اگر وہی اپنی خواہشات کی بدولت اور وقتی فائدے کے پیشِ نظر حق کا انکار کرنے لگیں تو بھی نتائج پر انہیں قدرت تو ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا یہ ہے کہ نتائج کو اسی کی طرف سے مانا جائے۔

حاصل : ماضی کا مصدق حال ہوتا ہے۔ حاملِ ماضی کو تصدیق کرنی چاہیے۔ اپنی خواہش کے تحت حق کو بدلنے کی کوشش کرنے والا خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ نتیجہ تو پھر بھی باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ۔ اور نہ حق کو چھپاؤ، اور تمہیں معلوم ہے۔

بنی اسرائیل نے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسمٰعیل سے دیکھا، تو حال کی تصدیق کی بجائے باطل کو حق کے ساتھ ملا کر پیش کرنے لگے۔ اور جو حق ان کے پاس حال کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اسے چھپانے لگے۔ حضور کو پہچاننے میں شک نہیں تھا، انہیں معلوم تھا کہ یہ وہی ہیں جن کی بشارت دی جاتی رہی ہے۔ علمِ الٰہی کسی کی تجویز کے تابع نہیں ہوتا۔ شیطان بھی تو اتنی سی بات سے راندۂ درگاہ بنا کہ اس نے اپنے آپ کو بہتر کہا۔ حکم کو ماننے کی بجائے اسے جانچنے کی کوشش کی اور عمل کے مقام پر بول پڑا۔

حاصل : حق سے باطل کو ملانا، حق کو چھپانا معلوم ہو جانے کے باوجود ہو تو یہ خواہشات نفس کے اتباع کی سند ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

نماز اور زکوٰۃ لازم و ملزوم ہیں۔ نماز کا درجہ قول کا ہے۔ زکوٰۃ دی جائے تو قول سچا ثابت ہوتا ہے۔ اور رکوع کرنے والے حال پر جو ہوں ان کی معیت میں رکوع کیا جائے تو حق کی ادائیگی ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل اگر اللہ کا فرمان مانیں تو نماز قائم ہو گی، اس کے رسول کا اتباع کریں تو زکوٰۃ ادا ہو گی اور رکوع کرنے والوں کی معیت اختیار کریں تو رکوع ہو گا۔ ورنہ اس حال کا

انکار، ماضی کا بھی انکار ہو گا کہ یہ حال اس ماضی کا مصدّق ہے۔

حاصل : نماز قائم رکھنا قول ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنا عمل ہے۔ قول عمل کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ خیر کی جماعت کا ساتھ رکھنا ضروری ہے۔ اپنی الگ صورت رکھنا حق نہیں ہے۔

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا لوگوں کو بھلائی کا امر کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو۔ اور تم تو کتاب پڑھتے ہو، تو کیا عقل نہیں کرتے۔

جو لوگ فرمان خداوندی کو پڑھ کر یا سن کر دوسروں کو سنانے لگتے ہیں اور خود اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، ان کا سنانا غرض و غایت کے لئے ہوتا ہے۔ جس کتاب اور شنید سے فائدہ پہنچے، اس کا دوسروں کے سامنے بیان کرنا حق ہے۔ جس پر خود عمل نہ کیا جائے، اس کی کسی کو ترغیب دینا خلافِ حق ہے اور خلافِ عقل ہے۔ عقل یہ ہے کہ جس بات سے خود فائدہ اٹھایا ہو، وہ دوسروں کو بتائی جائے۔

حاصل : صرف قول کو ماننے والے، دوسروں کو بتاتے ہیں اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ یہ خلافِ عقل ہے۔ جس کا قول ہے، اس سے محبت ہو تو عملاً پورا رہنے کا شرف ہوتا ہے۔ عقل کرنا یہ ہے، کہ جس بات سے خود فائدہ اٹھایا ہو وہی دوسروں کو بتائی جائے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور صبر اور نماز سے استعانت چاہو۔ اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے، مگر خشوع والوں پر۔

صبر ہے، نتائج کو باذن اللہ پورا جاننا، مزید علم عطا ہونے کا باعث ماننا، کسی مقام سے نہ لگنا اور مقام عطا کرنے والے کے ساتھ لگے رہنا۔ نماز سے استعانت اس طرح ہوتی ہے، کہ فرمان خداوندی کو قول سے ادا کیا جائے، عملاً اس پر پورا رہنے کا رخ رکھا جائے اور مخلصین کا ساتھ ہو۔ اسی طرح حق ادا ہوتا ہے ورنہ نہیں ہوتا۔ نماز کو خوشی سے ادا کیا جائے تو یہ آسان اور ہلکی ہوتی ہے۔ خوشی سے ادا ہونے کی یہی صورت ہے کہ محبوب کی سنّت جان کر ادا کی جائے۔ اس کے علاوہ ہر صورت میں یہ بھاری ضرور ہوتی ہے۔

حاصل : محبوب کی سنّت جان کر نماز پڑھی جائے تو خشوع بھی ہوتا ہے، فلاح بھی ہوتی ہے، ورنہ یہ بھاری ہوتی ہے۔

۱/۴ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا

جنہیں پتہ ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے، اور یہ کہ انہیں اسی کی طرف رجوع

رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ﴿۴۶﴾ ع ۵

کرتا ہے۔

خشوع والوں کا حال یہ ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنے کا پتہ ہے۔ اس کی طرف مراجعت ان کے سامنے ہے۔ جس کی معیت وہاں سچے ہونے کا معیار ہے، اس کی معیت کو وہ حال بناتے ہیں۔ اور اپنے پالنے والے کو علیم مطلق جانتے ہوئے اپنی تجویز کو حق کے ساتھ نہیں ملاتے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وبرکت سے نوازتا ہے۔

حاصل : جزا کا یقین اور جزا دینے والے کا رخ رکھنا حال پر اللہ کے محبوب کا اتباع کرنے ہی سے ثابت ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

[اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ قیامت کے دن تمہیں ضرور جمع کرے گا، جس میں کچھ شک نہیں۔ اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے۔]

يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیا، اور یہ کہ تمہیں عالمین پر فضیلت دی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آل فرعون کے عذاب سے نجات دی، اور انہیں زمین میں خلافت دی اور وہی جگہ جہاں انہیں کمزور کر دیا گیا تھا، اللہ کی تائید و نصرت سے ان کے تصرف میں آ گئی۔ جس کو اللہ تعالیٰ کا انعام یاد رہے وہ حال پر رضائے الٰہی کے مطابق رہتا ہے۔ جس کو انعام خداوندی یاد نہ رہے، اس کی فضیلت ختم ہو جاتی ہے۔ فضیلت تو معیتِ حق کا انعام ہے۔ اور یہ صورت قیامت تک جاری و ساری رہے گی۔

حاصل : اللہ کا انعام یاد رکھنے والے ہی اپنی فضیلت کو سنبھال سکتے ہیں۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی نفس کسی دوسرے نفس کی جزا نہ ہو گا، اور نہ اس کی طرف سے شفاعت قبول ہو گی، اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے گا، اور نہ ہی ان کی نصرت ہو گی۔

قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ اس لئے کوئی نفس کسی کی جگہ پکڑا نہیں جائے گا۔ ہر ایک کو اپنے حال پر نظر رکھنی چاہیے، اور یہ دیکھنا چاہئے کہ جس توفیق کا وہ حامل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگ رہی ہے یا اس کے خلاف۔

جس کو توفیق دی گئی ہے، وہ جواب دہ بھی ضرور ہو گا۔ چونکہ وہ وقت، وقتِ جزا ہو گا، عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو چکی ہو گی، اس لئے شفاعت کی حقیقت مزید مہلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بندوں کے لئے بنایا ہے، اور بندوں کو اپنے لئے بنایا ہے۔ اشیاء بھی بندے کا بدل نہیں ہو سکتیں۔ پھر معطیٔ مطلق نے ہی تو متاع دی ہے۔ اسی کی دی ہوئی متاع کیسے بدلہ ہو سکتی ہے اس کے سامنے۔ نصرت کا مقام بھی توفیقِ ایزدی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب عمل کی مہلت ہی ختم ہو چکی ہو گی تو نصرت کا امکان ہی نہ رہے گا۔ جب کسی دوسرے کو بدل بھی نہ بنایا جا سکے، مزید مہلت بھی نہ مل سکے، متاع بھی بدلہ نہ ہو سکے، نصرت بھی ممکن نہ ہو تو ایسے مقام پر اللہ کی رضا کے پانے والوں کو ہی راحت ہو گی۔

حاصل : جس دن کوئی کسی کا بدلہ نہ ہو سکے گا، مزید مہلت نہ ہو گی، متاع بھی بدلہ نہیں ہو گی، نصرت بھی ممکن نہ ہو گی، اس دن کے مالک سے ڈرنا چاہئے اور اس کی رضا کو اپنا حال بنانا چاہئے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اور جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات بخشی، جو تمہیں بری مار مارتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی۔

آلِ فرعون بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل بھی اور بعد بھی ایذا دیتے رہے۔ بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھنے کی صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اپنے مقابل انہیں عددی قوت کے اعتبار سے پست رکھنے کے لئے، آلِ فرعون ان کے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بلا تھی۔ اللہ تعالیٰ کے احسان سے بنی اسرائیل کو نجات ملی۔ مصائب و آلام کا دور ختم ہوا۔ مصائب و آلام باذن اللہ ہی ہوتے ہیں۔ جو صبر کرتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے، اسے مزید انعام عطا ہوتا ہے۔ جو اسباب کی طرف سے جانتا ہے، وہ پس جاتا ہے۔

حاصل : کسی بھی کوشش سے نتیجہ باذن اللہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی مخلوق پر ظلم کرنے والے اپنی جڑیں کاٹ رہے ہوتے ہیں۔ مصائب کو باذن اللہ مانا جائے تو مزید علم عطا ہوتا ہے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا، پھر تمہیں نجات دی، اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

بنی اسرائیل جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں دریا پر پہنچے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ بنا دیا۔ دریا کو

قدرتِ خداوندی سے پھاڑ دیا گیا۔ بنی اسرائیل پار ہو گئے۔ یہ راستہ خیر والوں کے لئے تھا۔ جب آلِ فرعون نے بھی اس راستے کو اپنے غیر مقاصد کے تحت اختیار کیا، تو وہ غرق کر دیئے گئے اور بنی اسرائیل کے دیکھتے دیکھتے ان کے دشمن کو ہلاک کر دیا گیا۔

حاصل : نصرتِ خداوندی شاملِ حال ہو تو اسباب کبھی رکاوٹ نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔ ان کا عمل مظلوم کے دیکھتے دیکھتے انہیں پکڑ لیتا ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا، پھر آپ کے بعد تم نے بچھڑا بنا لیا اور تم ظالم تھے۔

بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کے بعد ان لوگوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ شرک کیا اور ظلم کے مرتکب ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کو ان کے بعد ماننے سے گریز اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت نہیں تھی۔ شاہد سے محبت نہ ہو تو ظلم سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : شاہد سے محبت کا ثبوت یہ ہے، کہ جس طرح اس کے سامنے اس کے حکم کو مانا جاتا ہے، اسی طرح اس کے بعد بھی اس کے حکم کو مانا جائے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ہم نے تم پر عفو فرمایا اس کے بعد کہ تم شکر کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر تورات کے لئے حکمِ خداوندی کے مطابق حاضر ہونے پر بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا کی اور فرمانِ خداوندی کا انکار کیا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر عفو فرمایا کہ یہ اللہ کے احسان کو مانیں اور فرمانِ خداوندی کی تکذیب سے بچیں، اور اس بات پر نظر رکھیں کہ جس نے ہمیں سب کچھ عطا فرمایا ہے حکم تو اسی کا ماننے کے لائق ہے۔

حاصل : حکم تو اسی کا ماننے کے لائق ہے، جو مطاعِ مطلق ہے۔ شکر قول سے بھی ہو، عمل سے بھی ہو تو سچا ثابت ہوتا ہے۔ عمل سے شکر یہ ہے کہ شاہد کا اتباع ہر مقام پر مقصود رہے۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور فرقان عطا فرمایا کہ تم ہدایت پاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے عطا فرمائی گئی۔ فرقان کی حقیقت خیر اور غیر میں فرق کرنا

ہے۔ خیر اور غیر میں فرق معلوم ہو، تو راہ راست پر رہنا ممکن ہوتا ہے۔ ورنہ عدوٌ مبین دوست کا لبادہ اوڑھ کر بھی جہنم رسید کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مخلصین پر شیطان کا اغواء ممکن نہیں ہوتا۔ ان کے بیان میں تضاد نہیں ہوتا۔ وہ معیار کے مطابق ہوتے ہیں، اس لئے معیاری ہوتے ہیں اور معیار ہوتے ہیں۔

حاصل : فرقان کا علم ہو تو ہدایت ہوتی ہے۔ خیر اور غیر کے مابین عملاً وقف رکھنا نہ آتا ہو تو نہ فرقان موجود ہوتا ہے نہ ہدایت ممکن ہوتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا، تم نے بچھڑے کو اخذ کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا، تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ اور اپنے آپ کو مار ڈالو۔ یہ تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر تم پر متوجہ ہوا۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

بنی اسرائیل کے بچھڑا پوجنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ اور اپنے آپ کو مار ڈالو۔ اس کی حقیقت اپنی خواہشات کو مارنا ہے۔ اس طرح خواہش کا خاتمہ مقصود ہے جس کا اتباع صراطِ مستقیم سے بھٹکنے کا باعث بنتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو فرمانے کی تو سند موجود ہے، اور شکریہ ادا کرنے کا موقع دینے کی بھی شہادت موجود ہے۔ جس نے توفیق عطا فرمائی ہے، اس کی رضا کو مقصود بنالیا جائے تو اس سے بہتر عمل اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس حکم کی ادائیگی کی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی۔ معلوم ہوا کہ یہ حیاتِ دنیا ہی میں ہوا۔ اور توبہ قبول کرنے والے رحم فرمانے والے کی شان بنی اسرائیل کے مشاہدے میں آئی۔ اگر سزا کے طور پر قتل کرنا مانا جائے، تو یہ بات فرمان خداوندی کے مطابق نہیں ہے۔ حکم دوسروں کو مارنے کا تو نہیں ہے۔ اور ایک دوسرے کو مارنے کا بھی نہیں ہے۔ حکم تو اپنے آپ کو مارنے کا ہے۔

حاصل : ظالم اپنے ظلم کو قطع کرے تو اس کی حقیقت اپنے آپ کو مارنا ہی ہے۔ پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ اس کی رضا کے مطابق اس کی توفیق کو استعمال کیا جائے۔ ہمیں بھی لوگوں کو معاف کرنا چاہئے اور ان پر رحم کرنا چاہئے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ

اور جب تم نے کہا، اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ اعلانیہ

لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اللہ کو دیکھ لیں، تو تمہیں زلزلے نے پکڑ لیا اور تم دیکھ ہی رہے تھے۔

جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے، انھوں نے یہ کہا کہ ہم تو اللہ کو دیکھ کر ہی آپ پر ایمان لائیں گے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننے کا ثبوت تھا۔ ورنہ جس کی معیت کی بدولت انہیں آلِ فرعون کی بری مار سے نجات ملی تھی، جس کی بدولت انہیں زمین میں خلافت ملی تھی، اس کے فرمان میں اپنی خواہش کو داخل کرنا ماننے والوں کی شان کے تو لائق ہی نہیں تھا۔ اس گستاخی پر انہیں زلزلے نے پکڑ لیا۔ اور وہ قدرتِ خداوندی کے سامنے اپنے عجز کو دیکھتے ہی رہ گئے۔

حاصل: جو صاحبانِ حال کو ماننے کے بعد ان کے فرمان میں اپنی خواہش کو داخل کرنے کی کوشش کرے، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ ہو جاتی ہے۔ اور وہ قدرتِ خداوندی کے مقابل اپنے عجز کو دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر مرنے کے بعد ہم نے تمہیں اٹھایا کہ تم شکر کرو۔

زلزلے میں مبتلا ہو کر مر جانے والے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید مہلت مل جانے کا شکریہ ادا کریں، اور فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہش و تجویز کو داخل کرنے سے بچیں۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی مہلت کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ جب مزید توفیق عطا ہو تو مزید شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور تم پر ہم نے ابر کا سایہ کیا۔ اور تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا۔ کھاؤ طیبات سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے۔ اور انھوں نے ہم پر ظلم نہ کیا، ولیکن اپنے اوپر ہی ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے لئے نئی زمین پر سائے کا ہونا اللہ کی بہت بڑی نعمت تھی۔ من و سلویٰ اس رزق کو کہتے ہیں جو بلا سبب عطا ہو۔ طیّبات وہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال ٹھہرایا گیا ہے۔ جو لوگ فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی تجویز میں پڑتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑتے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ جس کا امر ذاتی غرض و غایت سے پاک ہو، اور فلاح کی سند کے ساتھ ہو، اس کے منکر کو ہی نقصان ہوتا ہے، صاحبِ امر کی شان میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حاصل: سایہ بڑی نعمت ہے۔ بلا سبب ملنے والا رزق من و سلویٰ ہے۔ جس کا امر خواہش سے

پاک ہو، غرض و غایت سے پاک ہو، اس کے منکر کو ہی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾

اور جب ہم نے فرمایا، اس قریئے میں داخل ہو، اور اس میں سے کھاؤ جہاں سے چاہو، اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور عرض کرو، حِطّۃٌ۔ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے، اور محسنین کو، اور زیادہ دیں گے۔

اللہ تعالٰی کی طرف سے انعام کے ساتھ ہی مقام بھی عطا ہوتا ہے۔ اس کے آداب بھی واضح فرمائے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو جس قریئے میں داخل ہونے کا امر دیا گیا، اس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے، حِطّۃٌ کہنے کا حکم تھا۔ مقام اللہ تعالٰی کی طرف سے عطا ہوا تھا اس لئے اس کا ادب بھی لازم تھا۔ حِطّۃٌ کہنے سے بخشش مانگنا مراد تھا۔ فرمانِ خداوندی کو ماننے والے اپنے اوپر احسان کرتے ہیں۔ ان سے دوسروں کو بھی سکھ ملتا ہے۔ ایسے لوگوں پر مزید عطا ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالٰی کی طرف سے عطا ہونے والے مقامات لائقِ احترام ہوتے ہیں۔ حکمِ خداوندی کی تعمیل عطائے مزید کا باعث بنتی ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۵۹﴾ ع ۱۳

تو ظالموں نے قول جو انہیں فرمایا گیا تھا غیر سے بدل دیا۔ تو ہم نے ان پر آسمان سے رجز نازل فرمایا، اس لئے کہ وہ فسق کرتے تھے۔

جو حکمِ خداوندی میں اپنی خواہش کو شامل کرتا ہے، وہ ظالم ہوتا ہے۔ اس پر اس کے فسق کی بدولت عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ پھر اس کی کوئی تجویز اس کے کام نہیں آتی۔ فاسق کو اس لئے ہدایت نہیں ہوتی کہ اس کو ہادی سے محبت نہیں ہوتی۔ وہ اصول پسند تو ہو سکتا ہے، جس سے اصول بنتا ہے اس سے محبت نہیں رکھتا۔

حاصل : فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہش کا شامل کرنا باعثِ عذاب ہوتا ہے۔ حق کے ساتھ اپنی تجویز ملانے کا نام فسق ہے۔

شہادت : اللہ تعالٰی نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ

كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾

[ایمان والے فی سبیل اللہ قتال کرتے ہیں اور کافر فی سبیل الطاغوت قتال کرتے ہیں۔
تو شیطان کے دوستوں سے قتال کرو۔ بے شک شیطان کا داؤ ضعیف ہے۔]

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ
فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ
فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ
قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا
تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا، تو ہم نے فرمایا، اپنے عصا سے پتھر پر ضرب لگایئے۔ پھر اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔ ہر گروہ نے اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے، اور زمین میں فساد نہ اٹھاتے پھرو۔

بنی اسرائیل کے لئے آلِ فرعون سے نجات پا لینے کے بعد کئی مسائل تھے۔ پانی سب سے اہم رکن ہے انسانی زندگی میں۔ مصنوعی پانی کبھی طبعی پانی کا بدل نہیں ہو سکتا۔ پھر اہمیت کی حد یہ ہے کہ نباتات کو چشمے کا پانی دیا جائے تو بار آور ہوتی ہیں، اور اعمال کی کھیتی کو چشم کا پانی دیا جائے تو بار آور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعام کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے لئے پانی کی دعا کی۔ اسے قبولیت بخشتے ہوئے جواب یہ دیا گیا کہ اپنا عصا پتھر پر ماریئے۔ تعمیلِ حکم سے اس میں بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اس قوم کے بارہ قبیلوں کا ثبوت بھی اسی بات سے ملتا ہے کہ ہر ایک نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ رزق بے سبب عطا ہو رہا تھا، پانی کے چشمے بھی عطا ہو گئے. کھانے اور پینے کے کام میں اب کوئی خوف تھا نہ ڈر۔ اس نعمت کا شکریہ یہ تھا کہ جس کی بدولت یہ عطائے بے بہا ہوئی تھی، اس کی معیت کی قدر کی جائے۔ اس کے فرمان کو تسلیم کیا جائے۔ اس کی تعظیم کی جائے۔ اس سے محبت رکھی جائے۔ اور کسی مقام پر اس کی اطاعت و اتباع میں خواہشِ نفس کو حائل نہ ہونے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے۔ اسی کے فرمان کو مانا جائے تو اعتدال بر قرار رہتا ہے۔ جہاں انسانی خواہشات کو اللہ کے فرمان سے ملانے کی کوشش کی جائے فساد اٹھنے لگتا ہے۔

حاصل : صاحبانِ حق کی دعا کی بڑی شان ہے۔ جس کی معیت سے انعام ملا ہو، اس کی اطاعت و اتباع باعثِ فلاح ہے، اس کے فرمان میں اپنی تجویز کو داخل کرنا باعث فساد ہوتا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى
طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْ

اور جب تم نے کہا، اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم سے طعامِ واحد پر صبر نہ ہو گا۔ تو اپنے رب سے دعا کیجئے کہ زمین کی اگائی ہوئی چیزوں سے ہمارے لئے ترکاری اور ککڑی

بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا
وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ
هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ
ع بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

اور گیہوں، مسور اور پیاز نکالے۔ فرمایا، کیا بہتر کو ادنیٰ سے بدلنا چاہتے ہو۔ اترو مصر میں، وہاں تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا۔ اور ان پر ذلت اور ناداری ڈالی گئی، اور اللہ کے غضب میں پھرے۔ یہ اس لئے ہوا کہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور نبیوں سے ناحق لڑتے تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھنے والے تھے۔

بنی اسرائیل جب توکّل کی حد کو پھلانگ گئے تو یہ کہنے لگے، ہم سے ایک طعام پر صبر نہیں ہو سکتا۔ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ نباتات سے ہمارے لئے ترکاری، اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز نکالے۔ جہاں سے توکّل جاتا رہے، وہاں مشقت ضرور آجاتی ہے۔ توکّل کی صورت سے جو عطا ہو وہ بہتر ہے۔ اپنی خواہش سے جو چاہا جائے وہ ادنیٰ ہے۔ ادنیٰ کے ساتھ مشقت لازم ہے۔ جب توکّل موجود نہ رہے تو مقام بھی بدل جاتا ہے۔ اس لئے اپنی تجویز کو فرمانِ خداوندی پر ترجیح دینے والوں کو ان کی چاہت کی بدولت مشقت میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان پر ذلّت بھی سوار ہو جاتی ہے، ناداری بھی مسلّط ہو جاتی ہے۔ ذلّت اس لئے کہ معیتِ حق کی بجائے وہ اشیاء کی چاہت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ناداری اس لئے ہوتی ہے کہ خواہشات بڑھتی رہتی ہیں، اور جو بھی موجود ہو وہ خوف کی وجہ سے کم ہی نظر آتا ہے۔ یہ اللہ کا غضب ہے۔ اللہ کی آیات کا انکار ہے۔ اللہ کی آیات کا انکار نبی سے عملاً لڑائی ہے کہ اللہ کا فرمان نبی سے عطا ہوتا ہے۔ نبی اس فرمان کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔ فرمان کا انکار ہی صاحبِ فرمان کی نفی کی حقیقت رکھتا ہے۔ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ (۴۰ :۵۱) [بے شک ہم یقیناً اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں اور ایمان والوں کی، حیاتِ دنیا میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے]۔ اللہ تعالیٰ ہی خیر النّاصرین ہے۔ جس کا اللہ ناصر ہو اس کا خاتمہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ پھر قتل کے معنی بہرحال ختم کرنے اور مارنے ہی کے نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (۹ :۳۰) [اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔] نبی سے لڑنا ہی قتلِ ناحق ہے۔ یہ نافرمانی ہے اور حد سے تجاوز ہے۔ اس کا حاصل اللہ کا غضب ہے۔

حاصل : توکّل کا خاتمہ مشقت کا بلاوا ہوتا ہے۔ توکّل سے جو عطا ہو وہ بہتر ہے۔ چاہت سے جو حاصل ہو وہ ادنیٰ ہے۔ فرمانِ ربی کے عملاً انکار کی حقیقت فرمان پہنچانے والے کا قتلِ ناحق ہے۔


القرآن الكريم

اور اس سے قطع تعلق ہے۔ اس کا حاصل اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ پھر ذلت اور ناداری اللہ کے غضب کی صورت سے مسلط ہو جاتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں فرمایا ہے :

يَـٰبَنِىٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَـٰتِى ۙ فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

[اے بنی آدم جب تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں، تم پر میری آیتیں پڑھیں، تو جو پرہیزگاری کرے اور اصلاح لے تو ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ انہیں حزن ہو گا۔]

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَٱلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلنَّصَـٰرَىٰ وَٱلصَّـٰبِـِٔينَ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝٦٢

بے شک ایمان لانے والے اور یہودی اور نصرانی اور صائبین میں سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور صالح عمل کرے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ نہ ان پر خوف ہو اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

ایمان لانے والے قولِ حق کو مانتے ہیں۔ یہ پہلا درجہ ہے۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے دعویدار ہیں۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے دعویدار ہیں۔ صابئین بھی حق کو ماننے کے دعویدار ہیں۔ مومن ہونے کی اہلیت کے اعتبار سے یہ سب ایک سے ہیں۔ جو بھی ان میں سے حال پر حق کو مانے، اللہ کے محبوب کو شاہد بنائے اور صالح عمل کرے، وہ صاحبِ فلاح ہے۔ اللہ کے محبوب کے اتباع کی حقیقت صالح عمل ہے۔ صورت کوئی ہو، اتباع سوائے محبت کے ممکن ہی نہیں۔ محبت کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کو عطا فرمائی گئی ہے۔ جو حال پر سچے ثابت ہو جاتے ہیں، انہیں خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ اللہ کے محبوب کی حب سے انہیں یہ علم عطا ہوتا ہے کہ رب العالمین انہیں علم سے پالتا ہے۔ سعی کرنا بندے کے ذمے ہے۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور جو قادرِ مطلق کی طرف سے ہو، اسی میں حکمت ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنے آپ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور اللہ کی مخلوق کی خدمت میں لگے رہتے ہیں، کہ توفیق منشائے خداوندی کے مطابق استعمال ہوتی رہے اور اسی صورت میں اس دنیا سے واپسی ہو۔ اس مستقر اور متاع کو ایک وقت تک برتنے میں اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ معیار سامنے رہے اور نفسِ امارہ کے امر کا انکار ہوتا رہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے محبوب سے محبت کی اہلیت سب کو دی گئی ہے۔ جو محبت رکھے گا، اسی کے اعمال صالح ہوں گے۔ وہی سچا ثابت ہو گا، اور اسے ہی خوف و حزن سے نجات ملے گی۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَـٰقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ ٱلطُّورَ خُذُوا۟ مَآ ءَاتَيْنَـٰكُم بِقُوَّةٍ وَٱذْكُرُوا۟ مَا فِيهِ

اور جب ہم نے تم سے میثاق لیا، اور تم پر طور کو بلند کیا۔ جو ہم تمہیں عطا کرتے ہیں اسے قوت سے پکڑو، اور جو اس میں ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ اسے یاد رکھو، تاکہ تم پرہیز گار رہو۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پر گئے تھے۔ وہاں انھوں نے یہ کہا کہ ہم تو بن دیکھے خدا کو نہیں مانیں گے۔ انھیں زلزلے نے پکڑ لیا۔ پھر موت کے بعد انھیں زندہ کیا گیا۔ کتاب عطا ہوئی اور اس کے ماننے کا میثاق ان سے لیا گیا۔ تجویز اور خواہش میں جلد مبتلا ہو جانے والی قوم حق سے گریز کا پہلو تو پہلے ہی سامنے رکھتی تھی۔ فرمانِ خداوندی کے انکار کے انجام کا نقشہ بھی انھیں وہیں دکھا دیا گیا۔ یہ عطائے خداوندی کو قوت کے ساتھ پکڑنے کے لئے انھیں درکار تھا۔ یہ جبر واکراہ نہ تھا کہ کتاب تو وہ لینے کے لئے گئے تھے۔ فرمانِ خداوندی انھیں جبراً نہیں دیا گیا۔ مگر میثاق پر پورا نہ رہنے کا انجام وہیں دکھا دیا گیا کہ یہ فرمان پر پورے رہیں۔ جو اس میں ہے اسے یاد رکھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کامل محبت رکھیں، اس سے انھیں یہ شرف حاصل ہو جائے گا کہ یہ غیر اور غرور سے بچے رہیں گے۔ یہی پرہیزگاری ہے۔

حاصل : زبردستی کسی کو کچھ منوانا حق نہیں، لیکن تسلیم پر پورا نہ رہنے کے انجام سے آگاہ کرنا بڑا حق ہے۔ اس سے بہ قوت حق پر رہنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ فرمان سنانے والے سے محبت ہو تو فرمان یاد رہتا ہے۔ فرمانِ حق یاد ہو تو غیر سے بچاؤ رہتا ہے۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

پھر اس کے بعد تم پھر گئے۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، یقیناً تم خاسرین سے ہوتے۔

فرمانِ خداوندی کے انکار کے انجام سے آگاہی کے باوجود بنی اسرائیل میثاق سے پھر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے فضل اور رحمت سے ڈھیل دی۔ ورنہ ان لوگوں کے خسارے میں مبتلا ہونے میں کیا کسر تھی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ بڑی رحمت والا ہے۔ اپنے بندوں کو ڈھیل دیتا ہے۔ ہمیں بھی سزا دینے سے پہلے اپنے مخالف کو مزید مہلت دینے کا حق ملحوظ رکھنا چاہئے۔ جس کے ساتھ زیادتی ہو، معاف کرنے کا اختیار بھی اسی کو ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ ۚ

اور بے شک تمہیں معلوم ہے، وہ جنھوں نے سبت میں حد سے تجاوز کیا، تو ہم نے فرمایا ان سے ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔

بنی اسرائیل کو ہفتے کے روز مچھلی کے شکار سے منع فرمایا گیا تھا اور اللہ نے ان سے پختہ میثاق لیا تھا۔ جب ان لوگوں نے اپنی خواہشات کے اتباع میں حکمِ خداوندی کی حد سے تجاوز کیا، تو اللہ کا امر ہو کر رہا۔ یہ لوگ عذابِ خداوندی کی بدولت معنوی

صورت میں آگئے۔ بندر کی حقیقت ہوتی ہے نقل کرنا اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگنا۔ جو لوگ فرمان خداوندی کے مطابق رہتے ہیں، وہی بندے ہیں۔ جو فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ بظاہر انسان بھی ہوں تو حقیقتاً اپنی اپنی خواہشات کے مطابق جانور صفت ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً قوم کے دشمن کی حقیقت کتا ہوتی ہے۔ زانی کی حقیقت خنزیر ہی ہوتی ہے۔ جب کوئی انسان فرمانِ خداوندی کی حدود سے تجاوز کر جائے، تو وہ اپنی بری صفتوں کے مطابق صورت بدل لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دھتکار دیا جاتا ہے۔

حاصل : حد سے تجاوز کرنے والا جیسی خواہش رکھتا ہو، اسی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ صورتِ انسانی کی قدر کرنی چاہئے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

پھر ہم نے اسے عبرت ٹھہرایا ان کے لئے جو وہاں تھے، اور جو پیچھے آنے والے تھے۔ اور متقین کے لئے موعظت۔

اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے والے، حال پر دیکھنے والوں کے لئے بھی باعثِ عبرت ہوتے ہیں اور پیچھے آنے والوں کے لئے بھی۔ متقین کے لئے یہی وعظ ہے، وہ اپنی خواہشات کے اتباع سے پرہیز کرتے ہیں۔

حاصل : حدود اللہ سے تجاوز عبرتناک ہوتا ہے۔ متقین حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا، بے شک اللہ تمہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا امر کرتا ہے۔ کہنے لگے، آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ کی پناہ کہ جاہلوں سے ہوں۔

بنی اسرائیل نے فرمانِ خداوندی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت سے مانا ہوتا تو یہ لوگ روشنی کے مینار ہو جاتے۔ یہ لوگ صرف اصول پسندی کی حد تک ہی رہے ہیں۔ اصول کے معلم سے محبت انہیں کم ہی ہوئی ہے۔ اس قوم میں ایک قتل ہوا۔ اس کے چھپانے والے ہی دعویدار بن گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں گزارش پیش کی گئی اس کے حل کے جاننے کے لئے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا امر کرتا ہے۔ بچھڑے کی پرستش کے خاتمے کے ساتھ گائے کے تقدس کا خاتمہ بھی ضروری تھا۔ اس لئے اس میں بڑی حکمت تھی۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کو سن کر یہ کہا، کیا آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ کی پناہ، میں جاہلوں سے نہیں ہوں۔ مذاق شوکتِ نفس کے لئے ہوتا ہے یا کسی کو نقصان پہنچانے کی نیت سے۔ یہ دونوں امور جہالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ کی پناہ پکڑنے والے جو بھی فرماتے ہیں، اس میں حقیقت جلوہ گر ہوتی ہے۔

حاصل : امرِ خداوندی میں حکمت یقیناً ہوتی ہے۔ اللہ کے محبوب بندے مذاق نہیں اڑاتے۔ مذاق کرنے والے جاہل ہوتے ہیں۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿۶۸﴾

عرض کرنے لگے۔ اپنے رب سے دعا کیجئے، کہ وہ ہمیں بتا دے کہ وہ گائے کیسی ہے۔ فرمایا اس کا ارشاد ہے، کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہے نہ نویل، اس کے درمیان ہے، تو کرو جو امر تمہیں ہوا ہے۔

بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کرنے کا امر ہوا، تو وہ عرض کرنے لگے، ہمیں یہ بتا دیجئے کہ وہ ہے کیسی۔ جواب میں یہ ارشادِ خداوندی سنایا گیا، کہ وہ نہ تو بوڑھی ہے نہ نویل۔ درمیانی عمر کی ہے۔ تو جس کا امر ہوا ہے وہ کر گزرو۔ امر ہونے کے بعد سوچ بچار میں پڑ جانا نفس کا کارن ہے۔ جو لوگ زیادہ پوچھ گچھ کرتے رہتے ہیں، وہ عمل سے سچا ثابت ہونے کے لئے دیئے گئے وقت کو بے دریغ گنواتے رہتے ہیں۔

حاصل : امر ہو جانے کے بعد سوچ بچار سے بچنا بڑا ضروری ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿۶۹﴾

عرض کرنے لگے، اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتا دے اس کا رنگ کیسا ہے۔ فرمایا اس کا ارشاد ہے، بے شک وہ ایک پیلی گائے ہے، دیکھنے والوں کو اس کا رنگ سرور دیتا ہے۔

امرِ خداوندی کی وضاحت میں پڑ جانے والے سوالات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عمر کی وضاحت ہو جانے کے بعد اس کا رنگ پوچھتے ہیں۔ رنگ بھی روشن فرما دیا جاتا ہے کہ وہ زرد ہے، اور نظر کو بھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا علم والا ہے۔ اس سے تو کچھ مخفی نہیں ہے۔ جو گائے ان کے من کو بھاتی تھی، اسی کے ذبح کرنے کا امر ہو رہا تھا۔ عمر کی وضاحت سے بھی یہ بات کھل تو گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات پوری ہوتی ہے۔ اس قوم کے پاس اس وقت جو گائیں تھیں، ان میں سے ایک ہی اس درجے میں آتی تھی۔ مگر ان لوگوں کا سرور انہیں روکے ہوئے تھا۔

حاصل : امرِ خداوندی کی تعمیل میں اپنے سرور کو راستے میں حائل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا

عرض کرنے لگے اپنے رب سے دعا کیجئے

مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾

کہ وہ ہم پر روشن فرما دے کہ وہ گائے ہے کیسی۔ بے شک ہمیں اس میں شبہ پڑا ہوا ہے، اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پالیں گے۔

بنی اسرائیل کو وضاحت طلب کرتے کرتے شبہ پڑ گیا اور انہوں نے ہر وضاحت کو علامتِ مشترکہ جانا۔ اب اور پوچھنے کو تو کچھ نہ تھا اس لئے سوال گول مول سا تھا، کہ وہ ہے کیسی، اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنی نیت کو بھی بیان کرنے لگے۔ امرِ خداوندی جب حال پر ہو رہا ہو، تو اس کی حقیقت ہی روشنی ہوتی ہے، اور اس سے شبہات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس سے شبہ اسی کو ہوتا ہے جسے روشنی درکار نہ ہو۔

حاصل : جس کا دل کسی شے سے لگا ہوا ہو، وہ اسے قربان کرنے سے گریز کرتا رہتا ہے۔

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾ ع ۸

فرمایا، اس کا ارشاد ہے کہ وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی، کہ زمین کو جوتتی ہو، یا کھیتی کو پانی دیتی ہو۔ بے عیب ہے، اس میں کوئی داغ نہیں۔ کہنے لگے، اب آپ پوری بات لائے ہیں۔ پھر اسے ذبح کیا اور وہ ایسا کرتے لگتے نہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشادِ خداوندی کے مطابق اس کی مزید وضاحت فرمادی، کہ وہ گائے نہ تو زمین کو جوتتی ہے، نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے، بے عیب ہے، اس میں کوئی داغ نہیں، اب تو اس کی طرح کی کوئی دوسری تھی ہی نہیں۔ جب کوئی چارۂ کار نہ رہا تو کہنے لگے، اب آپ پوری بات لائے ہیں۔ اس کو اگر یہ کہا جائے تو پہلے جو فرمایا گیا تھا، وہ کس زمرے میں آئے گا۔ وہ علامات بھی تو اسی گائے کی تھیں۔ مزید کسی سوال کی گنجائش نہ رہے اور گریز کی بھی کوئی صورت نظر نہ آئے، تو پھر مجبوراً ماننا پڑتا ہے۔ اس گائے کو ذبح کیا، مگر وہ ایسا کرتے لگتے نہ تھے۔

حاصل : جو لوگ کسی شے کے ساتھ دل لگا لیتے ہیں، وہ اسے قربان نہیں کرتے جب تک گریز کی کوئی صورت ممکن ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے :

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾

[اور اللہ دار السلام کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔]

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور جب تم نے ایک نفس کو قتل کر ڈالا، پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے، اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے۔

بنی اسرائیل میں ایک قتل ہو گیا۔ قاتلوں نے اپنے بچاؤ کے لئے دوسروں پر تہمت لگانی شروع کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مشکل پیش کی گئی۔ آپ نے بہ امر خداوندی فرمایا "ایک گائے ذبح کرو، اس گائے کے گوشت کے ٹکڑے سے مقتول کو ضرب لگاؤ"۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو ظاہر کرنے والا تھا جس کو یہ لوگ چھپا رہے تھے۔ جس دل میں اللہ کے محبوب کی محبت نہ ہو، اس میں غیر کے چھپنے چھپانے کی جگہ موجود رہتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی چھپے کو ظاہر کرنا چاہے، تو حالات ہی ایسے ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کرتے ہی بنتی ہے۔

حاصل : ناصح سے محبت نہ ہو تو غیر کے چھپنے چھپانے کی جگہ اندر موجود رہتی ہے۔ جسے اللہ ظاہر کرنا چاہے، اسے کسی کی کوئی کوشش چھپا کر نہیں رکھ سکتی۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

تو ہم نے فرمایا، اسے اس کے ایک ٹکڑے سے ضرب لگاؤ۔ اللہ اسی طرح مردے زندہ کرے گا، اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔

بنی اسرائیل کے مقتول کو ذبح شدہ گائے کے ایک ٹکڑے سے ضرب لگانے کا امر ہوا۔ اللہ نے اس مردے کو زندہ کر دیا۔ جس بات کو وہ لوگ چھپانا چاہتے تھے، وہ ظاہر ہو گئی۔ جب کسی حلال جانور کو ذبح کر لیا جائے تو وہ طیب ہو جاتا ہے۔ اس قدر پاک ہو جاتا ہے کہ اس کی پاکی کو کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ جس چیز کے ساتھ کسی کا دل لگا ہوا ہو، اس کو اللہ کی راہ پر لگا دینے سے لگانے والے کا راستہ روشن ہو جاتا ہے۔ وہاں کچھ چھپا نہیں رہ سکتا۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ عقل کرنے والے جانتے ہیں، اشیاء سب ان کے لئے ہیں، وہ اشیاء کے لئے نہیں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

حاصل : دل اللہ کے محبوب سے لگانا چاہئے۔ اس سے جو علم عطا ہوتا ہے، وہ اور کسی صورت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا

پھر اس کے بعد تمہارے قلوب سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت، اور پتھروں سے تو کچھ وہ ہیں جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں، اور کچھ

يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے، اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ اس سے غافل نہیں ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

اس مشاہدے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ دل میں غیر کا مقام ہی نہ رہے۔ محبت سے وہاں اس قدر نور پیدا ہو کہ غیر کا وہاں گزر ہی نہ رہے۔ اور بندہ اشیاء کا مطلوب بن کر رہے۔ اس قدر نرم ہو کہ اللہ کی رضا کو بصد ادب قبول کرے۔ مگر ہوا یہ کہ ان کے دل مزید سخت ہو گئے۔ اشیاء کی محبت میں پھنسے ہوئے لوگ پتھر دل ہوتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ پتھر تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ پھٹ جائیں تو ان سے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ پھٹ جائیں تو ان سے پانی نکلتا ہے۔ اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب وہاں کسی اللہ کے پیارے پر قرب کی بدولت ڈر کا مقام آ جاتا ہے۔ تو اس ڈر سے پتھر ٹوٹ کر گر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا علم رکھنے والا ہے۔ کسی کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں۔ اور وہ کسی کے عمل سے غافل نہیں۔ نتیجہ اسی کے ہاتھ ہے۔ جو اس کے فرمان کے خلاف بھی کرتے ہیں، ان کے ہاں بھی نتیجہ باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔ پھر خلافِ حق کرنے کا فائدہ ہی کیا ہوا۔ یہ تو محض خسارہ ہی خسارہ ہوا۔

حاصل : ناصح سے محبت ہو تو دل نرم ہوتا ہے، ورنہ سخت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ ہمارے عمل میں رخ خیر کا ہو تو اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اب کیا یہ چاہتے ہو کہ وہ تمہیں مانیں، اور ان کا ایک فریق تو وہ تھا کہ کلام اللہ سنتے پھر اس کو جان لینے کے بعد اس میں تحریف کرتے، اور انہیں معلوم تھا۔

ایمان والوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم یہ چاہتے ہو کہ بنی اسرائیل تمہیں مانیں، اور ان کا ایک فریق تو وہ تھا کہ اللہ کے کلام کو سن کر اور اسے بوجھ لینے کے بعد وہ جان کر اس میں تحریف کرتے۔ ان کا منشاء تو اپنی خواہشات کا اتباع ہے۔ صاحب حق کی پہچان میں انہیں کوئی شک نہیں۔ جب منشاء ہی اپنی خواہشات کا اتباع ہو تو خیر والوں کے ماننے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

حاصل : جو حق میں اپنی خواہشات کو ملانے والا ہو، وہ صاحبانِ حق کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں، کہتے

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوٓا۟ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِۦ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾

ہیں : ہم ایمان لائے، اور جب ایک دوسرے کے پاس خلوت میں ہوں کہتے ہیں : تم ان سے کیوں باتیں کرتے ہو جو تم پر اللہ نے کھولا ہے کہ تم پر تمہارے رب کے یہاں حجت لائیں، کیا عقل نہیں کرتے۔

بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے۔ اور جب خلوت میں ایک دوسرے کے پاس ہوتے ہیں تو اپنے ساتھی ایمان لانے کا دعویٰ کرنے والوں کو کہتے ہیں، تم ان لوگوں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ باتیں کہہ جاتے ہو جو تم پر اللہ نے کھولی ہیں، اس طرح حال کے ماضی کی شہادت سے سچا ثابت ہونے کا مقام ہمیں پر حجت بن جاتا ہے۔ فرمانِ خداوندی کی شان یہ ہے کہ اس میں تضاد بھی نہیں، اختلاف بھی نہیں۔ اس لئے جہاں بھی کوئی ماضی سے حال کی تصدیق کرے گا، وہ خود سچا ثابت ہو گا۔ جو اس کے خلاف کرے گا، وہ جھوٹا ثابت ہو گا۔ فرمانِ خداوندی تو سچا ہی ہے اور سچا ہی رہے گا۔ نقصان تو تحریف کرنے والوں کا ہی ہوا کرتا ہے کہ خواہش کے متوالے حق کی تائید و تصدیق کو بے عقلی سمجھتے ہیں۔

حاصل : حق کی تصدیق کرنے والے، حق کی تصدیق نہ کرنے والوں کے نزدیک بے عقل ہوتے ہیں کہ اپنی تصدیق سے خود ہی اپنے اوپر حجت لے آتے ہیں۔ حق کی جان بوجھ کر تصدیق نہ کرنا ہی بے عقلی ہے۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾

کیا انہیں معلوم نہیں، کہ اللہ کو علم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ سے کچھ مخفی نہیں، چاہے وہ چھپایا جائے چاہے ظاہر کیا جائے۔ پھر جس بات کو اللہ ظاہر کرنا چاہے، اسے کسی سے اجازت نہیں لینی پڑتی۔ اس کی صورت اللہ کے اذن سے خود بخود بن جاتی ہے، اور کسی کی کوشش اس حق کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

حاصل : اندر بھی اللہ کی رضا موجود رہنی چاہئے، باہر بھی اللہ کی رضا موجود رہنی چاہئے۔

½ النصف

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ ٱلْكِتَـٰبَ إِلَّآ أَمَانِىَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

اور ان میں کچھ اُمّی ہیں کہ کتاب کا علم نہیں رکھتے، مگر پڑھ لینا، اور وہ ظن ہی میں ہیں۔

بنی اسرائیل ہی کی بات ہو رہی ہے کہ ان میں کچھ اُمّی ہیں کہ کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ پڑھ لینے سے بھی علم نہیں ہو جاتا۔ ظن میں مبتلا ہونے سے بھی علم نہیں ہو جاتا۔ علم تو معلّم کی حب سے آتا ہے۔ کتاب کا علم ہو تو بہترین راستے کے یقینی علم کی بدولت خسارے کی طرف جانا ممکن ہی نہیں رہتا۔

حاصل : علم معلّم کی حُب سے عطا ہوتا ہے، پڑھ لینے سے یا گمان کر لینے سے حاصل نہیں ہوتا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

تو خرابی ہے ان کے لئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے، کہ اس سے قلیل دام حاصل کریں۔ تو خرابی ہے ان کے لئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے، اور خرابی ہے ان کو اپنی کمائی سے۔

یہ انہی اُمّیوں کا ذکر ہے بنی اسرائیل کے، جو کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، پھر تحریف کرتے ہیں اور اس میں اپنی خواہشات کو داخل کرتے ہیں۔ انہیں کتاب کا علم نہیں۔ یہ صرف اسے پڑھنے کی چیز جانتے ہیں، اور اپنی خواہشات کے پیشِ نظر قلیل دام لینے کو، کلام کے مواضع بدل دیتے ہیں۔ منشا یہ ہوتا ہے کہ ماضی سے حال کی تصدیق نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے وہ تو فلاح کے لئے ہے۔ اس میں اپنی خواہشات کو شامل کر لیا جائے تو یہ فسق ہے۔ یہی گمراہی ہے۔ اس کا حاصل تضاد، اختلاف اور خوف و حزن ہیں۔ اور یہ سب مقام خرابی کے ہیں۔ جس کمائی کا حاصل ہی بے اطمینانی ہو، وہ کمائی خرابی سے تعلق رکھتی ہے۔

حاصل : جہاں فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہشات کو داخل کیا جائے، خرابی سوار ہو جاتی ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور کہتے ہیں ہمیں تو آگ مس نہیں کرے گی مگر چند دن۔ فرما دیجئے : کیا تم نے اللہ سے عہد لے رکھا ہے۔ پھر تو اللہ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔ یا اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

بنی اسرائیل کا یہ کہنا کہ انہیں آگ مس نہیں کرے گی مگر گنتی کے چند دن، یہ ان کا گمان ہے اور بے علمی پر مبنی ہے۔ ان

سے اللہ کا کوئی عہد تو نہیں۔ ان کا اللہ سے یہ عہد ضرور ہو چکا ہے کہ یہ اللہ کے ہو کر رہیں گے۔ مگر یہ اس کے خلاف کر رہے ہیں۔ ان کا رخ تو غیر کا ہے۔ اس لئے ان کے اعمال بھی غیر ہیں۔ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے علمی کا ثبوت ہے۔ کہ آگ انہیں مس نہیں کرے گی مگر چند دن۔ جب یہ لوگ حال پر ہی خرابی میں مبتلا ہیں، یہیں خوف و حزن انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ تو آخرت میں ان کے ساتھ پیش آنے والی صورت کے بارے میں ان کا علم ناقص ہے۔

حاصل : بے سند بات بے علمی کا ثبوت ہوتی ہے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ہاں کیوں نہیں، جو برائی کمائے اور اس کی خطا اسے احاطہ کرے، وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو برائی کرے اور جان بوجھ کر حق کی تحریف کرے، اس میں اپنی خواہشات کو داخل کرے اور اس سے دام حاصل کرے، قلیل دام، وہ خسارے میں پڑے گا۔ وقتی فائدہ چھوٹی بات ہوتی ہے۔ اور دائمی فائدہ بڑی بات ہوتی ہے۔ برائی میں پڑنے والا وقتی فائدے کو ہی دیکھتا ہے۔ اور اس کی خطا اسے گھیر لیتی ہے۔ وہ ہر دم خوف و حزن میں آگے بڑھتا جاتا ہے۔ حال پر دوزخیوں کی یہ نشانی ہے۔ آخرت میں انہی لوگوں کی کمائی ان کے جلنے کا باعث بنے گی۔ جب ساری توفیقِ ایزدی فرمانِ خداوندی کی تکذیب پر صرف کر دی جائے، تو دائمی عذاب کا انکار کیسے ہو سکتا ہے۔

حاصل : جہاں خطا سے دل لگ جائے وہاں خطا احاطہ کر لیتی ہے۔ اور خطا کار کو حال پر پریشان رکھتی ہے، آخرت میں باعثِ عذابِ جہنم ہوگی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، وہی جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ناصح سے محبت ہو تو ایمان کو صالح عمل کی شہادت سے سچا ثابت کرنے کا شرف ہوتا ہے۔ جو توفیقِ ایزدی کو رضائے خداوندی پر لگا دے، وہ حال پر جنتی ہے، آخرت میں بھی جنتی ہو گا۔ جو وقتی فائدے کو قربان کر کے دائمی فائدے کو پاتا ہے یا دائمی خسارے سے بچنے کے لئے وقتی نقصان کو قبول کرتا ہے، وہ عقل کرتا ہے۔

حاصل : ایمان دعویٰ ہے۔ صالح عمل کی شہادت جس دعوے کے ساتھ نہ ہو وہ قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔ محب کے لئے محبوب جہاں بھی ہو وہیں جنت ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے :

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

[فرما دیجئے اے اہلِ کتاب، تمہیں ہمارا کیا برا لگا، یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا، اور اس پر جو اس سے قبل نازل ہوا، اور یہ کہ تم اکثر فاسق ہو۔]

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور قربیٰ اور یتاما اور مساکین کے ساتھ، اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر تم پھر گئے، سوائے تم میں قلیل کے، اور تم اعراض کرنے والے ہو۔

بنی اسرائیل کو صراطِ مستقیم دکھایا گیا۔ رحمت اور برکت کا راستہ ان پر روشن فرمایا گیا۔ انعام یافتہ ہونے کی طریقت واضح فرمائی گئی۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ جو کچھ کیا جائے، اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے، اور ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہو اس کو باذن اللہ جانا جائے۔ اس طرح مخلوق سے جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ والدین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کی خدمت کی جائے اور ان کی خدمت میں کوئی خواہش نہ چھپی ہوئی ہو۔ والدین کو اپنے ہاتھ سے کھلانا پلانا بہت ضروری ہے۔ ان کی خدمت سے ہی گھر میں مرکزیت قائم رہتی ہے۔ ورنہ شیرازہ بکھرتے دیر نہیں لگتی۔ قربیٰ کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کے راستے میں آنے والی مشکلات میں ان کی مدد کی جائے۔ یتاما کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے بچوں کو پیار بھی نہ کیا جائے۔ یتیم کو آسرا دیا جائے، عملاً اس کی مدد کی جائے۔ اسے محض زبانی تسلی نہ دی جائے۔ اپنے بچوں سے اس کا درجہ بلند رکھا جائے۔ مساکین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کی زندگی سے تعطل کو دور کر دیا جائے کہ ان کا کام چلنے لگے۔ لوگوں سے اچھی بات کہنے کی صورت یہ ہے کہ جس بات سے ہمیں سکھ پہنچا ہو، وہی انہیں کہی جائے۔ نماز میں کئے ہوئے عہد پر قائم رہنے سے نماز قائم ہوتی ہے۔ زکوٰۃ سے مال اللہ کی راہ پر لگنے کے قابل بنتا ہے۔ یہ احکام خداوندی جان لینے کے بعد، بنی اسرائیل میں سے قلیل لوگوں کے علاوہ سب پھر گئے۔ اور لغو سے اعراض کرنے کی بجائے حق سے اعراض کے مرتکب ہوئے۔

حاصل : اللہ کی عبادت، والدین کے ساتھ احسان، قربیٰ، یتاما اور مساکین کے ساتھ احسان، لوگوں سے اچھی بات کرنا، نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا یہ سب ہم پر حق ہے۔ اس سے اعراض باعثِ خسران ہوتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ

اور جب ہم نے تم سے میثاق لیا کہ آپس میں خون نہ بہاؤ گے، اور نہ اپنوں کو اپنے

دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

دیار سے نکالو گے، پھر تم نے اقرار کیا اور تم گواہ ہو۔

بنی اسرائیل سے یہ میثاق لیا گیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ کریں گے اور اپنوں کو ان کے گھروں سے نہیں نکالیں گے۔ بنی اسرائیل نے اس بات کا اقرار کیا۔ آپس میں خون نہ کرنے سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ لوگوں سے معاملہ فی سبیل اللہ ہو۔ اگر مصائب و آلام کا مقام آئے تو اسے کسی صورت کی طرف سے نہ سمجھا جائے۔ اسے باذن اللہ مانا جائے۔ مومن کو اس کے گھر سے نکالنا فرمانِ خداوندی کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ سے دشمنی کا ثبوت ہے۔

حاصل : کسی کا ناحق خون کرنا اور کسی کو ناحق اس کے گھر سے نکالنا، اللہ سے دشمنی کا ثبوت ہے۔ اللہ کے پیارے تو جو کرتے ہیں، رضائے الٰہی کے لئے کرتے ہیں۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

پھر تم اپنوں کو قتل کرتے لگے ہو۔ اور اپنے ایک فریق کو ان کے دیار سے نکالتے ہو، ان پر گناہ اور زیادتی میں مددگار ہوتے ہو، اور اگر وہ اسیر ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، اور ان کا اخراج تم پر حرام ہے۔ تو کیا کچھ کتاب کو مانتے ہو، اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔ تو جو تم میں ایسا کرے اس کی جزا کیا ہے، مگر یہ کہ حیاتِ دنیا میں رسوا ہو، اور قیامت کے دن بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔ اور اللہ غافل نہیں جو عمل تم کرتے ہو۔

بنی اسرائیل میثاق پر پورا رہنے کا اقرار کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ایک دوسرے کے قتل اور گھروں سے اخراج سے فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی ہی ثابت ہوتی ہے۔ جو لوگ زیادتی کرتے ہیں، ان کی مدد بھی یہی لوگ کرتے ہیں گناہ اور زیادتی میں۔ دوسری طرف یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر کوئی قیدی ہو کر آئے تو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہیں۔ کتاب اللہ تو ساری ماننے کے لئے ہے۔ اگر اس میں سے کچھ مانا جائے تو یہ حقیقتاً اپنی خواہش ہی کے اتباع کا ثبوت ہے۔ ایسا کرنے والے پر حیاتِ دنیا میں راحت کا مقام آتا ہی نہیں۔ وہ ایک خوف سے چھوٹتا ہے، تو دس اور گھیر لیتے ہیں۔ اس کی خطا ہی اسے گھیرتی چلی جاتی ہے۔ یہ حیاتِ دنیا

میں رسوائی ہے کہ یہ اقرار کر کے پھر چکے ہیں۔ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ جو ہو گا، انہی کے اعمال کا حاصل ہو گا۔ جہاں یہ جلیں گے، وہ عذاب اشد ہو گا۔ اللہ تو ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کو پورا پورا مانا جائے تو حق ادا ہوتا ہے۔ ورنہ دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذابِ اشد سے بچاؤ ممکن نہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

یہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے حیاتِ دنیا خرید لی۔ نہ ان پر عذاب میں تخفیف ہو گی، اور نہ ہی ان کی نصرت ہو گی۔

جو لوگ اللہ کی رضا کو اپنی چاہت پر قربان کر دیتے ہیں، وہ حیاتِ دنیا کو آخرت کے بدلے خرید لیتے ہیں۔ جو توفیق ان کے لئے دائمی راحت کا باعث ہو سکتی تھی، اسے وہ اپنے دائمی خسارے کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ ان کے اعمال غیر اور غرور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے عذاب میں کمی کا مقام نہیں آتا کہ وہ خواہشات کے اتباع میں بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ جب عمل ہی فی سبیل اللہ نہ ہو تو نصرتِ ایزدی کا مقام نہیں رہتا۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کو نظر انداز کرنا دونوں جہان کے خسارے کا باعث ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران میں فرمایا ہے :

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾

[فرما دیجئے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ کافروں کی محبت نہیں رکھتا۔]

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی۔ اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ اور روح القدس سے آپ کو تائید دی۔ تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے، جو تمہارے انفس کی خواہش نہیں، تو تم تکبّر کرتے ہو،

وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿٨٧﴾

تو ایک فریق کی تکذیب کرتے ہو، اور ایک فریق سے لڑتے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ اس حکم کی ادائیگی کا عملی نمونہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ ماننے کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے۔ حکم حق کو سنا جائے۔ نمونے کو دیکھا جائے اور اس کے امر کے مطابق کیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پے در پے رسول بھیجے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں یہ لوگ معیار تھے اور شاہد تھے۔ شاہد ہی بشارت و انذار کا علم رکھتا ہے۔ پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو روشن نشانیاں عطا فرمائی گئیں۔ روشن نشانی وہ ہوتی ہے، جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے اور جس کا انکار نہ کیا جا سکے۔ روح القدس سے مدد کی حقیقت یہ ہے، کہ وہ لوگوں کو خواہشاتِ نفس سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل کر دے۔ جہاں تعلق خواہشاتِ نفس سے ہو، وہاں اپنی پسند اور ناپسند کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ خواہشات کے تحت جو بھی کیا جائے گا اس میں تکبّر ضرور ہو گا، صورت کوئی ہو۔ تکبّر سے قولِ حق کا انکار ہوتا ہے، اور جب حق سے عملاً تعلق نہ رہے، تو یہ حدِ اصلاح سے گزرنے والی بات ہوتی ہے۔ مومنین کی نصرت کا حق تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رکھا ہے اس لئے وہ ضرور سرفراز ہوتے ہیں۔

حاصل : کتاب اللہ کی اور نمونہ اس کا محبوب ہے۔ یہ بہت ہی بڑی رحمت ہے۔ روشن نشانی ناقابلِ تردید شفا ہوتی ہے۔ خواہشِ نفس سے تکبّر ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اس سے حق کا انکار ہوتا ہے، قول سے بھی، عمل سے بھی۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

اور کہتے ہیں ہمارے قلوب پر غلاف ہیں، بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب لعنت کی ہے، تو قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔

بنی اسرائیل کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے قلوب پر غلاف ہے۔ منشا یہ ہے کہ ان کے قلوب پر شاہد کے کلام کا اثر نہیں ہو سکتا۔ ان کے انکار کی بدولت ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ ایمان تو وہی لاتا ہے، جسے اپنی خواہشات کے اتباع سے نجات ہو۔ جس پر اس کی خواہش سوار ہو، وہ تو اپنی تجویز سے چھوٹتا ہی نہیں۔

حاصل : حق کا جان بوجھ کر انکار اللہ تعالیٰ کی لعنت کا باعث ہوتا ہے۔ لعنتی اصلاح کی حد سے گزر چکا ہوتا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ

اور جب ان کے پاس وہ کتاب آئی اللہ کی طرف سے، مصدق ہے اس کی جو ان کے پاس ہے، اور اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ پھر جب ان کے پاس پہنچا،

كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

جس کو پہچان لیا تھا، تو اس کے منکر ہوئے۔ تو کافرین پر اللہ کی لعنت ہے۔

یہودی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں اپنی کتاب میں دیکھتے تھے. ان کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ جب حضور کی تشریف آوری ہوئی، انہوں نے آپ کو پہچان لیا، تو اپنی خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔ تکبر کرنے لگے۔ اور منکر ہو گئے۔ یہ انکار بے بنیاد ہے۔ اس لئے کہ فرمانِ خداوندی تو تضاد سے پاک تورات کا مصدق ہے۔ مصدق کا انکار تو تورات کا بھی انکار ہوا۔ جو مان کر انکاری ہو جائے، اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ اور یہ اصلاح کی حد سے دوری کا ثبوت ہوتا ہے۔

حاصل: حال ماضی کی تصدیق کرتا ہے۔ مصدق کا انکار ماضی کا بھی انکار ہوتا ہے۔ مان کر انکاری ہو جانے والے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

بری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا، کہ ضد سے منکر ہوئے اس کے جو اللہ نے نازل فرمایا، کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں سے جس پر چاہے نازل فرمائے۔ تو یہ غضب پر غضب کے مستحق ہوئے۔ اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

جس انکار کی بنیاد سند پر نہ ہو، وہ بے سند ہوتا ہے۔ جو توفیقِ ایزدی سے انکار کو خریدتا ہے، وہ اپنے آپکو بری قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اس کا ہاتھ بندھا ہوا نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے فرمان کو نازل فرمائے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اس لئے فرمان کو ادب سے ماننے والا مومن ہوتا ہے۔ اس کے فرمان میں اپنی خواہشات کو داخل کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ فرمانِ خداوندی کا انکار جب حال پر بھی ہو تو منکر اللہ کے غضب پر غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کافروں کے لئے ذلت ہے، حیاتِ دنیا میں بھی، آخرت میں بھی۔ اسباب کو مسبب پر ترجیح دینا، اسباب کے چکر میں پھنس جانے کا باعث ہوتا ہے۔ یہ دنیا میں ذلت ہے۔ آخرت میں بھی انہیں ذلت و اہانت ہی نصیب ہوگی۔

حاصل: توفیقِ ایزدی سے انکار خریدنا بری قیمت پر بکنا ہے۔ اللہ کے فرمان میں اپنی تجویز کو داخل کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ مسبب پر اسباب کو ترجیح دینا باعثِ عذابِ مہین ہوتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ

اور جب ان سے فرمایا جائے ایمان لاؤ جو

اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ‌ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۱﴾

اللہ نے نازل فرمایا، کہتے ہیں: ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا۔ اور باقی سے انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے۔ اس کا مصدق ہے جو ان کے پاس ہے۔ فرما دیجئے پھر اس سے قبل انبیاء سے کیوں لڑتے تھے اگر تم مومن ہو۔

یہود سے جب یہ کہا جائے کہ اللہ کے فرمان پر ایمان لاؤ، تو وہ یہ کہتے ہیں، ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا، اس کے علاوہ کا ہم انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے۔ اب اگر یہودیوں کے دعوے کو تسلیم کر لیا جائے، تو وہ لوگ انبیاء سابقین کا عملاً انکار کیوں کرتے رہے۔ یہ تو اس وقت بھی نہ ماننے کا ثبوت ہوا۔

حاصل: جو حال کو نہ مانے اس کا ماضی کو ماننے کا دعویٰ ہی باطل ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۹۲﴾

اور بے شک موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے۔ پھر آپ کے بعد تم نے بچھڑے کو ٹھہرا لیا۔ اور تم ظالم تھے۔

بنی اسرائیل کے ماضی کو تسلیم کرنے کے دعوے کی حقیقت کھولی جا رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام روشن نشانیوں کے ساتھ تمہارے پاس تشریف لائے۔ تمہیں بتایا کہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیا جائے گا، زمین میں تمہیں خلافت ملے گی اور پھر اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ پھر تمہیں نجات ملی، دشمن غرق ہوئے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد تم نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ یہ تو ظلم تھا۔ اس سے صاف روشن ہو گیا کہ اس حال پر بھی تم لوگ ماننے والے نہ تھے۔

حاصل: جو حال کا انکار کرتا ہو، اس کے ماضی کے انکار کی سند بھی موجود ہوتی ہے۔ انکار کی بنیاد خواہشاتِ نفس ہے۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ‌ؕ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاسۡمَعُوۡا‌ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا

اور جب ہم نے تم سے میثاق لیا اور تم پر طور کو بلند کیا۔ پکڑو جو ہم تمہیں عطا کرتے ہیں قوت سے، اور سنو۔ کہنے لگے ہم نے سنا اور نہ مانا۔ اور ان کے قلوب

وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

میں ان کے کفر کے سبب بچھڑا رچ رہا تھا۔ فرما دیجئے، کیا برا امر دیتا ہے تمہیں تمہارا ایمان، اگر تم مومن ہو۔

تورات کے نزول کے ساتھ بنی اسرائیل سے میثاق لیا گیا اور ان لوگوں نے اقرار کیا۔ اسی وقت انکار کا حاصل بھی ان لوگوں کے سامنے رکھا گیا۔ قوت سے فرمانِ خداوندی پر پورا رہنے کی تاکید کی گئی۔ سننے کا امر دیا گیا۔ اللہ کے امر کا سننا بڑا حق ہے کہ قادر مطلق وہی ہے۔ ان لوگوں نے فرمانِ خداوندی کو سن کر کہا، ہم نے سنا اور نہ مانا۔ اور ان کے قلوب میں تو بچھڑا رچ رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی تجویز کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود یہ کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا۔ اگر یہ اس پر ایمان لاتے ہیں، تو کیا ان کا ایمان انہیں برا امر کرتا ہے۔ یہ تو محال ہے۔ اس طرح ان کا تورات کو ماننے کا دعویٰ بھی باطل ہوا۔

حاصل : منکرینِ حق کے اندر تضاد یقیناً ہوتا ہے۔ ان کے تضاد کو ان پر واضح کرنا بڑا حق ہے۔

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾

فرما دیجئے، اگر دارِ آخرت تمہارے ہی لئے ہے اللہ کے نزدیک اور لوگوں کے مقابل، تو موت کی تمنا کرو اگر تم صادق ہو۔

یہود کہتے تھے، اور کہتے ہیں، کہ دارِ آخرت اور لوگوں کے مقابل ان کے لئے ہی ہے۔ اللہ کے نزدیک جنت یہود ہی کے لئے ہے تو پھر موت کی تمنا کریں۔ اس سے ہی ان کی صداقت کا ثبوت ملے گا۔ اسبابِ دنیا سے دل لگانے والوں کے لئے تو یہ بہت ہی مشکل ہے کہ اشیاء کی چاہت سے پاک ہو جائیں۔ یہ چاہت موجود ہو تو موت کی تمنا ممکن نہیں ہوتی۔ پھر دارِ آخرت میں فلاح کا ثبوت کیا ہوا۔

حاصل : دارِ آخرت میں فلاح پانے والے دنیا میں اللہ کی رضا کے مطابق رہتے ہیں۔

وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾

اور ہرگز اس کی تمنا نہ کریں گے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے کے سبب، اور اللہ ظالمین کا علم رکھنے والا ہے۔

فرمانِ خداوندی کے خلاف کرنے والے اپنے برے اعمال کی بدولت کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ ظالمین اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ ان کی کسی تدبیر سے ان کا بچاؤ ممکن نہیں۔ ان کی تضاد بیانی بالکل واضح ہے۔ دارِ آخرت میں تو اپنے لئے راحت دیکھنے کے دعویدار ہیں اور اس کی طرف بڑھتے ہوئے جان جاتی ہے۔ موت عاشق کے لئے وصال کا دروازہ ہوتی ہے، مجرم

کے لئے زبردست گرفت ہوتی ہے۔

حاصل : منکرینِ حق ظالم ہوتے ہیں، نفس کے غلام ہوتے ہیں، اس لئے موت کی تمنا نہیں کر سکتے۔

معانقہ ۲ عند المتقدمین ۱۴
وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾
ع ۱۰ ۱۱ ۱۱

اور یقیناً تم انہیں حیات پر سب سے زیادہ حریص پاؤ گے۔ اور شرک کرنے والوں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کہیں ہزار برس عمر ہو اس کی۔ اور یہ عمر اسے عذاب سے دور نہ کرے گی۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل وہ کرتے ہیں۔

دارِ آخرت کے دعویدار تو حیات پر سب سے زیادہ حریص ہیں۔ اور ان شرک کرنے والوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار برس ہو۔ اتنی لمبی عمر بھی ان لوگوں کو عذاب سے دور نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ یہ تو فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی پر ہی وقت کو لگا رہے ہیں اور اس طرح عذابِ خداوندی کا سامان اکٹھا کر رہے ہیں۔ انہی کے اعمال کا حاصل ان پر مسلط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔ جو ان کے اعمال کو ہر حال پر دیکھ رہا ہے وہی جزا دینے والا بھی ہے۔

حاصل : جس کا رخ غیر ہو، اس کی لمبی عمر اسے عذاب میں ہی بڑھاتی ہے۔ جو ہر حال میں دیکھ رہا ہے، وہی جزا دینے والا بھی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا ہے :

سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾

[بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں عطا فرمائیں۔ اور جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت کو بدل دے، تو بے شک اللہ کا عقاب بڑا ہے۔]

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾

فرما دیجئے، جو جبریل (علیہ السلام) کا دشمن ہو تو اس نے تو اللہ کے اذن سے اسے آپ کے قلب پر نازل کیا ہے، اس کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے ہے، اور مومنین کے لئے ہدایت و بشارت ہے۔

ملائکہ کی شان یہ ہے کہ وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر ہوتا ہے۔ اس لئے ان سے دشمنی امر دینے والے قادرِ مطلق سے دشمنی ہوگی۔ قرآن پاک کے نزول کا ذریعہ ہونا جبریل امین کی شان ہے۔ یہ اللہ کے اذن سے ہے۔ اور پہلی کتابوں کی جو انبیاء سابقہ پر نازل ہو چکی ہیں، تصدیق کرتا ہے۔ اب اس فرمان کا انکار اس ماضی کے انکار کو بھی ثابت کرے گا جس کو ماننے کا دعویٰ بنی اسرائیل کو ہے۔ ماننے والوں کے لئے اس میں انعام رکھا ہے کہ ماننے والوں کو ہدایت و بشارت ملتی ہے۔ جو امرِ الٰہی کو مان لے اور شاہد سے محبت رکھے، اسے ہدایت ہوتی ہے۔ ہدایت والے کو بشارت ہوتی ہے کہ اسے فلاح دارین حاصل ہو گی۔

حاصل : امرِ الٰہی کے ماننے والوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے۔ حال سے ماضی کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو حق کو مان لیتے ہیں، ان کی اپنی تجویز ختم ہو جاتی ہے۔ وہ وہی کرتے ہیں، جو اللہ کے محبوب کرتے ہیں۔ اس لئے ہدایت بھی پاتے ہیں، بشارت بھی۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اور اس کے ملائکہ کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکال کا، تو بے شک اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

ملائکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر ہوتا ہے۔ رسول وحی پہنچاتے ہیں، جو ان پر نازل ہوتا ہے۔ اسلئے ان کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ اس طرح جبرائیل اور میکائیل کے بارے میں اگر کسی نے بے جا بات کی تو اس نے حق میں اپنی خواہشات کو داخل کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا۔ جن کی اللہ تصدیق کرتا ہے، ان کا انکار کرنے والا اللہ کو پسند نہیں ہوتا۔ جو اللہ کے پیاروں کا دشمن ہو، اللہ اس کا دشمن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنی یہی ہے کہ منکرین کے لئے ان کے برائی کے رخ پر ہونے کی بدولت انہیں نہ ہدایت ہوتی ہے، نہ نجات۔

حاصل : جو اللہ کے پیاروں کا دشمن ہو، اللہ اس کا دشمن ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیات نازل فرمائیں، اور ان کا انکار نہ کریں گے مگر فاسق۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرمان بھی نازل فرمایا گیا ہے، وہ بندوں کی بھلائی کے لئے ہے، اس لئے کہ فرمان بھیجنے والا احتیاج سے پاک ہے۔ اس کا انکار وہی کرتا ہے، جو اپنی خواہشات کو حق میں داخل کرتا ہو۔ جو علیم مطلق کی مانتا ہے، وہ فلاح پاتا ہے۔ جو حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے، وہ فاسق ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے قائم کئے ہوئے معیار کو نہ مانے، وہ فلاح کے راستے پر ہی نہیں ہوتا۔

حاصل : جو حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرے، وہ فاسق ہوتا ہے۔

أَوَكُلَّمَا عَٰهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾

اور کیا جب کوئی عہد کرتے ہیں، تو ان کا ایک فریق اسے پھینک دیتا ہے، بلکہ ان میں اکثر ایمان نہیں لاتے۔

عہد پر پورا رہنا صداقت کی سند ہے۔ جو لوگ خواہشات کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں، وہ جہاں صورتحال اپنی خواہش کے خلاف دیکھتے ہیں، عہد کو پھینک دیتے ہیں۔ بلکہ وہ مانتے ہی نہیں۔ ماننے کا دعویٰ تو صداقت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ عمل سے اس کی شہادت ہو تو حق ادا ہوتا ہے۔ جب تک اصول سے تعلق کا دعویٰ ہو، آدمی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ اصول کے مالک سے تعلق ہو تو بے اعتبار نہیں ہوتا۔

حاصل : عہد کو پورا کرنا صداقت کی سند ہے۔ خواہشِ نفس کے ساتھ لگے ہوئے لوگ جہاں دیکھتے ہیں کہ عہد کا پورا کرنا ان کے نفع میں نہیں، وہ اسے پھینک دیتے ہیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾

اور جب ان کے پاس ایک رسول تشریف لائے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے، ان کے پاس والی کی تصدیق کرتے ہوئے، تو کتاب والوں سے ایک فریق نے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا، جیسے انہیں معلوم ہی نہ ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بنی اسرائیل آپ کو مانتے تھے۔ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خواہشات کی نظر سے دیکھا تو یہ نشانیاں بدلنے لگے۔ رسول ان کی کتاب کی تصدیق فرمارہے تھے۔ کتاب والوں کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا جیسے انہیں معلوم ہی نہ ہو کہ خاتم النبیین کی بشارت اور نشانیاں انبیاء سابقہ نے روشن فرمائی ہیں۔ جو فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہش کو داخل کرتا ہو، وہ حق کو اپنے موقف کے خلاف پاتا ہے اس لئے پیٹھ پیچھے پھینک دیتا ہے، اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں۔

حاصل : خواہش کے ساتھ لگے ہوئے لوگ جب حق کے اظہار کو اپنی خواہش کے خلاف دیکھتے ہیں، تو اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیتے ہیں۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَٰطِينُ عَلَىٰ

اور اس کا اتباع کیا جو شیاطین ملکِ سلیمان میں پڑھتے تھے۔ اور سلیمان (علیہ السلام)

مُلۡكِ سُلَيۡمٰنَ‌ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيۡمٰنُ وَلٰـكِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ كَفَرُوۡا يُعَلِّمُوۡنَ النَّاسَ السِّحۡرَ وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَـكَيۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ‌ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنۡ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوۡلَاۤ اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ فَلَا تَكۡفُرۡ‌ؕ فَيَتَعَلَّمُوۡنَ مِنۡهُمَا مَا يُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَزَوۡجِهٖ‌ؕ وَمَا هُمۡ بِضَآرِّيۡنَ بِهٖ مِنۡ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ وَيَتَعَلَّمُوۡنَ مَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ‌ؕ وَلَقَدۡ عَلِمُوۡا لَمَنِ اشۡتَرٰٮهُ مَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ‌ ؕ‌ وَلَبِئۡسَ مَا شَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ‌ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

نے کفر نہیں کیا، ولیکن شیاطین نے کفر کیا، کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے۔ اور وہ جو دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر بابل میں اترا، اور وہ دونوں کسی کو نہ سکھاتے، حتیٰ کہ اسے کہہ دیتے کہ ہم محض فتنہ ہیں، تو تم کفر نہ کرو۔ تو ان سے سیکھتے وہ جس سے مرد اور اس کی عورت میں تفرقہ ڈالیں۔ اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو سوائے اللہ کے اذن کے۔اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں ضرر دے گا، اور نفع نہ دے گا۔ اور بے شک انہیں معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا، آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور بہت ہی بُری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا۔ کہیں انہیں علم ہوتا۔

شیاطین کا اتباع وہی کرتے ہیں، جو خواہشات کے پیچھے لگتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جب شیاطین نے یہ کہنا شروع کیا کہ ان کی شان اسی سحر کی بدولت تھی تو بنی اسرائیل ان کے پیچھے لگے۔ صالحین نے ان کو ضرور روکا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے بھیجے ہوئے معیارِ حق تھے۔ ان کے ساتھ کسی برائی کا منسوب کرنا ممکن ہی نہیں۔ مخلص کی تو شان ہی یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ نتائج کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہے، اور توفیق کے مطابق اپنا حق ادا کرتا ہے۔ جو نتائج کو باذن اللہ نہ مانے وہ کافر ہے۔ اسی لئے شیاطین نے کفر کیا۔ سلیمان علیہ السلام پاک تھے۔ شیاطین لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے اور انہیں ان کی خواہشات کے جال میں پھنساتے تھے۔ اس طرح لوگ خیر سے دور ہوتے جاتے تھے۔ دوسری مثال بابل کے ہاروت اور ماروت کی ہے، جو اس سے الگ ہے۔ یہ دونوں فرشتے تھے، اور یہ دیکھنے کے لئے بھیجے گئے تھے کہ کون فرمانِ خداوندی کے مطابق رہتا ہے اور کون اس کے خلاف کرتا ہے۔ وہ ہر ایک پر یہ واضح کر دیتے کہ وہ فتنہ ہیں اور سیکھنے کا طالب کفر نہ کرے۔ اب جو اس کے باوجود کفر کی طرف بڑھنا چاہتا وہ بڑھ جاتا۔ یہ لوگ مرد اور عورت میں تفرقہ ڈالنے کا علم سیکھتے۔ زن کو ظن تو رہتا ہی ہے اس لئے

شکوک میں اس کا مبتلا ہونا مشکل نہیں ہوتا۔ مرد بھی اگر خواہش میں مبتلا ہو تو تفرقے کا شکار ہو جاتا ہے۔ تفرقے میں مبتلا کرنے والے کی طرف سے تکمیلِ خواہش کی صورت تو دکھائی جاتی ہے۔ عملدر آمد اس کے ذمے نہیں ہوتا۔ لیکن نتیجہ وہاں بھی اللہ کے اذن سے ہی نکلتا ہے۔ اگر کوئی غیر کی طرف غرض وغایت سے بڑھے تو وہ اپنی خواہش کے مطابق نتیجہ پالینے کی کوئی ضمانت نہیں رکھتا۔ لیکن رخ کے غلط ہونے کی بدولت وہ توفیقِ ایزدی کے خلافِ حق استعمال کی بناء پر گناہ گار ضرور ہو جاتا ہے۔ جس کی حقیقت ہی خسارہ ہے، نفع نہیں ہے۔ جو حیاتِ دنیا میں ملی ہوئی توفیق کو اللہ کی رضا کے خلاف استعمال کرتا رہے گا، آخرت میں اسے خسارہ ملے گا۔ اس کا کوئی عمل آخرت کے لئے ہو گا ہی نہیں۔ جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا، وہ تو فانی ہے۔ اگر انہیں مل بھی جائے تو باذن اللہ ہی ملے گی، ورنہ نہیں ملے گی۔ ملے گی بھی وہی جو ملنی ہے، تو پھر الٹے ہاتھ سے کیوں لی جائے۔ ایک فانی شے کے بدلے دائمی خسارہ خریدنا کس قدر برا سودا ہے۔ جب نتیجے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا ثابت ہے، اور اس کا انکار حقیقت کا انکار ہے، تو یہ معلوم ہو جانے کے بعد خسارے کا رخ کیوں کیا جائے۔

حاصل : جب نفع اور ضرر باذن اللہ ہے، تو خواہشات کے اتباع سے نتائج کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا ناممکن ہے۔ اور غیر کا رخ اختیار کرنا حماقت ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾ ع ۱۲

اور اگر وہ ایمان لاتے، اور تقویٰ کرتے تو اللہ کے ہاں سے بہتر ثواب پاتے۔ کہیں انہیں معلوم ہو۔

ایمان ناصحین کی حب سے عطا ہوتا ہے۔ تقویٰ ان کی معیت سے حاصل ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے عباد مخلصین کی محبت میں سچا ثابت ہو جاتا ہے، اس کو دنیا میں خوف وحزن سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی حال کا مستقبل بنے گا۔ آخرت میں بھی اسے ہی فلاح ہوگی۔ یہی بہتر ثواب ہے۔ شے کی طلب سے آدمی چھوٹا ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ تمام اشیاء کا مقصود و مطلوب ہو تو اصل شان میں نظر آتا ہے جو زمین میں خلیفہ ہونے کے اعتبار سے اسے حاصل ہے۔ اشیاء تو سب ہیں ہی اس کے لئے۔ یہ اسے معلوم ہو جائے تو وہ اپنے مقام کو پہچان لیتا ہے۔

حاصل : اشیاء سب بندے کے لئے ہیں۔ بندہ ان کے لئے نہیں ہے۔ یہ معلوم ہو جائے، تو ایمان اور تقوے کا شرف ضرور ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی، رضائے خداوندی پر لگ جائے تو یہ بہتر ثواب ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

[ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور کافر شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ تو شیطان کے دوستوں سے لڑو، بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾

اے ایمان والو، رَاعِنَا نہ کہو۔ اور عرض کرو اُنْظُرْنَا۔ اور دھیان سے سنو۔ اور کافروں کے لئے المناک عذاب ہے۔

ایمان والے محبین کا درجہ رکھتے ہیں۔ محب پر حق ہے کہ وہ شاہد کے ساتھ کلام کرتے وقت ذو معنی الفاظ استعمال نہ کرے۔ تاکہ اس کے حسنِ کلام سے روشنی بڑھے۔ محب کی شان تو یہ ہے کہ وہ پوری توجہ سے سنتا ہے اور دل سے مانتا ہے۔ اگر کبھی کسی ارشاد کے دوبارہ سننے کی طلب ہو تو عام لوگوں کی زبان میں عرض نہیں کرتا۔ بڑے ادب کے ساتھ درخواست کرتا ہے، انظرنا سیدنا۔ شاہد اس کو مزید آسان بنا دینے کا علم رکھتا ہے۔ ادب کا لحاظ نہ رکھنے والے منکر ہوں گے۔ ان کے کئے کا حاصل عذاب الیم ہو گا۔

حاصل : شاہد کے ساتھ کلام کرتے وقت ادب کا لحاظ رکھنا بڑا حق ہے۔ ذو معنی الفاظ کا استعمال منع ہے۔ توجہ سے سننے کی حقیقت یہ ہے کہ شاہد کے فرمان اور علم کو بے بدل جانا جائے۔ بے ادبی کا حاصل عذاب الیم ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم مِّنْ خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٥﴾

کافر اہلِ کتاب اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو۔ اور اللہ مختص فرمالیتا ہے اپنی رحمت کے لئے جسے چاہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اہلِ کتاب کا انکار کرنے والے کافر ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے محبوب کو حق کے اتباع میں معیارِ مطلق نہیں مانتے وہ مشرک ہیں۔ یہ دونوں قسمیں یہ نہیں چاہتیں کہ ایمان والوں پر کوئی بھلائی اترے۔ کہ اس سے ان کی فضیلت کے احساس پر چوٹ پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے مختص فرمالیتا ہے۔ وہ بڑے فضل والا ہے۔ وہ نوازنا چاہے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حاصل : احکامِ خداوندی اللہ کی رحمت ہے، اور فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جو ہماری بھلائی نہیں چاہتا، اس سے دوری میں ہی فلاح ہے۔

مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ

جب ہم کوئی آیت منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں، تو اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آتے ہیں۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ ہر شے پر قادر ہے۔

یہودیوں اور مشرکوں کو یہی بات ناپسند تھی کہ مومنین کو قرآن پاک کی صورت سے جو ہدایت اور رحمت عطا ہو رہی ہے۔ اس سے ان کی حیثیت کی اہمیت جاتی رہی ہے۔ کتبِ سابقہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ارشاد ہوا تھا، ان لوگوں نے اس کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کی تھی اور کتاب میں تحریف کی تھی۔ حال کی تصدیق کی بجائے اس شہادت کو چھپایا تھا جو اہلِ کتاب ہونے کی نسبت سے ان پر لازم تھی۔ یہ اللہ کی رحمت ہوئی اور اس کا فضل ہوا کہ اس نے جو منسوخ کرنا چاہا اسے منسوخ کر دیا، جو بھلانا چاہا بھلا دیا، اور اس سے بہتر یا اس کی مثل عطا فرما دیا۔ اس سے اہلِ کتاب کے احساسِ برتری کا خاتمہ ہو گیا۔ قرآنِ پاک سب لوگوں کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اس لئے یہ کل ہے اور کتبِ سابقہ کی حیثیت جزو کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اس کو آسانی عطا کرتے دیر ہی نہیں لگتی۔ قرآنِ پاک کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ ہی ذمے دار ہے۔ نہ اس میں تضاد ہے، نہ اختلاف ہے۔ کم علمی کی بنا پر اگر کوئی تضاد دیکھتا ہے تو اسے اہلِ ذکر سے پوچھنا چاہئے اور قرآنِ پاک کو اپنی سمجھ کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔

حاصل : قرآن پاک کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ ماضی میں جو معطیٔ مطلق تھا حال پر بھی وہی ہے۔ جس نے پہلے احکام نازل فرمائے تھے، حال پر بھی اسی کی قدرت محیط ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے مختص فرما لیتا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ ہی کی بادشاہی ہے ارض و سماوات میں، اور اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ مدد گار۔

زمین و آسمان کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جسے چاہے شرفِ خلافت بخشے۔ اس کے مقابل آنے والا خسارے سے بچ نہیں سکتا۔ اس کا کوئی دوست اس کے کام نہیں آسکتا۔ کوئی مدد گار اسے بچا نہیں سکتا۔

حاصل : جب زمین و آسمان میں بادشاہی اللہ کی ہے، تو پھر کسی کو اپنی خواہش کے تحت حکم کرنے کا حق ہی حاصل نہیں۔ خلافِ حق کرنے والا انجام سے بچ نہیں سکتا۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ویسا سوال کرو، جو اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) سے ہوا تھا۔ اور جو ایمان کے بدلے کفر لے، تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یکبارگی نزول کے لئے سوال کیا گیا تھا۔ الواح پر اس کا نزول ہوا۔ انکار کرنے والوں نے وہاں بھی انکار کیا۔ علیم مطلق جس طرح عطا کر رہا ہے، اس سے بہتر صورت ہو نہیں سکتی۔ اس کے مقابل اپنی تجویز رکھنے والے ایمان کے بدلے کفر لے رہے ہیں۔ جو فرمانِ خداوندی کو ماننے کی بجائے اس میں اپنی خواہش کو داخل کرنے کا مرتکب ہو، تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

حاصل : جس سوال میں فساد ہو، اور سوال کرنے والے کی کوشش ہو کہ وہ حق میں اپنی مرضی کو شامل کرے، وہ سوال غیر ہوتا ہے، اور غیر کا ہوتا ہے۔ حق کا ماننا سیدھی راہ ہے۔ حق میں اپنی چاہت کو داخل کرنا سیدھی راہ سے بھٹکنا ہے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾

اہلِ کتاب سے اکثر نے چاہا کہ تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیریں، اپنے جیسوں کے حسد سے، بعد اس کے کہ حق ان پر کھل چکا ہے۔ تو عفو کرو اور در گزر کرو، حتیٰ کہ اللہ اپنا امر لائے۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اہلِ کتاب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے میں کچھ مشکل نہیں تھی۔ وہ حضور کو بالکل پہچانتے تھے۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچاننے میں یہ لوگ نہیں بھولتے تھے، ویسے ہی حضور کے بارے میں بھی انہیں کوئی شک نہ تھا۔ حضور کی مخالفت تو اس لئے تھی کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کے اتباع میں لگے ہوئے تھے اور حسد میں مبتلا تھے۔ ایمان والوں کو کفر کی طرف پھیرنے کی ان لوگوں نے بہت کوشش کی۔ یہ ایمان والوں پر اللہ کے فضل اور رحمت سے ناخوش تھے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم ہے کہ ان سے عفو کرو اور در گزر کرو۔ عفو یہ ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ ہونے والے قصور کو معاف کرو، اور در گزر یہ ہے کہ ان کے ناقص قول سے منہ پھیرو۔ یہ اس وقت تک ہے، جب تک یہ لوگ عملاً مومنین کے ساتھ قتال نہ کریں، انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالیں، اور مومنین کے دشمن کا عملاً ساتھ نہ دیں۔ جب اللہ کا امر آ جائے تو پھر جو امر ہو وہی کرو۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ مومن اس کی معیت میں ہوتا ہے، اس لئے غلبہ ہمیشہ مومن کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

حاصل : حاسد دوسروں پر اللہ کے فضل کو دیکھ کر ناخوش ہوتا ہے، اور حق کو پہچاننے کے بعد اس کا انکار کرتا ہے۔ جب تک وہ عملاً مومنین کے خلاف نہ ہو، اس سے عفو اور در گزر ضروری ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ

اور نماز قائم رکھو، اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اپنی جانوں کے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ بے شک اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

عفو کرنے والے کو اللہ کے محبوب کی معیّت کا شرف ہوتا ہے حال پر اس لئے وہ نماز قائم رکھتا ہے. زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ نماز قول ہے. زکوٰۃ عمل ہے۔ اور قول کا عمل شاہد ہو تو قول سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو حال پر ملی ہوئی توفیق کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرے گا. وہ بھلائی کو آگے بھیجے گا۔ جو بیج ہو گا. پھل بھی اسی کا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں۔ وہ ظاہر و باطن کا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل : نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ توفیق عطا کرنے والے کی رضا مقصود ہونی چاہئے ہر مقام پر۔ اسی حال کا مستقبل بنے گا۔ خلوت و جلوت میں پاک رہنا اللہ تعالیٰ کے خبیر ماننے کا ثبوت ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور کہنے لگے ہرگز جنّت میں داخل نہ ہو گا مگر جو یہودی یا نصرانی ہو۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں۔ فرما دیجئے، لاؤ برہان اگر تم سچے ہو۔

جس دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہو. وہ باطل ہوتا ہے۔ جنّت کا مالک دخولِ جنّت کے بارے میں جو فرمائے گا وہ سند ہو گا۔ برہان ناقابلِ تردید سند کا درجہ رکھتی ہے۔ جو اپنی پسند کو اللہ کی پسند پر قربان نہیں کرتا. اس کی پسند اللہ کے نزدیک بے حقیقت ہوتی ہے۔

حاصل : جو اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان نہ کرے. اس کی پسند بے حقیقت ہوتی ہے۔ دعویٰ بغیر شہادت قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

ہاں، جس نے اللہ کی تسلیم کا رخ کیا اور ہو محسن، تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ اور نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

۱۳ ع ۹ ۱۳

جو اللہ کے رخ کو تسلیم کرتا ہے۔ وہ اللہ کے محبوب کو اپنا شاہد بناتا ہے۔ اس کی اطاعت و اتباع کو اپنا حال بناتا ہے۔ جو توفیق اسے معطیٔ مطلق نے عطا فرمائی ہے، اس سے لوگوں کو آسانی عطا کرتا ہے۔ اجر کا سوال کسی سے نہیں کرتا۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور نہ ختم ہونے والا ہے۔ ایسے بچے کو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ وہ جو بھی کرتا ہے، اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کے محبوب کی طریقت ہے۔ اور بس۔ اس طرح اسے معیتِ حق عطا ہو جاتی ہے اور یک سوئی عطا ہو جاتی ہے۔

حاصل : جس کا رخ خیر کا ہو اور ہو محسن۔ وہ جو بھی کرتا ہے اپنے یار کی طریقت جان کر کرتا ہے۔ اس طرح اسے خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں فرمایا ہے :

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے بنی آدم۔ اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں تم پر میری آیتیں پڑھتے۔ تو جو پرہیزگاری کرے اور صالح ہو، تو ان پر خوف نہ ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور یہود کہتے ہیں نصاریٰ کچھ نہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کچھ نہیں، اور وہ کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ اسی طرح لاعلم لوگوں نے ان کی سی بات کہی۔ تو اللہ قیامت کے دن ان کے مابین حکم فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔

جب مقصود حق ہو تو زبان حق کے تابع رہتی ہے، اور جب مقصود اپنے نفس کی خوشی ہو تو حدود و قیود کا احترام نہیں رہتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس حال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا، اس حال پر وہ معیارِ حق تھے، اور ان پر نازل کی گئی کتاب احکامِ خداوندی کی صورت رکھتی تھی۔ یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ بھیجنے والا وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ علیمِ مطلق ہے اور اسی کی عطا ہر حال علم سے ہے۔ اس میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ جب کسی آیت کو منسوخ کرتا ہے، تو اس سے بہتر یا اسی کی مثل لے آتا ہے۔ فرمانِ خداوندی میں ماضی حال کی بشارت دیتا ہے اور حال ماضی کا مصدق ہوتا ہے۔ جو لوگ خواہش کی طرف جھک جاتے ہیں، وہ اختلاف میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور باوجود علم ہونے کے خلافِ حق کہنے لگتے ہیں۔ اس طرح جاہلوں کو بھی ایسی بات کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ بھی عداوت کی بنا پر ہوائے نفس سے کہے جاتے ہیں۔ جب اس توفیق کی جزا کا وقت آئے گا، تو اختلاف کرنے والے اپنے آپ کو بھی دیکھ لیں گے اور اس معیارِ حق کو بھی دیکھ لیں گے جس میں اختلاف کرتے

تھے۔ ان کے مابین فیصلہ ہو گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ حکمِ خداوندی کی شان اور قدر یہ ہے۔ کہ اتباع صاحبِ حال کا ہو اور تسلیم سب صاحبانِ حال کی ہو۔ اور ہر حکمِ خداوندی کو سند مانا جائے۔

حاصل : بات مستند ہونی چاہئے، فرمانِ خداوندی کو اس پر شاہد ہونا چاہئے۔ جو دعویٰ ہوائے نفس اور عداوت پر مبنی ہو، اس کا حاصل اختلاف ہوتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون جو اللہ کی مساجد سے منع کرے کہ ان میں اس کے اسم کا ذکر کیا جائے، اور ان میں خرابی کی کوشش کرے۔ انہیں لائق نہیں کہ ان میں داخل ہوں، مگر خائف ہو کر۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔

ظالم وہ ہے، جو اللہ کے فرمان کے خلاف کرے۔ بڑا ظالم وہ ہے، جو دوسروں کا راستہ روکے۔ جو خیر کے راستے کو روکنے کی کوشش کرتا ہے، وہ رسوائی اور عذاب کے قریب ہو جاتا ہے۔ جس قادرِ مطلق نے اسے توفیق دی ہے، اگر اسی کے مقابل آنے کی کوشش کرنے لگے تو خسارہ اور عذاب اظلم ہی کو ہو گا۔ مساجد اللہ کے گھر ہیں، ان میں اللہ کا ذکر کیا جانا چاہئے، اور اللہ کے خوف کے ساتھ ان میں داخل ہونا چاہئے۔ وہاں کسی کے ساتھ الجھنا انتہائی بے ادبی ہے۔ جب تک کوئی پوچھے نہیں، کسی کی عبادت میں دخل دینے سے گریز کرنا حق ہے۔ اگر کچھ نقصان ہو جائے، تو ادب سے خاموش رہنا حق ہے۔ مسجد کی شان یہ ہے، کہ وہاں کسی برائی کو دیکھا ہی نہ جائے۔ مسجد کو کسی بھی وقت بند نہیں ہونا چاہئے۔ بند کرنے والا بھی راستہ روکنے کا مرتکب ہوتا ہے، اور یہ خوفِ خدا کے خلاف ہے۔ جو حق کے راستے سے روکتا ہو اس سے توفیق لے لی جاتی ہے، رسوائی اس پر دنیا میں مسلط ہو جاتی ہے، آخرت میں عذابِ عظیم اسے گھیرے گا۔

حاصل : دوسروں کو کارِ خیر سے روکنے والا اظلم ہوتا ہے۔ مسجد میں اللہ کا ذکر کرنا چاہئے، اور باادب رہنا چاہئے۔ کسی کی اصلاح اس وقت تک حق نہیں، جب تک وہ اس کا طالب نہ ہو۔ اپنے کسی نقصان کا اظہار کرنا مسجد کی شان کے منافی ہے۔ مسجد کو بند نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ کی راہ سے روکنے کا حاصل، رسوائی ہے اور عذابِ عظیم ہے۔

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب۔ تو تم جس طرف منہ کرو، وہاں ہی اللہ متوجہ ہے۔ بے شک اللہ وسعت والا علم والا

وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾ ہے۔

اللہ ہی خالقِ کل ہے، اسی لئے سب کچھ اسی کا ہے۔ اطراف بھی سب اسی کی ہیں۔ وہ تعین سے بالا ہے۔ اس لئے وہ ہر جگہ ہے، ہر حال میں ہے۔ اس سے کچھ مخفی نہیں۔ خالقِ کل سے بڑی وسعت والا اور کون ہو سکتا ہے۔ اس سے بڑے علم والا اور کون ہو سکتا ہے۔ جو کسی تنگی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کر دے، وہ اس کی اپنی ناسمجھی ہی ہوگی۔ دین میں صحت کا معیار ہی یہ ہے کہ رخ اللہ کے محبوب کا ہو۔ فضیلت عمل کو نہیں رخ کو ہے۔

حاصل : عمل کو فضیلت نہیں، رخ کو فضیلت ہے۔ وسعت والے، علم والے کی شان ہی سب سے اعلیٰ ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَہٗ ؕ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور کہتے ہیں، اللہ اولاد رکھتا ہے۔ اسے پاکی ہے۔ بلکہ اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اسی کے تابع ہیں۔

یہود و نصاریٰ نے اور دوسرے کافروں نے بھی اولاد کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کیا۔ جس کی اولاد ہوگی، وہ بے صورت نہیں ہو سکتا۔ جب صورت ہوگی تو صورت سے متعلق تمام امور بھی لازماً ہوں گے۔ اور یہ اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔ وہ اس سے پاک ہے۔ سب کچھ اسی کا ہے۔ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کا مملوک نہ ہو۔ اور فرمان بھی اسی کا محیطِ عالم ہے۔

حاصل : جو سب کا مالک ہے اور جس کا فرمان محیطِ عالم ہے، وہ بے صورت ہے، اور سب صورتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا جب امر فرماتا ہے، تو یہی فرماتا ہے کہ ہو جبھی وہ ہو جاتا ہے۔

عدم کو وجود عطا کرنے والا قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی کسی سابق مثال کے بغیر اشیاء کا صورت گر ہے۔ جب وہ کسی شے کا ارادہ فرمالے تو اس کے ارکان فوراً حاضر ہو جاتے ہیں، جبھی وہ ہو جاتی ہے۔ جس اللہ کی یہ شان ہے، اس سے تعلق کا ثبوت تو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس کی عطا کو پورا جانا جائے، اور یہ یقین رہے کہ جس حال پر جو درکار ہو گا، معطیٔ مطلق کو عطا کرتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : علیم مطلق کی ہر تخلیق حکمت اور علم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے امر سے ارکان فوراً حاضر ہو جاتے ہیں اور جبھی وجود بن جاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور لاعلم لوگوں نے کہا، اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا، یا ہمیں کوئی نشانی ملے۔ ان سے قبل والوں نے بھی ایسے ہی کہا، انہی کی مثل۔ ان کے قلوب مشابہ ہیں۔ بے شک ہم نے نشانیاں روشن کر دیں یقین والوں کے لئے۔

جو اپنی پسند کو معیار سمجھے وہ لاعلم ہوتا ہے۔ لاعلم یہی کیا کرتے ہیں۔ لاعلم لوگوں کا رخ ایک سا ہی ہوتا ہے اس لئے ان کے قلوب بھی مشابہ ہوتے ہیں، چاہے ان کا زمانہ ایک نہ ہو۔ منشائے ایزدی لوگوں کے سامنے معیارِ حق رکھنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا رخ رکھتا ہو، وہی صاحبِ یقین اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں سے فیضیاب ہوتا ہے۔

حاصل : رخ اللہ کی رضا کا ہو تو اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں سے یقین حاصل ہوتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا، اور آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہ ہو گا۔

اللہ کے رسول کی شان یہ ہے کہ خیر کو قبول کرنے والوں کو بشارت دی جاتی ہے، اور خیر کا انکار کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ جو خیر کو قبول نہ کرے، غیر اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔ پھر اس کے بارے میں خیر کے قاسم سے کوئی سوال نہیں ہوتا۔

حاصل : بشارت و انذار کا حق ادا ہو جائے، تو مبلّغ سے کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ

اور ہرگز تم سے یہود راضی نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ، حتیٰ کہ تم ان کی ملّت کا اتباع کرو۔ فرما دیجئے، بے شک اللہ ہی کی ہدایت، ہدایت ہے۔ اور اگر تم ان کی خواہشات کا اتباع کرو بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا، تو تمہارا کوئی بچانے والا نہ

اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ ہو گا اور نہ نصرت دینے والا۔

یہود و نصاریٰ کے راضی ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان کی ملت کا اتباع کیا جائے، جب کہ یہ لوگ فرمانِ خداوندی کو اپنے مطابق بنانے کا ارتکاب بھی کر چکے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا سب سے بڑا حق ہے کہ انھیں راضی کیا جائے، کہ مومن ہونے کی یہی سند ہے۔ ہدایت وہی ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ جس میں کسی کی پسند یا ناپسند کو دخل ہو، وہ ہدایت نہیں ہو سکتی۔ علم ہو جانے کے بعد جو ان کی خواہشات کا اتباع کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا پر غیر اللہ کی رضا کو ترجیح دے گا۔ یہ اللہ کے فرمان کی عملاً خلاف ورزی ہو گی۔ قادرِ مطلق کے مقابل آنے والے کو نہ کوئی بچا سکتا ہے، نہ اسے کوئی مدد دے سکتا ہے۔

حاصل : ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کے مقابل کسی کی پسند ناپسند کے پیچھے لگنا، اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنے والی بات ہو گی۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴

جنھیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جو اس کی تلاوت کا حق ہے۔ یہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اس کا انکار کریں، تو یہی خسارے والے ہیں۔

کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ نمونہ اس کا محبوب ہوتا ہے۔ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو، نمونہ اس کے محبوب کو مانا جائے اور اپنی خواہش کا اتباع نہ کیا جائے، یہی کتاب کی تلاوت کا حق ہے۔ حکمِ خداوندی کو ادب سے مانا جائے، اللہ کے محبوب سے محبت ہو، اس کے قربی سے مودۃ ہو، یہ ایمان ہے۔ اور جب کتاب کو اپنی سمجھ سے سمجھا جائے، تو اس کی حقیقت انکار اور خسارہ ہی ہوتا ہے۔

حاصل : حکم اللہ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو، یہ حقِ تلاوت ہے۔ معیارِ حق سے محبت ایمان کی پہچان ہے، عدمِ محبت کفر ہے اور خسارہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾
[مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے، تو ان کے دل ڈر جائیں۔ اور جب ان پر آیات تلاوت کی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔]

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت کو، جو

الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾

تم پر میں نے انعام کیا، اور جو تمہیں عالمین پر فضیلت دی۔

بنی اسرائیل میں سے لوگوں کے امام ہوتے رہے ہیں۔ یہ وقت ان کے عالمین پر فضیلت کا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا عہد ظالمین کو نہیں پہنچتا، اس لئے فرمان خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والے اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں عالمین پر کوئی فضیلت حاصل ہو۔

حاصل : جس کی اپنی کوئی بات نہ رہے، اسے اللہ تعالیٰ اپنی بات عطا فرما دیتا ہے۔ اسے امام ہونے کا شرف عطا ہوتا ہے۔

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـئًا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

اور ڈرو اس دن سے، کہ کوئی نفس دوسرے نفس کا بدلہ نہ ہو گا، اور نہ اس سے کچھ بدل قبول کیا جائے گا، نہ اسے شفاعت نفع دے، اور نہ ان کی نصرت ہو گی۔

حیاتِ دنیا میں اسباب بندے کے رخ کی عملی شہادت پیش کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں۔ حیاتِ دنیا میں جو خیر کی راہ اختیار کرتا ہے، اس کا مستقبل خیر ہو گا۔ جو یہاں غیر کا راستہ اختیار کرتا ہے، اس کا مستقبل غیر ہو گا۔ وہاں اسباب کسی کا بدل نہیں ہو سکتے، کیونکہ ہر نفس کو اس کے کئے کے مطابق جزا دی جائے گی۔ وقتِ جزا رکھا ہی اس لئے گیا ہے کہ ہر ایک کو اس کا حاصل دے دیا جائے اور جس منزل کی طرف وہ بڑھتا رہا ہے، اسے اس پر پہنچا دیا جائے۔ توفیق تو سب وقتی ہے۔ مالک ہر شے کا خالق کل ہی ہے۔ اس وقت چونکہ اصلاح کے لئے مزید وقت نہیں مل سکے گا، اس لئے شفاعت بھی نفع نہیں دے گی۔ اور مملوک کو جب مالک الملک جزا دے تو نصرت کسی کے بس کی ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : اس دن سے ڈرنا بڑا ضروری ہے، جس دن ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ اسباب کا زعم ختم ہو چکا ہو گا، اصلاح کو اختیار کرنا اس وقت ممکن نہ ہو گا، اور مزید مہلت بھی نہ مل سکے گی۔

وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کچھ باتوں سے دیکھا، تو آپ نے انہیں پورا کیا۔ فرمایا، میں تمہیں لوگوں کا امام ٹھہراؤں گا۔ عرض کی، اور میری

ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ذرّیت سے۔ فرمایا میرا عہد ظالمین کو نہیں پہنچتا۔

حق کے قبول کرنے کا دعویٰ جہاں بھی ہو، وہاں عمل کو دعوے کے مطابق دیکھ کر ہی صداقت کی تصدیق کی جاتی ہے۔ فرمانِ خداوندی کو ماننے والے کسی بھی مقام پر اپنی خواہشات کا اتباع نہیں کرتے اور خواہش کے عدمِ اتباع سے ہی ان حضرات کی صداقت روشن ہوتی ہے۔ جو اس طرح سچا ثابت ہو جاتا ہے، دربارِ خداوندی سے اسے امام ہونے کا مرتبہ عطا کر دیا جاتا ہے۔ ظالم کو کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کا امام نہیں بنایا جاتا۔ ظالم جہاں بھی آگے آئے گا، لوگوں کی جہالت کی بدولت ہی ہو گا۔ ظالم لوگوں کو خواہشات کے جال میں پھنسالے گا، اور لوگ اپنی غرض و غایت کے تحت اسے اٹھالیں گے۔ مشقت اٹھا کر پھر ماننا حق کو ہی پڑے گا۔ پھر ظالم کی قیادت سے نجات حاصل ہو گی اللہ کے فضل سے۔

حاصل : حق کا ماننے والا خواہشات کے عدمِ اتباع سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ دعویٰ ہو تو تصدیق کے لئے دیکھا ضرور جاتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے اللہ تعالیٰ کے دربار میں، اسے لوگوں کا امام بنایا جاتا ہے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَا إِلٰى إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور جائے امان ٹھہرایا۔ اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ اور ہم نے عہد لیا ابراہیم (علیہ السلام) سے اور اسماعیل (علیہ السلام) سے، کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے، پاک رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کے گھر کو اپنا گھر بنایا، کہ لوگ وہاں جمع ہوں اور فیض یاب ہوں۔ جس گھر کا منشاء ہی لوگوں کا جمع ہونا ہے، اس کو جائے امان ضرور ہونا چاہئے، کہ وہاں پر کسی کی پسند یا ناپسند کا ذکر ہی نہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ حنیف وہ ہوتا ہے، جسے اللہ کی رضا کے علاوہ اور کچھ درکار نہ ہو۔ یہی مقامِ ابراہیم ہے، اور یہی نماز کی شان کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ فرمایا کہ اس کے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھیں۔ پاکی کی صورت یہ ہے، کہ آنے والوں کے منشاء کی آسانی سے تکمیل ہو۔ طواف کا درجہ پہلے ہے، اس کے بعد بیٹھ کر رجوع ہونے کی صورت ہے، پھر رکوع و سجود کی صورت ہے۔ جو جس صورت کے لائق ہو وہ اسی کے مطابق حق ادا کرے۔

حاصل : بیت اللہ لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے، اور جائے امان ہے۔ جس طرح حق کی ادائیگی ممکن ہو، اس میں آسانی کا اہتمام کرنا بیت اللہ کے خدام کی شان ہے۔ کسی کے واصل باللہ ہونے میں حائل ہونا حق نہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٢٦﴾

اور جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی، کہ اے رب اس شہر کو امن والا ٹھہرا دے، اور اس کے اہل کو ثمرات سے رزق دے، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے۔ فرمایا، جو کافر ہوا اسے بھی متاعِ قلیل دوں گا۔ پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف جبراً بلاؤں گا۔ اور وہ بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کا امام اور بیت اللہ کو لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ ٹھہرایا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہلِ بلد صاحبان کے لئے دعائے خیر کی کہ انہیں ثمرات سے رزق ملے۔ پاک لوگوں کے اہل تو وہی ہوتے ہیں، جو پاک ہوں۔ ظالم پاک لوگوں سے تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے ہی ظالم بنتے ہیں۔ امن شہر کی شان ہوتا ہے۔ امن ہو چین ہو تو حق کی ادائیگی احسن ہوتی ہے۔ اہلِ بلد، آنے والوں کے لئے واجب الاحترام ہوتے ہیں، اور نمونہ ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ نے دعا میں اللہ اور یوم آخر پر ایمان کی تخصیص فرمائی۔ دعا قبول ہوئی۔ اور یہ بھی فرمایا گیا، جو اللہ اور یوم آخر کا انکار کرے گا، اسے بھی متاعِ قلیل دوں گا۔ اللہ کا انکار کرنے والا عطائے خداوندی کو اپنی تجویز کی بدولت سمجھتا ہے، اس لئے کمی کا شکار رہتا ہے۔ وہ اس متاع کو اپنی خواہشات پر لگانے کی وجہ سے آگ کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے، جس سے بچ جانا اس کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ جو جگہ انسانی تجویز کی حاصل ہو وہ بری ہوتی ہے۔ جو اللہ کی رضا سے تعلق رکھتی ہو وہ اچھی جگہ ہے۔

حاصل : امن شہر کی شان ہوتا ہے۔ اہلِ شہر کو آنے والوں کے لئے نمونہ ہونا چاہئے اور آنے والوں پر ان کا احترام حق ہے۔ انسانی تجویز سے جو جگہ حاصل ہو وہ بری جگہ ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اس گھر کی بنیادیں اٹھاتے تھے، دعا کرتے ہوئے اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جب بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، تو آپ حضرات نے یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب، ہم سے قبول فرما، بے شک تو سننے والا علم رکھنے والا ہے۔ جب کام اللہ کی رضا کے لئے ہو تو ابتداءً یہی دعا کرنی حق ہے، کہ اس سے اللہ کا فضل شامل حال ہو جاتا ہے۔ بندے کی سعی مقبول ہو، یہی شانِ بندگی ہے۔

حاصل : کام کوئی ہو، اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے اور اسی دعا سے اس کی ابتدا ہونی چاہئے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

اے ہمارے رب اور ہم کو حکم بردار بنا۔ اور ہماری ذرّیّت سے ایک اُمّت تیری ماننے والی ہو۔ اور ہمیں مناسک بتا اور ہم پر رجوع فرما۔ بے شک تو ہی رجوع فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حکم بردار ہی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہمیں حکم بردار بنا، کہ ان کا منشاء تائید ایزدی ہوتا ہے۔ انہیں اپنی ذرّیّت کے صراطِ مستقیم پر ہونے کی دعا بھی کرنی چاہئے، اس طرح اللہ کے فضل سے حال موجود رہتا ہے اور محبین فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ مناسک بھی اللہ تعالیٰ ہی بتاتا ہے۔ ادا کرنے والا یہ کہہ کر کہ ہم پر رجوع فرما، بے شک تو رجوع فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے، اپنی عبودیت وانکساری کا اظہار کرتا ہے۔

حاصل : دعا میں توفیق کا طلب کرنا، ذرّیّت کے سچے اور سیدھے رہنے کی تمنا کرنا، اللہ تعالیٰ کی توجہ کا طالب رہنا، بندگی کا اظہار اور عجز کا اعتراف بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۸ ۱۵

اے ہمارے رب ان میں ایک رسول مبعوث فرما، جو ان پر تیری آیات تلاوت فرمائے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے۔ بے شک تو ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے دعا کی کہ ان کی ذرّیّت سے ایک رسول مبعوث ہو، جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت فرمائے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ذرّیّت سے ہیں۔ شان یہ ہے کہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو۔ کتاب کی تعلیم یہ ہے کہ

قولِ حق کی تعلیم دی جائے، اور اس کا حال روشن کیا جائے۔ حکمت کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء کو ان کے مقام پر رکھنے کا علم سکھایا جائے۔ پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کو غرض وغایت سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل کیا جائے۔ عزت اور حکمت عطا کرنے والا وحدہٗ لاشریک ہے۔ عزت و حکمت معیتِ حق سے ہی ممکن ہے۔

حاصل : عزت و حکمت معیتِ حق سے ہی ممکن ہے۔ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو حال پر، ماضی اس کا شاہد ہو۔ شاہد کی شان یہی ہے کہ وہ پاک کرے، کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور خوف و حزن سے نجات عطا کرے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران میں فرمایا :

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا۟ بِهِۦ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ ۗ وَلِلَّهِ مِيرَٰثُ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸۰﴾

[اور بخل کرنے والے، جو چیز اللہ نے انہیں عطا فرمائی ہے اپنے فضل سے، ہرگز اپنے لئے اسے اچھا نہ سمجھیں۔ بلکہ وہ ان کے لئے بری ہے۔ جلد ہی وہ جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہو گا۔ اور اللہ ہی کی میراث ہے آسمان اور زمین۔ اور اللہ خبر رکھنے والا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔]

وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَٰهِۦمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُۥ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَٰهُ فِى الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُۥ فِى الْءَاخِرَةِ لَمِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿۱۳۰﴾

اور کون ہے، جو ملّتِ ابراہیم (علیہ السلام) سے منہ پھیرے، مگر وہی جس نے اپنے آپ کو احمق بنایا۔ اور بے شک ہم نے انہیں دنیا میں چن لیا، اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس رسول کی بعثت کی دعا کی، اس کو تسلیم کرنے سے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق ثابت ہو گا۔ اور جو اس حال کا انکار کرتا ہے وہ یقیناً ملتِ ابراہیم علیہ السلام سے منہ پھیرتا ہے۔ بے وقوف وہ ہوتا ہے، جو حکم کو اپنی سمجھ سے سمجھے۔ صاحبِ رشد وہ ہوتا ہے، جو شاہد کی سمجھ سے سمجھے۔ ماننے کا ثبوت ہی یہ ہے کہ پورا پورا مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں لوگوں کا امام ٹھہرایا ارشادِ خداوندی کو پورا کرنے کی بدولت۔ یہ دنیا میں چنا جانا ہے۔ اسی حال کا مستقبل بنے گا۔ اس لئے آخرت میں وہ یقیناً صالحین سے ہیں۔

حاصل : جس کو ماننے کا دعویٰ ہو، اس سے اختلاف بے وقوفی ہے۔ حال جس کا خیر ہے، مستقبل بھی اسی کا خیر ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُۥ رَبُّهُۥٓ أَسْلِمْ ۖ قَالَ

جب آپ سے آپ کے رب نے فرمایا، حکم

أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

برداری کیجئے۔ عرض کی، میں رب العالمین کی حکم برداری کرتا ہوں۔

دعوئ تسلیم ضروری ہے۔ رب العالمین کی تسلیم یہ ہے کہ خالقِ کل بھی وہی ہے، مطاعِ مطلق بھی وہی ہے۔ توفیق کے استعمال سے رخ کے اچھا ہونے کا یا اچھا نہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ نتیجہ باذنِ اللہ ہی ہوتا ہے۔ یہ ہے رب العالمین کی حکم برداری کا معیار۔

حاصل: مطاعِ مطلق ہی قادرِ مطلق ہے۔ نتیجہ ہر مقام پر باذنِ اللہ ہی ہوتا ہے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۭ﴿۱۳۲﴾

اور اسی کی وصیت کی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو اور حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے۔ اے میرے بیٹو بے شک اللہ نے تمہارے لئے یہ دین چن لیا ہے، تو تمہیں موت نہ آئے مگر مسلمان کی حیثیت سے۔

رب العالمین کے تسلیم کرنے کی وصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کی۔ وصیت وہ علم ہوتا ہے جو اپنی نسل میں دیکھنا مطلوب ہوتا ہے۔ ان حضرات نے یہ فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ دینِ اسلام چن لیا ہے، تو اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت تمہیں مسلمانوں کی حیثیت ہی سے رخصت ہونا چاہئے۔ رخصت کا حکم کسی بھی وقت ہو سکتا ہے، اس لئے کسی بھی لمحے رب العالمین کی تسلیم میں کوتاہی نہ ہو۔

حاصل: رب العالمین کی تسلیم بڑا حقِ وصیت ہے۔ یہی تسلیم باعثِ نجات ہوتی ہے خوف و حزن سے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

کیا تم گواہ تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی۔ جب آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا، میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ عرض کرنے لگے، ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے آباء حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق

وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

(علیہ السلام) کے معبودِ واحد کی، اور ہم اسی کے ماننے والے ہیں۔

صاحبانِ حق اپنی اولاد کو تسلیمِ حق کی وصیت کرتے چلے آئے ہیں۔ حال اس ماضی کا شاہد ہے، اور ماضی حال کا شاہد ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا، میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا، ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، اور آپ کے آباء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے معبودِ واحد کی عبادت کریں گے، کہ ہم اسی وحدہٗ لاشریک کے ماننے والے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کے اس کلام پر شاہد ہوئے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت یہ ہے کہ عبادت کرنے والا اس کا عبد ہو کر رہے، عبادِ مخلصین سے میل جول رکھے، ان سے خالص محبت رکھے، اور ان کی معیت میں رہے۔

حاصل : وقتِ وصال اپنی اولاد کے صراطِ مستقیم پر ہونے کی تصدیق کرنی چاہیے، اور انہیں مسلمان رہنے کی وصیت کرنی چاہیے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

وہ ایک اُمّت تھی جو گزر چکی ہے۔ ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا، اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا۔ اور تم سے سوال نہ ہو گا، جو عمل وہ کرتے تھے۔

جس کو توفیق دی گئی ہے، اس پر حق بھی عائد کیا گیا ہے اسی نسبت سے۔ وہ حضرات تو خود بھی مسلم ہوئے اور ان کی اولاد بھی مسلمانوں سے ہی ہوئی۔ اب اگر کوئی ان کے راستے سے ہٹ کر بھی انہی کا نام لیتا ہے، تو اپنے اعمال کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور ان کے واسطے ہے جو یہ کریں گے۔ اور ان سے اُن کے اعمال کے بارے میں سوال نہ ہو گا۔

حاصل : جس کی معیت حال پر ہوگی، مستقبل میں بھی اسی کی ہوگی۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور کہتے ہیں، یہودی یا نصاریٰ ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ فرما دیجیے، کہ ہم تو ملّتِ ابراہیم ہیں جو ایک ہی طرف تھے۔ اور وہ شرک کرنے والوں سے نہ تھے۔

اہلِ کتاب یہ کہتے ہیں کہ ہدایت یہودی یا نصرانی ہونے سے ہی ممکن ہے۔ جاننے کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ کس سند پر یہ بات کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو حنیف تھے اور اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتے تھے۔ جو لوگ اب اللہ کی رضا کو مقصود جانتے ہیں، اور اس کے محبوب کو معیار جانتے ہیں، وہ ملتِ ابراہیم ہیں اور حضرت سے تعلق کے دعوے میں سچے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تو بے شہادت ہے۔

حاصل : مسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہیں۔ مشرکین سے ان کا راستہ الگ تھا۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف نازل ہوا، اور جو نازل کیا گیا ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیا گیا موسیٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو، اور جو عطا ہوا نبیوں کو ان کے رب سے۔ ہم ان کے مابین کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے، اور ہم اسی کے ماننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرمان بھی نازل ہوا وہ مخلوق کی بھلائی کے لئے تھا، اور نازل فرمانے والے علیم مطلق کی طرف سے یہ لوگوں کو دعوتِ فلاح تھی۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات بدلا نہیں کرتے۔ اس لئے اس کی طرف سے جو ماضی میں نازل ہو چکا ہے، اس پر بھی ہمارا ایمان ہے، اور جو حال پر نازل ہوا ہے، اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ جب نازل فرمانے والا اللہ وحدہٗ لاشریک ہے، جن عبادِ مخلصین پر نزول ہوا ہے ان سب کا مقصود ایک ہے، تو یقیناً وہ ایک وجود کے ارکان کا درجہ رکھتے ہیں، اور کسی ایک کا انکار فرمانِ خداوندی کا انکار ہو گا۔ ابراہیم علیہ السلام ہوں، اسماعیل علیہ السلام ہوں، اسحاق علیہ السلام ہوں، یعقوب علیہ السلام ہوں، ان کی اولاد ہو، موسیٰ علیہ السلام ہوں، عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا اور انبیاء ہوں، سب صاحبانِ حق ایک ہی وجود کے ارکان ہیں۔ ایک کو دوسرے پر فضیلت ضرور ہو سکتی ہے۔

حاصل : جمیع صاحبانِ حق کا مقصود ایک ہے اور وہ حق کی ادائیگی میں وجودِ واحد کے ارکان کی صورت رکھتے ہیں، اس لئے کسی ایک کا انکار بھی حق کا انکار ہو گا۔ حال پر بھی ایمان ہو، ماضی پر بھی ایمان ہو، تو ایمان کامل ہو گا۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ

پھر اگر وہ بھی ایمان لائیں جیسے تم لائے ہو

بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾

تو انھوں نے بھی ہدایت پائی۔ اور اگر وہ پھر جائیں، تو پھر وہی ہیں پھٹے ہوئے۔ سو اب اللہ کافی ہے تمہاری طرف سے ان کے لئے۔ اور وہی سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

جو اس طرح حق کو مان لے کہ اس کی خواہش اس پر سوار نہ ہو، جیسے مومنین مانتے ہیں، تو ناصحین سے محبت کی بدولت اسے ضرور ہدایت عطا ہوتی ہے۔ اور اگر وہ کسی ایک رکن کا بھی انکار کر دیں، تو پھر یہ ان کی خواہش اور تضاد کا ہی ثبوت ہو گا۔ تضاد جہاں بھی آئے گا، پھٹنے کی صورت بھی آئے گی۔ پھر آپ کی طرف سے اللہ انھیں سنبھال لے گا۔ وہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔ کسی کو اس کے انجام تک پہنچاتے اسے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : تضاد جہاں بھی ہو گا، پھٹنے کی صورت بھی ضرور ہو گی۔ حق کے منکر کو اس کا انکار ہی گھیر لیتا ہے۔ صاحبانِ حق سے اس کی پوچھ نہیں ہوتی۔

صِبْغَةَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ﴿١٣٨﴾

اللہ کا رنگ۔ اور اللہ سے احسن رنگ کس کا ہے۔ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

جو خواہشات کا اتباع نہ کرے، اور ناصحینِ مخلصین سے اسے محبت ہو، اس پر ان کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس رنگ کو رنگِ شہودی کہتے ہیں۔ شاہد کے رنگ کو اللہ کا رنگ کہا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ حسین اور کوئی رنگ نہیں ہو سکتا کہ اس رنگ سے بھی اکتاہٹ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کا یہی طریق ہے۔

حاصل : محبوبِ خدا کی رضا اللہ کی رضا ہے۔ اسی کو رنگِ شہودی کہتے ہیں۔ اس سے احسن کوئی رنگ نہیں۔ اللہ کی عبادت کا حق محبوبِ خدا کی طریقت سے ہی ادا ہو سکتا ہے۔

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾

فرما دیجئے، کیا تم اللہ کی نسبت ہم سے جھگڑتے ہو۔ اور وہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اور ہمارے لئے ہیں ہمارے اعمال اور تمہارے لئے ہیں تمہارے اعمال۔ اور ہم تو اسی کے لئے مخلص ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے، رب العالمین ہے، سب کو علم سے پالنے والا ہے۔ اس کے بارے میں جھگڑا کیسا، جب وہ ہے ہی وحدہٗ لاشریک۔ پھر ہر ایک کو اس کے حال کے مطابق جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ جو اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، اسے فلاحِ دارین عطا ہوتی ہے، دوسرے کو دنیا و آخرت کا خسارہ ہوتا ہے۔ جزا دینے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ جھگڑا تو اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کی رضا میں انسان کی اپنی چاہت کو دخل ہو۔ مخلص ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس کے عبادِ مخلصین کا ساتھ ہو۔

حاصل : جب تک اللہ کی رضا میں خواہشِ نفس شامل نہ ہو، جھگڑا ہوتا ہی نہیں۔ عطا بھی اسی کی طرف سے ہے، جزا بھی اسی کی طرف سے ہوگی۔ پھر جھگڑا کیسا۔ مخلصین کی معیت اخلاص کی سند ہے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد یہودی تھے یا نصاریٰ۔ فرما دیجئے، کہ تم کو سب سے بڑا علم ہے یا اللہ کو۔ اور اس سے بڑا ظالم کون جو شہادت کو چھپائے، جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہو۔ اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو عمل تم کرتے ہو۔

جو صاحبانِ حق کو اپنے ذاتی پیمانے سے جاننے کی کوشش کرتا ہے، وہ ہمیشہ اپنی خواہش کے مطابق ہی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ اس کا مقصود حق ہو، تو وہاں تک اس کی رسائی ہو۔ بیان اور شہادت کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ وہ حقائق پر مبنی ہوں۔ اللہ کے محبوبوں کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کا رنگ، اللہ کے رنگ کے علاوہ کوئی اور رنگ تھا، بڑے ظلم کی بات ہے۔ یہ سب لوگ مسلم ہی ہوئے ہیں، چاہے وہ کسی قوم سے ہوئے ہوں۔ علیم مطلق ہی سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ جس علم پر علمِ الٰہی کی شہادت موجود نہ ہو، وہ علم علمِ غیر ہے۔ میدانِ حق میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ جس کے پاس حق پہنچ چکا ہو، وہ اس کا امین ہوتا ہے۔ اور اگر وہ وقت پر اس کا اظہار نہ کرے تو وہ انتہائی ظلم کا مرتکب ہوتا ہے، کہ اپنی خواہش کو حق کے اظہار پر ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کا حال مخفی نہیں ہے۔ اور یہ بھی کسی کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اذنِ الٰہی کے خلاف اپنی منشاء کو پاسکے۔

حاصل : صاحبانِ حق کو اپنے پیمانے سے جانچنا خلافِ حق ہے۔ علم وہی حق ہے جس پر علمِ الٰہی کی شہادت ہو۔ حق کی شہادت چھپانا انتہائی ظلم ہے۔ کوئی بھی نتیجہ اذنِ الٰہی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ع ۱۶

وہ ایک اُمت تھی جو گزر چکی۔ ان کے واسطے ان کا کیا ہے اور تمہارے واسطے تمہارا کیا۔ اور تم سے سوال نہ ہو گا جو عمل وہ کرتے تھے۔

ماضی کے بارے میں قیاس آرائیوں سے حق کی ادائیگی نہیں ہو جاتی۔ جن لوگوں کو ان سے روشنی لینے کا شرف ہوا ہے ان کا دعویٰ حق ہے، اور اس کے ساتھ شہادت بھی موجود ہے۔ سچے کا اہل سچا ہی ہوتا ہے، اور سچا ہی سچے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جو پہلے لوگ کر چکے ہیں وہ ان کے واسطے ہے۔ حال پر جو لوگ توفیقِ ایزدی کو استعمال کر رہے ہیں یہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ ان کے اعمال کے یہ ذمہ دار نہیں ہیں، اس لئے ان کے بارے میں یہ جواب دہ بھی نہیں ہیں۔

حاصل : جو ہمارا ذمہ نہیں ہے، اس کے لئے جواب دہی بھی نہیں ہو گی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٦﴾

(حق میں تمہارے ساتھ جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ وہ روشن ہو چکا ہے۔ گویا وہ اپنی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں، اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

اب بے وقوف لوگ کہیں گے، کس نے ان کو ان کے قبلے سے پھیر دیا جس پر وہ تھے۔ فرما دیجئے : مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے۔ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

بے وقوف لوگ مخلصین کو نہیں مانتے، اس لئے ان میں تضاد تلاش کرنا اور ان پر طعن کرنا بھی بے وقوفوں کا شیوا ہو جاتا ہے۔ حکمت کا تقاضا تو صاحبِ حکمت جانتے ہیں۔ بے وقوف کے سامنے مخلص کے عمل میں جب بھی نیا مقام آئے گا، وہ بولے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قبلۂ اول کی طرف جسے بیت المقدس کہتے ہیں، رخ کر کے نماز قائم کرتے تھے۔ جب بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم آ گیا، بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز قائم کرنے لگے۔ شانِ تسلیم تو یہی ہے کہ علیم مطلق کے فرمان کی ادب سے تعمیل ہو۔ جب مشرق بھی اسی کا ہے جس طرف پشت ہوتی ہے، مغرب بھی اسی کا ہے جس طرف منہ ہوتا ہے، تو پھر اس میں تضاد کی تو کوئی بات نہیں۔ اللہ کا بندہ تو اپنے رب کے ساتھ ہے، وہ جہاں رکھے راضی رہتا ہے۔ اور قرب کے لئے دعا کرتا رہتا ہے۔

حاصل : بے وقوف وہ ہوتا ہے، جو مقام کو مانتا ہو، صاحبِ مقام کو نہ مانتا ہو۔ مومن کی دعا

قربِ الٰہی کے لئے ہوتی ہے۔ جہاں اللہ رکھے وہ راضی رہتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمّتِ وسطیٰ ٹھہرایا، کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہوں۔ اور ہم نے وہ قبلہ جس پر تم تھے اسی لئے ٹھہرایا تھا کہ دیکھیں کون رسول کا اتباع کرتا ہے، اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اور بے شک یہ بات بھاری تھی مگر ان پر جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان رحم فرمانے والا ہے۔

اُمّتِ وسطیٰ کی شان یہ ہے کہ حق اس کے سامنے اکمل طور پر روشن ہو، اور کسی دوسرے نبی کے آنے کا مقام ہی نہ رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "کل" ہوئے ہیں اور خاتم النبیین ہوئے ہیں۔ آپ سے پہلے تمام انبیاء "جزو" کی صورت سے آئے ہیں یا "جزوِ اعظم" کی صورت سے آئے ہیں۔ آپ سے پہلے کچھ لوگ حق کو مان لیتے تھے، کچھ نہیں مانتے تھے۔ ایک وقت کے بعد اس قوم کی طرف بھیجے ہوئے نبی کی شہادت کے مطابق فیصلہ ہو جاتا تھا۔ نہ ماننے والوں پر عذاب نازل ہو جاتا تھا اور ماننے والوں کی نجات ہو جاتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ماننے والوں کے بارے میں یہ کہہ کر کہ "لاعلمی کی بدولت ان لوگوں کو میرے ساتھ تعلق کا پتہ نہیں چلا، اور یہ نہ مانے تو ان کے بعد آنے والے مان جائیں گے" نبوت کے مقام کو پورا کر دیا، اور اس سے امت کو وسطیٰ ہونے کا شرف عطا ہوا۔ اب اس امت کی یہ شان ہے کہ یہ تمام انبیاء سابقین پر گواہ ہے، اور حضور اس پر گواہ ہیں۔ یہی امت تمام انبیاء پر ایمان رکھتی ہے کہ انھوں نے بشارت و انذار کا حق اپنے اپنے حال پر احسن صورت سے ادا کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نور اور ہدایت عطا ہوا ہے وہ ہر آن بڑھتا رہے گا۔ بیت المقدس کو قبلہ ٹھہرانے والا بھی علیم مطلق ہی تھا، اور کعبۃ اللہ کو قبلہ ٹھہرانے والا بھی اعلم ہے۔ دیکھنا یہ مقصود تھا کہ کون صاحبِ مقام کے ساتھ ہے اور کون مقام کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ جو لوگ کسی مقام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، ان کے لئے نئے مقام پر صاحبِ مقام کا ساتھ رکھنا بڑا بھاری ہو جاتا ہے۔ جو صاحبِ مقام کے ساتھ ہوتے ہیں، انھیں اللہ ہدایت فرماتا ہے۔ وہ ہر مقام، صاحبِ مقام کی معیت سے طے کرتے جاتے ہیں۔ جو صاحبِ مقام سے محبت رکھتا ہو اللہ اس کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا کہ اللہ لوگوں پر بڑا مہربان رحم فرمانے والا ہے۔ بھول کو معاف فرما دیتا ہے، خطا کو معاف فرما دیتا ہے، کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں رکھتا۔

حاصل : حق اکمل طور پر روشن ہو تو افراط و تفریط سے بچاؤ ہوتا ہے۔ مقام کے ساتھ لگ جانا صاحبِ مقام کی معیت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ہدایت صاحبِ مقام کی معیت سے ہوتی ہے۔ لوگوں کی بھول اور خطا کو معاف کر دینا چاہئے اور ان کی وسعت سے زیادہ ان پر بوجھ نہیں رکھنا چاہئے۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ہم آپ کے رُخ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں۔ تو یقیناً ہم آپ کی رضا کے قبلے کی طرف آپ کو پھیر دیں گے۔ تو اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر دیجئے، اور تم جہاں بھی ہو اپنا رُخ اسی طرف کرو۔ اور وہ جنہیں کتاب عطا ہوئی ہے، انہیں یقیناً معلوم ہے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ اس سے غافل نہیں جو عمل وہ کرتے ہیں۔

اللہ کے محبوب کی شان یہی ہے، کہ وہ اللہ کے حکم پر نظر رکھے۔ اللہ کی طرف سے جو ہو، اسی کی صورت بنتی ہے۔ کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے سے پہلے ہی ساتھ چل سکتے تھے مقام کے ساتھ لگے ہوئے لوگوں پر تو یہ بہت بھاری بات تھی۔ حکم ہو گیا، اپنا رخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر دیجئے۔ ارشاد کے مطابق تعمیل ہوئی، اور اس کے ساتھ ہی مومنین کے لئے معیار یہ ہو گیا کہ وہ جہاں بھی ہوں اپنا رخ اسی طرف کریں۔ مومنین کا رخ تو اللہ کے محبوب کا رخ ہوتا ہے۔ تحویلِ قبلہ کے بارے میں اہلِ کتاب کو یقیناً معلوم تھا اور معلوم ہے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اگر وہ اس حق کو چھپا رہے ہیں، اور بے وقوفی سے اس پر طعن کرنے لگے ہیں تو اللہ ان کے کئے سے غافل تو نہیں ہے۔ انہیں ان کے کئے کی جزا ضرور دی جائے گی۔

حاصل : محبّ کا رخ ہر مقام پر محبوب کا ہو۔ حق کی شہادت کو چھپانا برا عمل ہے۔

وَلَىِٕنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ

اور اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس ساری نشانیاں بھی لے آئیں، وہ آپ کے قبلے کا اتباع نہیں کریں گے۔ اور نہ آپ ان کے قبلے کا اتباع کریں۔ اور وہ ایک دوسرے کے قبلے کے بھی تابع نہیں۔ اور اگر علم آ جانے کے بعد تم ان کی خواہشات کا

أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٥﴾

اتباع کرو تو یقیناً ظالمین سے ہو گے۔

جس کا رخ اس کی خواہشات کے تابع ہو، اسے حق کی جو نشانیاں بھی دکھادی جائیں وہ مانا نہیں کرتا۔ صاحبِ حق کے لئے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی کی خواہش کا اتباع کرے۔ پھر اہلِ کتاب ایک دوسرے کے قبلے کے بھی تو تابع نہیں۔ یہ لوگ اپنا اپنا تشخص برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیت المقدس کے جزو کو مانتے ہیں، اور جو ایک کو مانتے ہیں وہ دوسرے کا انکار بھی کرتے ہیں۔ جب آپس میں بھی یہ قبلے کے اعتبار سے ایک نہیں ہیں، تو ان کی بات بے معنی ہو جاتی ہے۔ اب اگر علم ہو جانے کے بعد، کوئی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی بجائے اہلِ کتاب کو راضی کرنے کے لئے ان کی خواہشات کا اتباع کرے، تو یہ صریحاً ظلم ہو گا۔

حاصل : جس کا رخ خواہشات کے اتباع کا ہو، وہ کسی بھی نشانی کو نہیں مانتا۔ جب اعتراض کرنے والوں کے اندر بھی تضاد ہو تو اعتراض بے معنی ہو جاتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مقابل جو کسی کی خواہشات کا اتباع کرے، وہ ظالموں سے ہوتا ہے۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤٦﴾

ہم نے جنہیں کتاب عطا فرمائی ہے، وہ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان کا ایک فریق یقیناً حق کو چھپاتا ہے اور انہیں معلوم ہے۔

اہلِ کتاب تحویلِ قبلہ سے کسی شک میں مبتلا نہیں ہوئے۔ یہ حضور کو ایک ایک نشانی سے پہچانتے ہیں۔ جیسے بیٹوں کے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کرتے۔ ویسے ہی حضور کے پہچاننے میں انہیں کوئی شک نہیں۔ اپنی خواہشات کا اتباع کرنے کی وجہ سے ان کا ایک فریق حق کو چھپاتا ہے جان بوجھ کر، اور یہ قبولِ حق کے مقابل اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہیں۔

حاصل : قبولِ حق کے مقابل جہاں اپنا تشخص برقرار رکھنا زیادہ ضروری معلوم ہو، وہاں حق کا چھپانا جان بوجھ کر ہو گا۔

الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾

حق تمہارے رب ہی کی طرف سے ہے، تو شک لانے والوں میں سے نہ ہو۔

حق کسی کی خواہشات سے تعلق نہیں رکھتا۔ رب العالمین کی طرف سے ہے، اور لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ رب العالمین تو احتیاج سے پاک ہے۔ جس کی بات ماننے سے ماننے والوں کو ہی فائدہ پہنچے، اور وہ کوئی چاہت نہ رکھتا ہو، اس کے فرمان میں شک کرنے والا حق سے پھٹ جاتا ہے اور دور جا پڑتا ہے خسارے میں۔

حاصل : جس کی بات لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو، اور خواہش سے پاک ہو، اس میں شک کرنے والا حق سے ہٹ کر دور جا پڑتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے :

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

[اور جس دن ہم ہر امت میں ان پر انہی میں سے گواہ اٹھائیں گے، اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب، ہر شے کو روشن بیان کرنے والی، نازل فرمائی، اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کے لئے۔]

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک سمت ہے جدھر وہ رُخ کرتا ہے، تو بھلائیوں میں سبقت کرو۔ تم کہیں ہو، اللہ تم سب کو اکٹھا لے آئے گا۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

توجہ کے لئے ایک سمت تو ہوتی ہی ہے، اور کوئی ایک رخ ضرور اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اگر رخ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ہو، تو بھلائیوں میں سبقت ہوگی اور اگر اس کے خلاف ہو، تو صورت غیر ہوگی۔ حاصل بھی غیر ہی ہوگا۔ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی یقینی ہے کہ بھیجنے والا وہی ہے۔ کوئی بھی حالت اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ جب واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف یقینی ہے اور اس کے خلاف کرنا کسی کے بس کی بات نہیں، تو پھر خوشی سے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے کہ یہ اللہ کے نزدیک صداقت کی سند ہے۔

حاصل : جب واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف یقینی ہے، تو پھر فلاح اسی میں ہے کہ بھلائیوں میں سبقت کی جائے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ

اور جہاں سے آؤ اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف کرو۔ اور بے شک یہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ اور اللہ

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ تمہارے عملوں سے غافل نہیں۔

مسجدِ حرام کی مرکزیت رب العالمین کے حکم سے ہے۔ مقام کوئی ہو اسی مرکز کی طرف رخ کرنے سے جماعت کے ساتھ ہونے کا ثبوت ملے گا، اور عمل کے ایک ہونے کا ثبوت ملے گا۔ جب تک رخ ایک نہ ہو عمل ایک ہو ہی نہیں سکتا، اور کسی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔

حاصل : رخ ایک ہو، تو عمل ایک ہی ہو سکتا ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور تم جہاں سے آؤ اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنا رخ اسی کی طرف کرو کہ لوگوں کو تم پر کوئی حجّت نہ رہے، مگر جو ان میں سے ظالم ہیں۔ تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ اور اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں، اور تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

حرکت کے وقت بھی جماعت کا ساتھ رہے، اور سکون کے وقت بھی جماعت کا ساتھ رہے، تو یہ ہوتا ہے تعلقِ تام۔ اور یہی تعلقِ تام عدمِ تضاد کا ثبوت ہوتا ہے۔ جب ہر مقام پر حرکت کے وقت رخ شاہد کے اتباع کا ہو، اور سکون کے وقت بھی رخ اسی کے اتباع کا ہو تو لوگوں کی کوئی حجّت باقی نہ رہے گی۔ جن لوگوں کی بات ان کی خواہشات کے تحت ہوتی ہے، وہ ظالم ہیں۔ ان سے ڈرنا اور ان کے اعتراض کو وقعت دینا خلافِ حق ہے۔ جب اہلِ کتاب پر تحویلِ قبلہ کا یہ حال روشن ہے تو اس شانِ مرکزیت کو قائم کرنے سے ہی ان پر صداقت روشن ہوگی۔ خلوت و جلوت میں جو اللہ کے محبوب کے اتباع کے دعوے میں پورا رہے اس پر مزید انعام ہوتا ہے، آسانیاں عطا ہوتی ہیں، اور ہدایت ملتی ہے۔ ہدایت حیات دنیا میں سیدھے اور سچے رہنے کا انعام ہے اور حاصل ہے۔

حاصل : حرکت و سکون میں رخ شاہد کے اتباع کا ہو، تو لوگوں کی کوئی حجّت باقی نہ رہے گی، کہ حضور کا رخ تو معیار ہے۔ بے علم کا اعتراض بے وقعت ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرنا حق ہے، کہ جزا دینے والا وہی ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ جیسا کہ ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک

يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

رسول بھیجا، کہ تم پر ہماری آیات تلاوت فرماتا ہے، اور تمھیں پاک کرتا ہے، اور تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمھیں وہ تعلیم دیتا ہے جس کا تمھیں علم نہ تھا۔

البقرہ ۱۲۹ P-67

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھاتے وقت دعا کی تھی کہ ان کی ذرّیت سے ایک رسول مبعوث فرمایا جائے جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرے، انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک کرے۔ بے شک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔ دعا کو شرفِ قبولیت بخشا گیا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی آپ کی دعا کا حاصل ہوئے۔ جن کی اصلاح مقصود ہو، معیار ان کے سامنے ہمہ وقتی موجود رہنا چاہئے۔ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو۔ کتاب کی تعلیم یہ ہے کہ احکامِ خداوندی کی بجا آوری واضح ہو۔ حکمت کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا علم ہو۔ یہ علم پہلے نہیں تھا کسی کو، کہ خلافِ حق کرنے والے کی لاعلمی پر شہادت دینے سے اس کا بچاؤ ہو جاتا ہے۔ اس سے معافی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور، دیر چاہے لگ جائے، رحمت کی شاخ اس سے پھوٹتی ضرور ہے۔

حاصل : حکم اللہ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو۔ جسے اللہ کا محبوب پاک کرے اس کی بسم اللہ عمل سے ہوتی ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم سے صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

تو میرا ذکر کرو میں تمہارا کروں گا، اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنا بندے کا حق ہے۔ ذکر کرنے والا حضور کا اُمتی ہو جاتا ہے۔ ذکر کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے نام کو بلند کرتا ہے۔ شکر یہ ہے کہ اللہ کے محبوب پر درود بھیجا جائے۔ درودِ پاک پڑھنے والا اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اور شاکر ہو جاتا ہے۔ حضور کے قربیٰ سے مؤدۃ نہ ہو تو یہ ناشکری ہو گی۔

حاصل : ذکر کرنے والا حضور کا اُمتی، اور درودِ پاک پڑھنے والا اللہ کا شاکر بندہ بن جاتا ہے۔ حضور کے قربیٰ سے مؤدت ہی ناشکری سے بچنے کی صورت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

[بے شک تمہارے پاس تمھیں میں سے وہ رسول تشریف لائے، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مومنین کے ساتھ نہایت مہربان، رحم کرنے والے۔]

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو، صبر اور نماز سے استعانت لو۔ بے شک اللہ کی معیت صابرین کو حاصل ہوتی ہے۔

ہونا اور نہ ہونا دو مقامات ہیں۔ دونوں مقامات پر پورا رہنا صداقت کی سند ہے۔ ہونے کا مقام شکریے سے اور نہ ہونے کا مقام صبر سے طے ہو تو حق ادا ہوتا ہے۔ نہ ہونے کے مقام پر علیم مطلق کی عطا کو مزید علم عطا ہونے کی صورت جانا جائے تو یہ صبر ہے۔ صابرین کا ساتھ رکھا جائے تو یہ صبر سے مدد لینا ہے، کہ صابرین اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہیں۔ نماز سے استعانت یہ ہے کہ رخ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا رہے، اور صفائی موجود رہے۔ جو نہ ہونے کے مقام پر بھی حق پر رہے معیتِ حق کا انعام ضرور پاتا ہے۔

حاصل : صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ مصائب و آلام آسانی سے گزر جاتے ہیں اور معیتِ حق کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾

جو اللہ کی راہ میں قربان ہو جائیں انہیں مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ولیکن تمہیں شعور نہیں۔

اللہ کی راہ میں قربان ہونے والا اپنے آپ کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیتا ہے، اور اس طرح "الحق" کی معیت کا شرف پالیتا ہے۔ موت اس کے لئے وصال کا دروازہ ہوتی ہے۔ اسی معیت کا نام زندگی ہے۔ جو لوگ معیت حق سے حاصل ہونے والی زندگی کو نہیں جانتے انہیں شعور نہیں۔ جان قربان کرنے والا اتنا بڑا مرتبہ پالیتا ہے اللہ تعالیٰ کے دربار میں، کہ اس کا سب کچھ مقبول ہو جاتا ہے۔

حاصل : اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والے کا سب کچھ مقبول ہو جاتا ہے۔ زندگی نام ہی معیتِ حق کا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۵﴾

اور ضرور ہم تمہیں دیکھیں گے خوف سے اور بھوک سے، اور اموال اور انفس اور ثمرات کی کمی سے۔ اور صابرین کو بشارت دیجئے۔

مقامِ صبر پر پورا ہونے کا ثبوت صرف قول سے نہیں ہو سکتا۔ پہلا ثبوت۔ خوف کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے۔ اس طرح کہ ناپسندیدہ نتیجے کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو مانا جائے۔ اس یقین کے ساتھ کہ نتیجہ بإذن اللہ ہی ہے اس لئے

کسی دوسرے کا خوف کیوں ہو۔ دوسرا ثبوت: بھوک کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے۔ صابر کو تو یہ یقین رہتا ہے کہ عطا سب منجانب اللہ ہے۔ اس لئے اگر کمی ہو جائے تو بھی وہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ اس کے وجود کی اصلاح اسی طرح ممکن ہے کہ اسے بھوکا رکھا جائے اور جب بھوک درکار نہ رہے گی تو علیمِ مطلق کے پاس کسی شے کی کمی تو ہے نہیں، نہ کسی سے اسے اجازت لینی پڑتی ہے۔ وہ جو بھی عطا فرمائے گا، علم سے فرمائے گا۔ اور اس کا جواب نہیں ہوگا۔ تیسرا ثبوت: اموال کی کمی کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے۔ وہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید علم عطا کرنا مقصود ہے۔ مقصود پر نظر ہو تو پریشانی سے نجات ہو جاتی ہے۔ چوتھا ثبوت: انفس کی کمی کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے۔ جانیں کم ہو جائیں تو بھی شکایت کا کلمہ زبان پر نہیں آتا۔ نتائج کو باذن اللہ اور نصرتِ ایزدی کے ساتھ ہی مانا جائے تو حق ادا ہوتا ہے۔ عددی قوت کو نتیجے کا باعث نہ ماننا صبر کی ایک سند ہے۔ پانچواں ثبوت: ثمرات کی کمی کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے کہ ثمرات کی کمی کے باوجود بھی حق داروں کا حق بدستور دیا جائے، اور وحدانیت برقرار رہے۔ ان پانچوں مقامات پر پورا رہنے والے صابرین کے لئے بشارت ہے۔ انہیں معیتِ حق کا انعام ملتا ہے، حاصل جس کا فلاحِ دارین ہے۔

حاصل: خوف سے، بھوک سے، اموال، انفس اور ثمرات کی کمی سے صبر کو دیکھا جاتا ہے۔ جو ان پانچوں مقامات پر پورا رہے، اس صابر کو فلاح کی بشارت ملتی ہے۔

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے، کہتے ہیں، ہم اللہ ہی کے ہیں، اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

صابرین کی شان یہ ہے کہ انہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں، ہم اللہ ہی کے ہیں، اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ ہمارا بھیجنے والا علیمِ مطلق ہے، توفیق دینے والا معطیءِ مطلق بھی وہی ہے۔ واپسی بھی اسی کی طرف ہوگی، اس لئے ان کا رخ اسی قادرِ مطلق کی رضا کا رہتا ہے۔

حاصل: جس کی طرف سے آئے ہیں، اسی کی طرف جانا ہوگا۔ آنے اور جانے کے درمیان جو وقت ہمیں اپنی صداقت کے ثابت کرنے کے لئے میسّر ہے، اس میں رخ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا رہنا چاہیے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی صلواۃ ہیں، اور رحمت ہے، اور یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔

یہ لوگ جو مصائب پر صبر کرتے ہیں، مالکِ حقیقی کا رخ رکھتے ہیں، شکایت کے کلمات سے بالا رہتے ہیں۔ ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے عنایات ہوتی ہیں۔ انہیں تائیدِ ایزدی ملتی ہے۔ رحمتِ خداوندی انہیں گھیرے رکھتی ہے۔ ان کا چھوٹا سا

عمل بھی اللہ تعالٰی کے دربار میں بڑی شان رکھتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے انہی لوگوں کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔

حاصل : اللہ تعالٰی کے دربار میں سچا ثابت ہونے والوں پر عنایات اور رحمت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ ہونے کے بعد نہ ہونے کے مقام پر پورا رہنے سے ہدایت یافتہ ہونے کی سند ملتی ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

بے شک صفا مروہ اللہ کے شعائر سے ہیں۔ تو جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اسے کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں میں پھیرے کرے۔ اور جو بھلائی اپنی خوشی سے کرے، تو بے شک اللہ شاکر علم والا ہے۔

صفا اور مروہ ان لوگوں کے قدم کی بدولت جن پر اللہ تعالٰی کی طرف سے صلوٰۃ ہیں، رحمت ہے، جن کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند ہے، اللہ تعالٰی کے شعائر سے ہیں۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ "سعی" کرتی رہیں۔ ان کا عمل اس قدر مقبول ہوا کہ یہ دونوں مقامات اللہ تعالٰی کے نشانوں میں سے ہیں۔ حج کا موقع ہو یا عمرہ کا، صفا و مروہ کے درمیان سعی لازم ہے۔ عمرہ کے لئے عرفات میں جانے کی شرط نہیں۔ اللہ کے مقبول بندوں کی سنّت اگر لوگوں کی کم علمی کی بدولت اصلی صورت سے بڑھ جائے یا کم ہو جائے، تو علم والوں پر اس کے احیاء کا حق ہے۔ اس کی اصلیت کو روشن کرنا ضروری ہے۔ کم علم لوگوں میں شمار کیے جانے کے خوف سے اچھے عمل کو ترک کرنا حق نہیں ہے۔ بھلائی یہ ہے کہ رخ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ہو، اور اس کی عطا کردہ توفیق کو ایسے مقامات پر اس کی رضا پر لگایا جائے جن پر پہلے مخلصین کے نقوشِ قدم واضح نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں مخلصین کے قدم سے روشنی پھیلتی ہے۔ ایسے لوگوں کی اللہ تعالٰی کے نزدیک بڑی قدر و منزلت ہے۔ اعلم سے بڑا جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ جس کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند موجود ہو، اس کا قدم مستند ہوتا ہے، اور اس کے قدم سے راستہ روشن ہوتا جاتا ہے۔

حاصل : مخلص کے قدم سے راستہ روشن ہوتا جاتا ہے۔ صفا اور مروہ کی سعی، حج و عمرہ میں لازم ہے۔ ہدایت یافتہ لوگوں کی بدولت قدر و منزلت اور علم بڑھتا رہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ

بے شک جو لوگ ہماری نازل فرمائی ہوئی بینات کو اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اسے کتاب میں واضح فرما چکے، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور

أُولَٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ ٱللَّهُ وَيَلۡعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾

لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں کو چھپانے والے جن سے لوگوں کو حق کا راستہ ملے، اور ہدایت کی روشنی کو چھپانے والے لعنتی ہوتے ہیں۔ لعنتی وہ ہوتا ہے، جو خود بھی خلافِ حق کرے اور دوسروں کا راستہ بھی روکے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی پاک جماعت کی لعنت ہوتی ہے۔

حاصل : حق اور بھلائی کا چھپانے والا لعنتی ہوتا ہے۔ برائی کرنا اور دوسروں کو برائی پر لگانے کا اہتمام کرنا، لعنتی کی نشانی ہے۔ لعنت کرنے والے کا پاک ہونا شرط ہے۔

إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُواْ وَأَصۡلَحُواْ وَبَيَّنُواْ فَأُوْلَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيۡهِمۡ ۚ وَأَنَا ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

مگر وہ جو توبہ کریں اور اصلاح لیں اور روشن کر دیں تو ان پر توجہ کرتا ہوں۔ اور میں بڑا توجہ کرنے والا، رحم فرمانے والا ہوں۔

حق کو چھپانے والے، اور دوسروں کا راستہ روکنے والے جب تائب ہو جائیں، برے راستے کو چھوڑ دیں، صالحین سے اصلاح لیں، اور حق کو روشن کر دیں، تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توجہ کے لائق ہو جاتے ہیں۔ وہ رحم سے ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ برائی کی وجہ سے کوئی برا ہوتا ہے، برائی دور ہو جانے کے بعد اس پر رحم نہ کرنا معیتِ حق کا ثبوت نہیں ہے۔

حاصل : توبہ کرنے اور اصلاح لینے اور حق کو روشن کرنے سے، اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور رحم فرماتا ہے۔ جو برائی سے پاک ہو جائے اس سے دوری معیتِ حق کا ثبوت نہیں ہوتا۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَمَاتُواْ وَهُمۡ كُفَّارٌ أُوْلَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ ٱللَّهِ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ وَٱلنَّاسِ أَجۡمَعِينَ ﴿١٦١﴾

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ملائکہ کی اور لوگوں کی، اکٹھی۔

جو لوگ حق کا انکار کریں، اور حالتِ انکار ہی پر مر جائیں۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے، ملائکہ کی لعنت ہے، اور لوگوں کی لعنت ہے اکٹھی۔ یہ لوگ اللہ کے فرمان کی خلاف ورزی کی بدولت ملعون ہوئے۔ حق کے ماننے والے ان سے واسطہ نہیں رکھتے۔

حاصل : حق کے منکر کے ساتھ واسطہ نہیں رکھنا چاہیے۔ اس زندگی میں بھی اور ان کی موت کے بعد بھی۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان پر نہ عذاب خفیف ہو گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

جو لوگ حالت کفر پر اس دنیا سے لوٹیں وہ لعنتی ہیں۔ ان پر دائمی لعنت ہے۔ لعنت کی حقیقت دوری ہے۔ دوری کی حقیقت عذاب ہے۔ لعنتی پر نہ تو عذاب ہلکا ہو گا، نہ ہی اسے مہلت دی جائے گی۔

حاصل : ہر آن مسلمان رہنا چاہئے۔ بلاوا کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع ۱۹ ۱۱ ۳

اور تمہارا معبود الٰہ واحد ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی الرحمٰن الرحیم ہے۔

خالقِ کل، معطیِ مطلق اور قادرِ مطلق ہی معبود ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ عطا بھی سب اسی کی طرف سے ہوئی ہے۔ جزا بھی اسی معبود لاشریک کی طرف سے ہو گی۔ وہ لوگوں کو اپنے رحم سے نوازتا ہے۔ اگر کوئی اصلاح کی حد سے دور جا رہا ہو تو الرحمٰن اس پر ایسی صورت مسلط کر دیتا ہے کہ وہ اپنے تجربے کی بنا پر معبودِ لاشریک کو ماننے لگتا ہے۔ جب وہ اصلاح کو قبول کرے، اور صالحین کی معیت میں رہے تو پھر اس پر رحم ہی رحم ہوتا ہے۔

حاصل : معبود ایک ہی ہے۔ دور ہونے والوں کو ان کے تجربات کی بنا پر قریب ہونے کی توفیق دیتا ہے۔ قریب ہونے والوں پر بے حساب رحم کرتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالٰی نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے :

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ۭ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

[سن لو بے شک اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور کس کا اتباع کر رہے ہیں، وہ جو اللہ کے مقابل شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ وہ تو اپنے ظن ہی کا اتباع کر رہے ہیں، اور وہ اٹکلیں ہی دوڑا رہے ہیں۔]

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل و نہار کے اختلاف، اور کشتی کہ بحر میں لوگوں کے نفع کو چلتی ہے، اور جو اللہ نے

النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو زندہ کر دیا بعد اس کے کہ وہ مر چکی تھی، اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے بدلنے میں، اور بادل جو آسمان اور زمین کے مابین مسخر ہیں ان میں یقیناً عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق ایک خالق کی مظہر ہے۔ رات اور دن کا فرق بھی ایک خالق کا مظہر ہے۔ یہ بنیاد جس پر ہم کھڑے ہوتے ہیں اور وہ وقت جو ہمارے کام آتا ہے، خالقِ کل کی عطا ہے۔ خالق کل اتنے بڑے علم والا ہے کہ اس نے کوئی شے بے مقصد نہیں بنائی، جو بھی بنایا ہے لوگوں کے فائدے کے لئے بنایا ہے، اور اجر کا سوال بھی نہیں کرتا۔ کشتی کے ارکان بھی اسی نے پیدا کئے، جس بحر میں لوگوں کے نفع کو وہ چلتی ہے وہ بھی اسی کی تخلیق ہے۔ جو نعمتیں لائی اور لے جائی جاتی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ زمین کی قوتِ روئیدگی کا تعلق زیرِ زمین پانی کی ایک خاص سطح سے ہے، اور جب زمین کی روئیدگی کا فعل معطل ہو جائے تو انسان کی تجویز سے اس کی زندگی کے لوازمات میسر نہیں آتے۔ مردہ زمین کو زندہ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آسمان سے پانی نازل فرما کر وہ اس کے فعل کو بحال کر دیتا ہے۔ زمین کے فعل کو اعتدال پر رکھنے کے لئے اس میں سب جانور پھیلائے گئے ہیں۔ ایک بھی بے مقصد نہیں ہے۔ جن جانوروں کی افادیت لوگوں کے علم میں ہو انہیں دوست جانتے ہیں، دوسروں کو دشمن۔ جو جانور انسانی استعمال کی چیزیں کھاتے ہیں وہ بھی بے بدل خدمت انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ جب ان کی خدمت بھی روشن ہو جائے، تو قربِ خداوندی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اور ہواؤں کا رخ اگر ایک ہی رہے، تو یہ بھی عذاب کی ایک صورت ہوتی ہے۔ ہواؤں کے رخ کا بدلنا خالقِ کل کی شان ہے۔ ایک وقت پر مسلسل ایک رخ پر چلنے والی ہوا کے لئے واحد کا صیغہ ہوتا ہے۔ ہواؤں کے رخ بدلنے سے زندگی کا عمل آگے بڑھتا رہتا ہے۔ پھر بادلوں کے آسمانوں اور زمین کے مابین مسخر ہونے کی صورت ہے۔ مقام کے اعتبار سے، ہوا کی سواری پر ہونے کے اعتبار سے۔ اور بننے سے برسنے تک سارے مراحل میں بادل خالق مطلق کے مظہر ہیں۔ جب زندگی کے سارے ارکان ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، تو پھر عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ آسمان اور زمین میں، لیل و نہار میں، نعمتوں کے نقل و حمل میں، زمین کے استعمال میں، جانوروں سے خدمت لینے میں، ہواؤں اور بادل سے فوائد حاصل کرنے میں، رخ اللہ تعالیٰ کا رہے۔ اس کی عطا وقتی ہو یا اجل مسمّی تک ہو اپنا جواب نہیں رکھتی۔

حاصل : عطائے خداوندی دائمی ہو یا وقتی، پورے علم سے ہوتی ہے، اور عقل مند کے لئے باعثِ قرب ہوتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ

اور کچھ اللہ کے مقابل والوں کو اخذ کرتے ہیں، اور اللہ کی حبّ کی طرح ان سے حبّ رکھتے ہیں۔ اور ایمان والوں کو اللہ کی حبّ

كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

ہی اشد ہوتی ہے۔ اور اگر یہ ظالم اسے دیکھیں جب عذاب ان کے سامنے آئے گا، کہ قوت سب اللہ ہی کی ہے، اور یہ کہ اللہ کا عذاب شدید ہے۔

جو لوگ اسباب تک ہی نظر رکھتے ہیں، وہ منکرینِ حق کو ماننے لگتے ہیں۔ کہ مطلوب جس کے ہاتھ میں نظر آئے وہی ان کا مقصود ہوتا ہے۔ وہ اسے معطیٔ مطلق کی طرح ماننے لگتے ہیں۔ یہ خلافِ حق ہے۔ ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کی حب اشد رکھتے ہیں۔ حکم اللہ تعالیٰ کا مانتے ہیں، اور اللہ کے محبوب کے نقشِ قدم پر رہتے ہیں۔ اس طرح ان کا قول عمل کی شہادت سے سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ جب تک شاہد کی کامل معیت نہ ہو، اللہ کی حب کے اشد ہونے کی کوئی سند نہیں ہوتی۔ اسباب تک نظر رکھنے والے یہ دیکھیں کہ اسباب کا خاتمہ ضرور ہو گا۔ پھر اسباب کو خلافِ حق استعمال کرنے کا حساب بھی ہو گا۔ اس وقت مہلت بھی پوری ہو چکی ہوگی۔ قوت اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی، جزا دینے والا بھی وہی ہے، اس کا عذاب بھی شدید ہے۔

حاصل : جس کو اللہ کی حب اشد نہ ہو، وہ عذابِ شدید کی طرف بڑھ رہا ہے۔ قوت سب جزا دینے والے کی ہی ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾

جب بےزار ہوں گے پیروی کرانے والے اپنے پیروی کرنے والوں سے، اور دیکھیں گے عذاب، اور اسباب ان سے قطع ہو جائیں گے۔

جو لوگ اسباب کی موجودگی کی بدولت دوسروں سے پیروی کراتے ہیں، وہ اسباب کی حد تک اپنی غرض و غایت کے تحت اپنا اتباع کرنے والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے لئے اسباب کے خاتمے پر بےزاری کا پیدا ہونا یقینی ہوتا ہے۔ اور جب اسباب کو اپنی خواہشات پر لگانے کے نتیجے میں عذاب سامنے آ جائے، تو دوستی دشمنی میں بدل جاتی ہے۔

حاصل : اسباب کو جہاں اپنی خواہشات پر لگایا جائے، اس کا حاصل بےزاری اور دشمنی ہی ہوا کرتا ہے، کہ اسباب کو دوام نہیں ہوتا۔ مسبب الاسباب کی حب اشد ہو تو دائمی تعلق رہتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ

اور پیروی کرنے والے کہیں گے، اگر ہمیں لوٹ کر جانا ہو تو ہم بھی ان سے بیزاری کریں جیسے یہ ہم سے بےزار ہوئے۔ اللہ اسی طرح انہیں ان کے اعمال

ع۲۰ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

کی حسرتیں دکھائے گا۔ اور وہ آگ سے نکلنے والے نہیں۔

اسباب سے چمٹنے والے جب اسباب کی بدولت اپنے محکوم بنانے والوں کی بے زاری دیکھیں گے، تو وہ بھی کہیں گے : اگر ہمیں لوٹ کر دنیا میں جانا ہو، کچھ مہلت ملے، تو ہم بھی ان لوگوں سے بے زاری کا اظہار کریں، جیسے یہ ہم سے بے زار ہیں۔ یہ ان لوگوں کے اعمال کا حاصل ہو گا، جو حسرتوں کی صورت میں ان پر وارد ہو گا، کہ عمل کے لئے مزید توفیق تو ملے گی نہیں، اور ان کے سچے ثابت ہونے کا امکان بھی نہ ہو گا۔ ان کے اعمال کا نتیجہ آگ کی صورت میں انہیں گھیرے گا، جس سے نکلنا ان کے بس کی بات ہی نہیں۔

حاصل : اسباب سے چمٹ کر پیروی ہمیشہ غیر کی ہو گی، اور غیر ہی کرے گا۔ مومن کا منشاء مسبب الاسباب کی رضا اور مخلصین کا اتباع ہوتا ہے۔ اسباب پر قائم ہونے والے تعلقات حسرت پر ہی منتج ہوتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾

[جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کی حفاظت کو نہیں بھیجا۔]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾

اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال طیب ہے، اور شیطان کے خطوات کا اتباع نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہی سب اشیاء بنائی ہیں۔ تحلیل و تحریم کی حدود بھی اسی نے مقرر فرمائی ہیں۔ یہ حدود لوگوں کی بھلائی کے لئے ہیں۔ اللہ کی نعمتیں حصول سے استعمال تک اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ حدود اللہ کا احترام قائم رہے۔ ان تمام مقامات پر رخ خیر کا ہو گا تو اللہ کے محبوب کا اتباع ہو گا، ورنہ شیطان کے گھیرے سے بچ رہنا ناممکن ہو گا۔ جس کا منشاء ہی انسانی دشمنی ہو، اس کے قدم کے خلاف رہنا ہی سلامتی کی علامت ہو گی۔

حاصل : عدوٌ مبین کے قدم کے خلاف رہنا صحت کی علامت ہے۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

وہ تو تمہیں برائی اور فحش ہی کا امر کرے گا، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر وہ کہو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

عطائے خداوندی کو غیر کے ہاتھ سے لینے کا امر شیطان کا پہلا امر ہوتا ہے۔ وہ نفس کو احساس دلاتا ہے کہ اپنا فائدہ ملحوظ رکھو، اور یہ بتاتا ہے کہ تمہیں عطا کچھ نہیں ہو گا بلکہ چھیننا پڑے گا۔ اس کے ساتھ برائی اور بے حیائی دونوں لازمی قرار پائیں گی۔ اس طرح انسان نہ اپنے ساتھ پورا رہے گا نہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنی خواہش کے تحت اپنا گمان بیان کرنے لگے گا، اور یہ معیارِ حق کو اپنی چاہت کے مطابق بنانے کی کوشش ہوگی۔ اللہ کے بارے میں علم سے بولنے کی صورت یہ ہے کہ خوف و حزن سے نجات ہو جانے کی صورت میں لوگوں کے سامنے اپنا حال بیان کیا جائے۔

حاصل : شیطان کا اتباع کرنے والا اپنے ساتھ بھی پورا نہ رہے گا، اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھی پورا نہ رہے گا، اور معیارِ حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش بھی کرے گا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾

اور جب انہیں فرمایا جائے، اس کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، کہتے ہیں، ہم تو اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے آباء بے عقل ہوں اور بےہدایت ہوں۔

جو لوگ شیطان کے قدموں پر چلتے ہیں اور من مانی کرتے پھرتے ہیں، جب ان سے فرمایا جائے کہ اللہ کے فرمان کو مانو، اس کے عبادِ مخلصین کے قدموں پر چلو، تو وہ کہتے ہیں، ہم تو اپنے آباء و اجداد کے قدموں پر ہی چلیں گے، ہمارے لئے وہی معیار ہیں۔ معیار تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہو تو حق ہوتا ہے۔ معیاری ہونے کے لئے معیار کا کامل اتباع لازم ہے۔ کامل اتباع کے لئے عقل اور ہدایت شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔ عقل مندی یہ ہے کہ خالقِ کل کے علم کو ہی باعثِ فلاح مانا جائے اور اس کے مقابل حق سے دور کرنے والے علم کا انکار ہو۔ ہدایت یہ ہے کہ مخلصین سے خاص محبت ہو۔ اگر یہ دونوں صورتیں عقل اور ہدایت کی موجود ہوں تو ایسے لوگوں کے اتباع سے یقیناً فائدہ ہوتا ہے، لیکن ہوتا حال ہی سے ہے۔ اس لئے کہ ماضی کی فضیلت تبھی ہے جب حال اس کا شاہد ہو۔ جو لوگ اپنی پسند کو معیار بنا لیتے ہیں ان کا کسی صحیح نتیجے پر پہنچنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

حاصل : قابلِ اتباع وہ ہے، جو حق کے قریب کرنے والے علم کو مانتا ہے، حق سے دور کرنے والے علم کا انکار کر کے عقل مندی کا ثبوت دیتا ہے، اور مخلصین سے محبت رکھتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ

اور مثال ان کافروں کی ایسی ہے، جیسے پکارے کوئی شخص کسی کو کہ سوائے پکارنے اور بلانے کے کچھ نہ سنے۔ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، تو وہ عقل نہیں

فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۷۱﴾ کرتے۔

کافروں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسی کو پکارنے والا تو دعوتِ فلاح دے رہا ہو، جس کو پکارا جارہا ہو وہ صرف یہی سمجھتا ہو کہ اسے کوئی بلا رہا ہے اور بس۔ جو کان خواہشاتِ نفس سے لگے ہوں وہ بہرے ہیں، جو زبان خواہشاتِ نفس کے تابع ہو وہ گونگی ہے، اور جو آنکھیں خواہشاتِ نفس کے تحت دیکھیں وہ اندھی ہیں۔ عقل مندی یہ ہے کہ اس کی سنی جائے جس کی بات اللہ کی بات ہو، وہ بیان کی جائے جس سے فائدہ پہنچ چکا ہو، اور دیکھا محبوبِ الٰہی کے قدم کو جائے۔ قویٰ کا رضائے الٰہی کے خلاف استعمال بے عقلی ہے۔

حاصل : جس کی بات اللہ کی بات ہو اس کی بات کا سننا، اور جس سے فائدہ ہو چکا ہو اس حال کا بیان کرنا، اور نظر شاہد کے قدم پر رکھنا یہ عقل مندی ہے۔ کافر عقل نہیں کرتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۷۲﴾

اے ایمان والو، طیبات سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں رزق دیا، اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

طیبات وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال فرمائی گئی ہیں۔ عطا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ایمان والوں کو۔ وہ رضائے الٰہی کے لئے اور اس کے فضل کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں۔ پھر جو رزق ملے اسے صرف اپنے لئے ہی نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں عمل سے، کہ وہ رزق حق داروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ یہ شانِ بندگی ہے۔

حاصل : شانِ بندگی یہ ہے، کہ حدود اللہ کا احترام ہو، عطا کو منجانب اللہ جانا جائے، اور رضائے الٰہی کے لئے کھایا بھی جائے کھلایا بھی جائے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾

اس نے تم پر یہی حرام کئے ہیں : مردار، اور خون، اور خنزیر کا گوشت، اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ پھر جو اضطرار میں ہو، نہ تو خواہش سے کھائے اور نہ زیادتی کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تحریم فرمائی گئی ہے وہ ہے مردار، اور خون، اور خنزیر کا گوشت، اور جس پر اللہ کا نام ذبح کرتے

ہوئے نہ لیا جائے۔ جس کی جان بغیر تکبیر کے جائے وہ مردار ہے۔ خون وہ ہے جو بہہ چکا ہو رگوں سے، اس لئے گوشت کو دھو کر استعمال کیا جائے تو حدود اللہ کے احترام کا ثبوت ملتا ہے۔ خنزیر ایک چوپایہ ہے، جس کا گوشت حرام فرمایا گیا ہے۔ اس کے گوشت کے کھانے والے بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شہوت انہیں آدمیت کی سطح سے گرا دیتی ہے۔ جس جانور پر غیر اللہ کا نام لے لیا جائے وہ شرک کے عمل کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے۔ اضطرار کی حالت وہ ہوتی ہے کہ آدمی بھوک کے برداشت کرنے کی حد سے اپنے آپ کو گزرتا ہوا دیکھے، اس وقت اس کے لئے اس تحریم میں وقتی رعایت یہ دی گئی ہے کہ وہ نہ تو کھائے خواہش سے، اور نہ سیر ہو کر، تو اس حد کا احترام کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بخش دے گا۔

حاصل : مردار، خون، خنزیر کا گوشت، اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے حرام ہیں۔ اضطرار میں وقتی رعایت ہے۔ حدود اللہ کا احترام کرنے والے کو بخش دیا جاتا ہے، اور اس پر رحم فرمایا جاتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی کتاب سے چھپاتے ہیں، اور اس کے بدلے قلیل دام لیتے ہیں، وہ اپنے بطون میں آگ ہی بھرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کلام نہ کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلمات بدلتے نہیں۔ انبیاء سابقین کے لئے بھی تحلیل و تحریم کی حدود مقرر فرمائی گئی تھیں جو کتب سابقہ میں مذکور تھیں۔ مگر اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں نے جو ان کتابوں کو جانتے تھے، اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کو چھپایا، اور حدود اللہ میں تحریف کر کے قلیل دام لئے۔ فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی سے جو بھی حاصل ہو گا، اس کی حقیقت آگ ہے۔ جو لوگ وقتی مفاد کے لئے ناحق کرتے اور کراتے ہیں وہ اس قابل ہی نہ ہوں گے کہ ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن قائم کیا جائے۔ ان کا کیا دھرا سب بے حقیقت ہو گا۔ ان سے کلام بھی نہ کیا جائے گا اور انہیں پاک بھی نہیں کیا جائے گا۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے محبوب سے تزکیہ حاصل ہوا سے اللہ تعالیٰ پاک کرے گا۔ خلاف حق کرنے کا انجام المناک عذاب ہو گا۔

حاصل : حق کو چھپانے والے اس کی قیمت بھی وصول کرتے ہیں۔ حقیقتاً وہ اپنے بطون میں آگ بھرتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ اس قابل ہی نہ ہوں گے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام کرے۔ ناپاکی کا انجام المناک عذاب ہے۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

یہی ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب۔ تو کس قدر ٹکے رہنے والے ہیں وہ آگ پر۔

جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں، اور اس کے دام وصول کرتے ہیں۔ یہ ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں اور مغفرت کے بدلے عذاب۔ اگر یہ حق کو بیان کر دیں، تو ان کو خوف و حزن سے نجات حاصل ہو اور ہدایت ملے۔ یہ حق کا اخفا کر کے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں۔ توفیق ایزدی کو رضائے الٰہی پر لگانے کی بجائے، یہ فرمان خداوندی کو لوگوں کی خواہشات کے مطابق بنانے کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ یہ مغفرت کے بدلے عذاب خریدنے والی بات ہے۔ ان لوگوں کا کیا دھرا سب آگ ہے۔ اندر بھی ان کے آگ ہے، باہر بھی۔ جو حال ہے، یہی مستقبل ہو گا۔ اب خفی ہے تب جلی ہو گا۔

حاصل : حق کو چھپانے والے اور اپنی خواہشات کے تحت اس میں تحریف کرنے والے، ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خریدتے ہیں۔ ان کے اندر باہر آگ ہی ہو گی۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾ ع ۲۱ ۵

یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی۔ اور بے شک جو لوگ کتاب میں اختلاف ڈالنے لگے، یقیناً وہ ضد میں دور جا پڑے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب کا نزول حق کے ساتھ ہوا ہے۔ جو حق کے مطابق رہے وہ سچا ہے۔ جو جانتے ہوئے حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرے وہ آگ پر ٹکا رہنے والا ہے۔ جو لوگ فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہشات کو داخل کرنے لگیں، ان سے بڑا ضدی اور جھگڑالو کون ہو سکتا ہے۔ حق جہاں بھی ہو، حق کی تائید کرے گا اور تصدیق کرے گا۔ اگر ایک جگہ حق روشن ہو، دوسری جگہ حق کا نام لے کر تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی جائے تو اختلاف کسی کے ضد میں غلطی ہونے کا ہی ثبوت ہو گا۔

حاصل : حق میں اختلاف ممکن ہی نہیں۔ اختلاف ثابت کرنے کی کوشش ضدی اور جھگڑالو ہونے کی انتہا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٣﴾

[یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے جو نعمت انہیں دی تھی بدلتا نہیں، جب تک وہ خود نہ بدل

جائیں۔ اور بے شک اللہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔]

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی یہی نہیں کہ رخ تمہارا مشرق یا مغرب کو ہو۔ ولیکن نیکی تو یہ ہے، جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخر پر اور ملائکہ پر اور کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے، اور اس کی حُبّ میں مال دے قربیٰ کو اور یتاما کو اور مساکین اور مسافروں کو اور سائلین کو اور گردنیں چھڑانے میں، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے، اور جب عہد کریں تو اپنا عہد وفا کریں، اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ صدق والے ہیں اور یہی متقی ہیں۔

نیکی محض کسی سمت سے تعلق نہیں رکھتی۔ رخ خیر کا ہو، اعمال سے اس کی شہادت ملے، تو صداقت و تقویٰ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پورا ثابت ہو جاتا ہے۔ نیکی کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو کہ وہ خالقِ کل ہے، معطیٔ مطلق ہے، قادرِ مطلق ہے، اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یومِ آخر پر ایمان ہو کہ ایک دن جزا کا ہو گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ اور ملائکہ پر ایمان ہو، یہ کہ وہ جو کرتے ہیں اسی کا انہیں امر ہوتا ہے۔ اللہ کی یہ پاک جماعت اللہ کے محبوب پر صلوٰۃ و سلام بھیجتی رہتی ہے۔ اور کتاب پر ایمان ہو کہ یہ فرمانِ خداوندی ہے، فلاح کی اس کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن نہیں کہ کسی کا گمان کسی طرح بھی اسے حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ اور نبیوں پر ایمان ہو کہ وہ پاک اور مخلص بندے ہیں اللہ تعالیٰ کے۔ ان پر شیطان کا اغوا ممکن نہیں۔ صراطِ مستقیم کا تعین انہی حضرات کے پاک قدم سے ہوتا ہے۔ ان سے محبت ہو تو دعویٰ ایمان سچا ثابت ہوتا ہے۔ یہ قول کی صورت سے نیکی کے ارکان ہیں۔ کسی ایک رکن کا انکار بھی حق کا انکار ہو گا۔ عمل سے شہادت اس طرح ہو گی کہ مال جو معطیٔ مطلق کی عطا ہے، اس کی رضا کے مطابق قربیٰ، یتاما، مساکین، مسافروں، سوال کرنے والوں پر اور گردنیں چھڑانے میں اللہ تعالیٰ کی اشد محبت سے خرچ کیا جائے۔ اس میں اتباع شدید کا ہو۔ پہلا حق ان لوگوں کا ہے، جو حق کی

ادائیگی میں مسلسل لگے رہتے ہیں، اور اپنے آپ سے بے نیاز رہتے ہیں۔ دوسرا حق ان کا، جن کو سہارا دینے والا نہ ہو۔ تیسرا حق ان کا ہے، جن کی زندگی میں حرکت نہ رہی ہو۔ چوتھا حق ان کا ہے، جو کسی منزل کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ پانچواں حق ان کا ہے، جو سوالی ہو جائیں۔ ان کی صورت دیکھنا حق نہیں ہے۔ کہ سوال بھی اللہ کے نام پر ہو رہا ہے، تقسیم بھی اللہ کے لئے ہو رہی ہے۔ اور چھٹا حق ان کا ہے، جن کی گردنیں قرض میں پھنسی ہوئی ہیں کہ انہیں بوجھ کے نیچے سے نکال دیا جائے۔ اس کے ساتھ نماز بھی قائم رہے، زکوٰۃ بھی ادا کی جائے، کہ زکوٰۃ دی جائے تو مال اللہ کی راہ پر لگنے کے قابل ہوتا ہے۔ عہد کو سر تک نبھایا جائے۔ مومن کے عہد میں شر کا کوئی مقام ہوتا ہی نہیں۔ جب کبھی سختی آ جائے، تکلیف آ پڑے یا جہاد کا موقع ہو، تو صبر سے ان تمام مقامات پر پورا رہا جائے۔ سختی پر صبر کی صورت یہ ہے کہ نہ ہونے کے مقام پر بھی تعلق باللہ میں رفعت ہو، حالات کو حکیم مطلق کی حکمت کے تابع مانا جائے، اور جہاد میں اپنے اسباب کی کمی بیشی بھی پریشان نہ کرے، دشمن کے اسباب کو بھی ملحوظ نہ رکھا جائے۔ یہ صداقت اور تقویٰ کے ارکان ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی بدولت ان تمام مقامات پر اپنے فضل و کرم سے پورا رہنے کا شرف بخشے۔

حاصل : نیکی کسی سمت سے تعلق نہیں رکھتی۔ قول بھی حق ہو، حال بھی حق ہو، اللہ تعالیٰ پر، یوم آخر، ملائکہ، کتاب، اور نبیوں پر ایمان ہو۔ قربیٰ، یتامیٰ، مساکین، مسافروں، سائلین پر اور گردنیں چھڑانے میں مال اللہ کی راہ میں لگایا جائے۔ نماز قائم ہو، زکوٰۃ ادا کی جائے، عہد وفا کیا جائے۔ سختی، تکلیف اور جہاد میں صبر کیا جائے، تو اللہ کے نزدیک صداقت اور تقویٰ مستند ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ١٧٨

اے ایمان والو، قتل میں تم پر قصاص فرض ہوا۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی تو بھلائی کی پیروی کرنی چاہئے اور اسے احسان کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔ یہ تخفیف ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت۔ پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لئے المناک عذاب ہے۔

قصاص ایمان والوں پر فرض کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور قصاص یہ ہے کہ جو کسی کو اپنی خواہشاتِ نفس کے تحت

قتل کرے، خواہ آزاد ہو، غلام ہو یا عورت ہو، اسے قتل کیا جائے اور توازن قائم رکھا جائے۔ پھر جس کو مقتول کے ولی کچھ معاف کر دیں، اس معافی میں بھی رخ بھلائی کی پیروی کا ہی رہنا چاہئے۔ یہاں بھی حدود کا احترام ہی معیتِ حق کا ثبوت ہو گا۔ اور قاتل خون بہا کے ادا کرنے میں پورا رہے، اور معاف کرنے والوں کا بھی شکریہ ادا کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی شکریہ ادا کرے کہ اس نے یہ تخفیف رکھی ہے۔ ان حدود کو جان لینے کے بعد جو زیادتی کرے گا اس کا عمل غیر ہو گا، جس کا نتیجہ المناک عذاب ہو گا۔

حاصل : مقصود حدود اللہ کا احترام ہونا چاہئے۔ قصاص مقتول اور قاتل کو برابر کرنے میں ہے۔ معافی بھی حق کے تحت ہو، ادائیگی بھی حق کے تحت ہو۔ اللہ کے فرمان کے مقابل جو اپنی مرضی کرے گا، المناک عذاب اسے ضرور ہو گا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور قصاص میں تمہارے لئے حیات ہے اے عقل مندو، تاکہ تم بچو۔

جب قصاص لیا جائے گا تو قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ جب منشاء تعمیلِ ارشادِ خداوندی ہو گا تو قصاص سے اعتدال قائم رہے گا اور لوگوں کو اپنی خواہشات کے اتباع سے بچاؤ رہے گا۔ اگر مقتول کے ولی معاف کر دیں، تو یہ طرفین کے اعتدال پر رہنے کی صورت ہو گی۔

حاصل : خرابی سے بچنے کے لئے حق کو ماننے کے علاوہ کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ قصاص کو روکا جائے گا تو انسانی خواہشات کے اتباع کا راستہ کھلے گا اور جانیں تلف ہوتی رہیں گی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو والدین اور اقربین کے لئے وصیت کر جائے بھلائی سے۔ یہ متقین پر حق ہے۔

معروف کا علم حال پر عارف سے ہوتا ہے۔ کسی کے گمان کا نام بھلائی نہیں ہو سکتا۔ والدین اور اقربا کے لئے وصیت یہ ہے کہ ان کے مراتب کا احترام رہے، اور ان کے ساتھ معاملہ رضائے الٰہی کے لئے ہو، اور علم سے ہو۔ اس وصیت کا منشاء یہ ہے کہ معاشی استحکام اور توازن حاصل ہو، اور خواہشات کا اتباع کرنے والوں کو راہ نہ ملے، تاکہ کمزور لوگ پامال نہ ہو جائیں۔ مومن کی وصیت حق کے لئے ہوتی ہے، علم سے ہوتی ہے، اور بھلائی کے ساتھ ہوتی ہے۔ ورثہ کی تقسیم کا تعین موجود ہے وصیت کا تعین نہیں۔ وصیت حال سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے حال کے مطابق ہوتی ہے۔

حاصل : اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت، والدین اور اقربا کی شان کو برقرار رکھنے کے لئے، ان کے حقوق کی احسن ادائیگی کے لئے وصیت کرنا پرہیزگاروں کی شان ہے۔

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۸۱

تو جو وصیت سن کر بعد میں اسے بدل دے تو اس کا گناہ انہی بدلنے والوں پر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

وصیت کرنے والا مستحق ہونے کا حق ادا کرتا ہے، وصیت کو سن کر اسے بدلنے والا اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔ جن لوگوں کو اس وصیت کے بدلنے سے فائدہ پہنچتا ہو، ان پر بھی لازم ہے کہ وصیت کو جاری کرنے کا حق ادا کریں ورنہ وہ سب گناہ گار ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔ جو کوئی حق کو چھپائے گا وہ اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہو گا۔

حاصل : وصیت کو سن کر بدلنے والے کا تعلق وصیت کرنے والے کی بجائے اس کے مال سے ہوتا ہے، گناہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کو مستحق مانا جائے اور اس کی وصیت کو حسن و خوبی سے پورا کیا جائے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸۲ ع ۲۲ ۶

پھر جسے خوف ہوا کہ وصیت کرنے والے نے کچھ زیادتی یا گناہ کیا تو اس نے ان کے مابین صلح کرا دی، اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وصیت کرنے والے سے اس حال کا بہتر جاننے والا اگر یہ سمجھے کہ وصیت میں زیادتی ہوئی ہے یا کچھ خلافِ حق ہوا ہے تو وہ ان لوگوں پر اسے روشن کر دے۔ منشاء انہیں حق کے قریب کرنا ہو۔ وصیت کرنے والے کے مشاہدے سے متعلق حالات و واقعات ان لوگوں پر واضح ہو جائیں، تو اس سے تعلق میں بگاڑ نہ رہے گا۔ لیکن یہ صورت وصیت کرنے والے کی حیات میں ہو گی۔ وصیت کرنے والے اور فیض یاب ہونے والوں کے مابین صلح ہو جائے تو یہ اچھی بات ہے۔ حق کے قریب کرنے کی نیت ہو، تو فیصلہ کرنے والے کے لئے وصیت کو بدلنا گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : وصیت کرنے والے سے اس حال کا بہتر جاننے والا وصیت میں کوئی زیادتی یا گناہ دیکھے، تو اصلاح کر دے اور وصیت کو روشن کر دے، تو یہ اس پر گناہ نہیں۔ کسی دوسرے کو بدلنے کا حق نہیں۔ وصال کے بعد بھی بدلنا حق نہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶

[جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے۔ اور یقیناً ہم صبر

کرنے والوں کو احسن اجر دیں گے، جو عمل وہ کرتے تھے۔]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

اے ایمان والو، تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلوں پر فرض ہوئے تھے کہ تم متقی ہو جاؤ۔

روزے کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طیّبات سے اس کی رضا کے تحت سحری سے غروبِ آفتاب تک رک جانا ہے۔ انسان کو اپنی خواہشاتِ نفس پر غلبہ حاصل ہو تو وہ فرمانِ خداوندی کو ماننے کا رخ کرتا ہے۔ روزہ جیسے پہلے تقوے کا راستہ تھا ویسے ہی اب بھی ہے۔ ایمان والے، علمِ الٰہی سے فیضیاب ہونے والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ یقین متقی ہونے کا راز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے بڑھ کر بندے کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا۔

حاصل : متقی کا یہ یقین ہی اسے گھیرے رکھتا ہے کہ فلاحِ دارین اعلم کی رضا میں ہے۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

گنتی کے دن ہیں۔ تو تم میں جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں میں، اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ فدیہ دیں مسکین کا طعام۔ پھر جو خوشی سے نیکی کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

رمضان شریف کے مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں، اور اس کے ساتھ یہ ارشاد بھی فرمایا گیا ہے کہ جو رمضان شریف کے ایام میں مریض ہونے کی وجہ سے یا مسافر ہونے کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے، وہ اتنے ہی روزے دوسرے ایام میں پورے کرے۔ اور اگر ایسی صورت ہو کہ روزے کی طاقت ہی نہ ہو تو پھر مسکین کو طعام دینا لازم ہے۔ اس کو روزہ رکھا دینا اور افطار کرا دینا حق کی ادائیگی کی صورت ہے۔ اگر زیادہ لوگوں کو کھانا کھلایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی عطا کو اس کی رضا پر لگانے سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ مرض کی تصدیق مسلمان طبیب سے ہوگی۔ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی صورت تبھی ہوگی جب اس میں مشقت ہو۔ روزے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ حدود اللہ کے احترام سے اپنے نفس پر حاکم ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ اس سے جسمانی صحت بھی ملتی ہے روحانی صحت بھی۔ یہ بہتری ہے۔

حاصل : رمضان شریف کا پورا مہینہ روزے رکھنا حق ہے۔ مسلمان طبیب کی شہادت سے

مریض قضا کر سکتا ہے۔ سفر میں مشقت ہو تو قضا کی اجازت ہے۔ قضا کرنے کی طاقت نہ ہو تو دوسروں کو روزہ رکھا دیا جائے۔ روزہ جسمانی امراض میں بھی مفید ہے روحانی امراض میں بھی۔ اس لئے اس کا رکھنا بہتر ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن پاک نازل ہوا، لوگوں کے لئے ہدایت اور فرقان کی روشن نشانی ہے۔ تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔ اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے، اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، اور اس واسطے کہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ اللہ کی بڑائی کرو کہ تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔

رمضان شریف کے مہینے میں قرآن پاک کا نزول شروع ہوا۔ یہ اس کی شان ہے کہ حکم الٰہی عطا ہوا جو تمام عالمین کے لئے ہے، اور تاقیامت ہے۔ اس سے لوگوں کو معیتِ حق کا راستہ ملا۔ انسانی علوم سے حاصل ہونے والے خوف و حزن اور معیتِ حق سے حاصل ہونے والی راحت کا فرق روشن ہوا۔ تو جس کو یہ مہینہ ملے ضرور اس کے روزے رکھے۔ مریض اور مسافر قضا کر سکتے ہیں۔ وہ اتنے ہی روزے اور دنوں میں رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسانی عطا کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہم پر دشواری نہیں چاہتا۔ آسانی یہی ہے کہ بڑے فائدے کے حصول کے لئے چھوٹے فائدے کو قربان کیا جائے۔ دشواری یہ ہے کہ چھوٹے فائدے کے پیش نظر بڑے فائدے کو ضائع کر دیا جائے۔ بڑا فائدہ یہ ہے کہ پورے روزے رکھے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے کہ اس نے ہمیں ہدایت دی، اور اس کی عطائے بے بہا کا شکریہ ادا کیا جائے۔

حاصل : رمضان شریف کا مہینہ بڑا مبارک ہے کہ اس میں ہدایت اور فرقان عطا ہوا۔ اس کے روزے پورے رکھنے چاہئیں۔ مریض اور مسافر قضا کر سکتے ہیں۔ حکم خداوندی ہمیشہ ہمارے لئے فلاح کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور اس کا شکریہ ادا کیا جائے تو بندگی کا ثبوت ملتا ہے۔

[جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنے ہی بھلے کو ہدایت پائی، اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی بھی اسی پر ہے۔ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور ہم عذاب نہیں کرتے جب تک رسول مبعوث نہ کریں۔]

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے انہیں کتنی نشانیاں عطا فرمائیں۔ اور جو اللہ کی نعمت کو بدل دے بعد اس کے کہ وہ اس کے پاس پہنچ چکی ہو، تو بے شک اللہ کا عقاب شدید ہے۔

بنی اسرائیل اہلِ کتاب تھے۔ انبیاء کرام کے ارشاداتِ عالیہ کو بصورتِ بشارت سنتے چلے آ رہے تھے، اور خاتم النبیین کو پہچاننے میں انہیں کوئی مشکل نہ تھی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ جب ان لوگوں نے ان روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی اپنی خواہشات کا اتباع کیا، تو یہ اللہ کی نعمت کو بدلنے کا ثبوت ٹھہرا۔ عطائے خداوندی بندوں کی فلاح کے لئے ہوتی ہے۔ جو اس کا انکار کرے، اس کا انکار اسے دنیا و آخرت کے خسارے میں مبتلا کر دیتا ہے، اور پھر اس سے چھٹکارا اس کے بس میں نہیں رہتا۔

حاصل : حق سے آگہی اور اس کی پہچان اللہ کی روشن نشانیاں ہیں۔ ان کو اپنی خواہش سے بدلنا موجبِ عذاب ہوتا ہے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

کافروں کے لئے حیاتِ دنیا کو زینت دی گئی۔ اور ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں اور پرہیزگار قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے۔ اور اللہ جسے چاہے بغیر حساب رزق دیتا ہے۔

جو زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنا لے وہ حق کا انکار کرتا ہے، اشیاء کا طالب ہو جاتا ہے، اور ان کے پیچھے پھرنے لگتا ہے۔ زینتِ حیاتِ دنیا اسے جذب کر لیتی ہے۔ جوں جوں اس کے پاس سامان بڑھتا ہے، مزید کی ہوس پیدا ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ایمان والوں کی الگ روش کو دیکھ کر ان سے تمسخر کرتے ہیں، کہ یہ حضرات انہیں اشیاء کے طالب اور روک رکھنے والے نظر نہیں آتے۔ جس کی نظر کثافت کو ہی دیکھتی ہو، وہ تو کثافت سے ہی بھر سکتی ہے۔ پرہیزگار دنیا میں اس طرح رہتے ہیں جیسے پانی میں مرغابی، کہ پانی میں رہنے کے باوجود جب اڑتی ہے تو پر خشک ہوتے ہیں۔ پرہیزگاروں کا مقصود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور جب آپ سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں، پکارنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب مجھے پکارے۔ تو چاہئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ رشد والے ہوں۔

اللہ کے بندے شاہد سے اپنے رب کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ منشا قربِ خداوندی ہوتا ہے۔ مکان سے پاک رہنے والا ہی بندوں کے قریب ہے۔ مکان سے تعلق ہو تو تمام بندوں کے قریب ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی دعا کو سنتا ہے۔ دعا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی مشکل بیان کرے، اس کی استعانت چاہتے ہوئے یہ عرض کرے، یا اللہ یہ میری مشکل ہے، اس کو تو حل کر دے، اور وہ عطا کر جو تیرے نزدیک بہتر ہے کہ تجھ سے کوئی بہتر جاننے والا نہیں۔ علیم مطلق کی عطا علم سے ہوتی ہے۔ ہر ایک پر ہوتی ہے۔ جب اس کے علاوہ کوئی معطیِ مطلق ہو ہی نہیں سکتا، تو اسی کا حکم ماننے کے لائق ہے۔ اسی پر ایمان لایا جائے، تو حق ہے۔ رشد یہی ہے کہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو اور نمونہ اس کا محبوب ہو۔

حاصل : اللہ تعالیٰ معطیِ مطلق ہے، ہر ایک کے قریب ہے، اس کی عطا علم اور حکمت سے ہوتی ہے۔ رشد والے حکم اللہ تعالیٰ کا مانتے ہیں، نمونہ اس کے محبوب کو رکھتے ہیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآىٕكُمْؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا۔ وہ تمہارا اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ کو علم ہے کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے۔ تو اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تمہیں معاف فرمایا۔ تو ان سے مباشرت کرو اور چاہو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھا ہے، اور کھاؤ اور پیو، حتیٰ کہ سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے ظاہر ہو جائے تمہارے لئے فجر سے۔ پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ اور ان سے مباشرت نہ کرو اور جب تم مساجد میں اعتکاف سے ہو۔ یہ

الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾

اللہ کی حدود ہیں۔ ان کے قریب نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے لئے اپنی نشانیاں روشن کرتا ہے کہ انہیں تقویٰ ملے۔

اس سے قبل روزوں کی راتوں میں مجامعت کی ممانعت تھی۔ اب اس کی اباحت فرما دی گئی۔ پہلے رمضان کی رات میں نیند کے بعد کھانا پینا اور مجامعت کرنا منع تھا۔ کچھ لوگوں نے افطار کے بعد اور سونے سے پہلے عورتوں سے اختلاط کیا اور اپنے تئیں حدود اللہ کا احترام کیا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی حدود کے قریب جانا ہی خیانت ہے۔ مرد عورت کا پردہ ہے، عورت مرد کا پردہ ہے، ان کے مابین وقفہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ فرمائی گئی، اور خطا کو معاف فرما دیا گیا۔ مباشرت کی اجازت بخشی گئی۔ منشاء اس کا بقاءِ نسل ہونا لازم ہے۔ دوسرے کسی منشاء کے لئے یہ فعل حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی میں شمار ہو گا۔ بقائے نسل کے منشاء کے لئے عورت سے مجامعت اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ ایامِ حیض سے فارغ ہو چکی ہو۔ رمضان کی رات میں مباشرت کے علاوہ کھانے پینے کی بھی اجازت ہے حتیٰ کہ صبحِ صادق کا وقت ہو جائے۔ نشانی یہ ہے کہ اس وقت سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے واضح ہو جائے گا۔ یہ پو پھٹنے کا وقت ہے۔ اس وقت روزہ شروع ہو جائے گا اور غروبِ آفتاب تک روزہ رہے گا۔ اعتکاف کی حالت میں مباشرت کی ممانعت ہے۔ اعتکاف مسجد میں ہونا چاہئے، اور روزہ اس کے ساتھ ضرور ہونا چاہئے۔ یہ حدود اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرمائی گئی ہیں، ان کا احترام لازم ہے۔ ان کے قریب جانا خوفِ خدا کی کمی کا ثبوت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں لوگوں کے لئے روشن فرمائی ہیں کہ وہ پرہیزگار ہو جائیں۔

حاصل : حدود اللہ کے قریب جانا، خوفِ خدا میں کمی اور خیانت کا ثبوت ہو گا۔ مباشرت کا منشا بقاءِ نسل ہونا چاہئے۔ اعتکاف کی حالت میں مباشرت منع ہے۔ مسجد میں اعتکاف مردوں کے لئے ہے۔ تقویٰ حدود اللہ کے احترام سے ثابت ہوتا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ ۷

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، اور نہ حکام کے پاس پہنچاؤ کہ لوگوں کے مال سے گناہ کے ساتھ کھا جاؤ، اور تمہیں معلوم ہو۔

مال وہ حلال ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کے تحت ہو۔ دینے والا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے دے، اور لینے والا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے لے۔ یہ حق ہے۔ اس کے علاوہ جس طریقے سے بھی

مال کھایا جائے گا، وہ باطل ہو گا۔ حکام کے پاس پہنچانے کا منشاء لوگوں کو خوف زدہ کر کے ان سے کچھ چھیننا ہو، تو یہ بھی ناحق مال کھانے والی بات ہوگی۔ جان بوجھ کر اگر حکمِ خداوندی کے خلاف کیا جائے گا، تو یہ گناہ ہے۔ علم نہ ہونے تک اللہ تعالیٰ کے ہاں سے گرفت نہیں کی جاتی۔

حاصل : رضائے الٰہی کے علاوہ کسی مال کا کھانا ناحق ہے۔ حکام کے پاس کسی کو اس نیت سے پہنچانا کہ اس کے مال سے کچھ ملے ناحق ہے۔ جان بوجھ کر فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی کی جائے تو گناہ ہے۔ علم ہو تو حق عائد ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد میں فرمایا ہے :

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴿٣٩﴾

[اللہ جو چاہے مٹاتا ہے اور ثابت کرتا ہے۔ اور اُمّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔]

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾

آپ سے نئے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے وہ لوگوں کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، اور حج کے لئے۔ اور یہ کچھ نیکی نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ۔ ولیکن نیکی یہ ہے کہ پرہیز گاری ہو۔ اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

طالبِ حق کا پوچھنا اہلِ ذکر سے ہوتا ہے۔ حق کو پانے کے لئے اور ناحق کو چھوڑنے کے لئے ہوتا ہے۔ نئے چاند کے بارے میں ماضی کے علم سے انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والی کثافت کو دور کرنا مقصود ہے، اس لئے سوال کیا گیا ہے۔ جواب میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، اور حج کے لئے ایام کا تعین اس سے ہوتا ہے۔ وقت کی علامتوں کا علم ہو، تو کسی کام کی ابتدا و انتہا کا تعین ہو سکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ضروری تدابیر کی جا سکتی ہیں۔ حج کے لئے مقررہ ایام میں ہی مناسک کو امرِ ربّی کے تحت پورا کرنا لازم ہوتا ہے۔ وقت کی علامتوں میں انسانی خواہشات سے جو باتیں رواج پا چکی تھیں ان سے ایک یہ بھی تھی کہ حج کے لئے احرام باندھ لینے کے بعد اگر گھر میں داخل ہونا پڑتا تو پچھواڑے سے آتے، اور اسے نیکی سمجھتے کہ احرام باندھ لینے کے بعد دروازے سے داخل نہیں ہوئے۔ نیکی تو یہ ہے کہ جو بھی کیا جائے، اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ملحوظ ہو، اور اپنی چاہت سے کوئی حد مقرر نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس کے مقرر کردہ معیار کے علاوہ کوئی دوسرا معیار نہ رہے۔ اس طرح عملی زندگی میں شرک کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہی فلاح ہے۔

حاصل : سوال اس سے ہو جس کا علم حقیقی ہو۔ جس سے پوچھ کر سنبھالنے کے لائق علم کو سنبھال لیا جائے، اور چھوڑنے کے لائق علم کو چھوڑ دیا جائے۔ اللہ سے ڈرنے والا کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ شرک سے خلاصی ہو تو فلاح عطا ہوتی ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور حد سے نہ بڑھو۔ بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتے۔

فلاح پانے والوں کا حق یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑیں ان سے جو ان سے لڑتے ہیں۔ ان کا منشا اگر اللہ کی رضا ہو ہر مقام پر، تو وہ لڑائی میں پورے رہیں گے۔ جہاں نفس کے امر کو اللہ کے فرمان کے ساتھ لگایا جائے گا، وہاں حد سے تجاوز ضرور ہو گا۔ اور رضائے خداوندی کے علاوہ بھی کچھ مقصود بن جائے گا۔ اس سے وحدانیت میں فرق آئے گا۔ اور یہ شرک ہے۔

حاصل : مومن کا لڑنا فی سبیل اللہ ہو، منشاء رضائے الٰہی ہو۔ تضاد سے بچنا بھی ضروری ہے، بچانا بھی ضروری ہے۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾

اور کافروں کو جہاں پاؤ مارو۔ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے اشد ہے۔ اور مسجدِ حرام کے پاس ان سے نہ لڑو، حتیٰ کہ وہ تم سے لڑیں۔ تو اگر تم سے لڑیں، تو انہیں مارو۔ کافروں کی یہی جزا ہے۔

یہ حکم ان کافروں کے متعلق ہے جو عملاً مومنین کے خلاف لڑ چکے ہوں، انہیں ان کے گھروں سے نکالا ہو، یا ان کے مخالفین کی مدد کی ہو۔ ان کے ساتھ ان کافروں جیسا سلوک خلاف حق ہو گا جو ابھی عملاً مومنین کے مخالف نہیں ہوئے۔ مومنین کو ان کے گھروں سے نکال دینا، اور ان کے اہل کو معاشی طور پر اذیت دینا یہ فتنہ ہے، اور قتل سے بھی اشد ہے۔ قتل سے تو دنیاوی زندگی کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، جب کہ فتنے سے زندگی بھی موجود رہتی ہے اور اس کے لوازمات کو جبر سے روک بھی دیا جاتا ہے۔ مسجدِ حرام کی حرمت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے شروع ہوئی ہے۔ اب اگر کافر مسجدِ حرام کے پاس مومنین سے لڑنے لگتے ہیں، تو جوابی کارروائی مومنین پر لازم ہے۔ پھر ان کے ساتھ رعایت فرمانِ خداوندی کے خلاف ہو گی۔ حرمت والی جگہ پر لڑائی میں پہل ہمیشہ کافر ہی کرتا ہے، اور مار بھی وہی کھاتا ہے۔

حاصل : زندگی کا خاتمہ لڑائی میں ہو تو یہ قتل ہوا، اور زندگی کے لوازمات کو جبر سے روک دینا یہ فتنہ ہوا۔ فتنے کے قتل سے اشد ہونے کی یہی صورت ہے۔ حرمت والی جگہ لڑائی میں پہل کافر کرتے ہیں، مار بھی وہی کھاتے ہیں، ان کا عمل ہی انہیں گھیر لیتا ہے۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٢﴾

پھر اگر وہ باز آئیں، تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

کافر کا لڑنا ہمیشہ اسباب کے زعم پر مبنی ہوتا ہے۔ جب اس کا یہ زعم ٹوٹ جائے تو اسے باز آتے دیر نہیں لگتی۔ حرمت والی جگہ مومن مدافعت میں لڑتے ہیں۔ جارحیت ختم ہو جائے، تو مدافعت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کے ادب میں اگر کوتاہی ہو، جب کہ رخ کوتاہی کا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے، رحم فرماتا ہے۔

حاصل : حرمت والی جگہ پر مدافعت میں لڑنا ہی حق ہے۔ کوتاہیوں کو بخشنے والا غفور الرحیم ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾

اور ان سے لڑو، حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا رہے۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو زیادتی نہیں مگر ظالمین پر۔

مومنین کا کافروں سے لڑنا فتنے کے خاتمے کے لئے، اور اللہ کے دین کے لئے ہوتا ہے۔ فتنے کا خاتمہ اس وقت ہوتا ہے جب کافروں کا زعم ٹوٹ جائے، اور اللہ کے دینِ خالص کے ماننے والوں کے راستے میں کوئی مزاحمت نہ رہے۔ جب کافروں کا زعم جاتا رہے اور وہ باز آ جائیں تو سزا کے حق دار وہی ظالم ہوں گے جنہوں نے زیادتی کی ہے۔ زیادتی کی حقیقت فتنے کو کھڑا کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کو معاف کرنا فتنے کی جڑ کو باقی رکھنے والی بات ہوگی، اس لئے یہ لوگ عفو کے حق دار نہیں ہو سکتے۔

حاصل : جو لوگ فتنے کی جڑ ہوں ان کا خاتمہ ضروری ہے۔ فتنہ اسی صورت فرو ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے میں کسی بھی مزاحمت کو برداشت نہ کیا جائے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ

ماہِ حرام کے بدلے ماہِ حرام اور ادب کے بدلے ادب۔ پھر جس نے تم پر زیادتی کی اس پر تم اسی کی مثل زیادتی کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور معلوم رہے کہ

مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔

ماہِ حرام میں اگر کوئی مومنین پر زیادتی کرتا ہے، تو اس کے جواب کے لئے کسی دوسرے وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہئے، اور اگر کافر امن والے مقامات پر ادب کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں تو ان کو روکنا عین حق ہے۔ جس قدر ان لوگوں نے زیادتی کی ہو اسی کی مثل انہیں جواب دینا چاہئے، اس طرح حدودِ ادب سے تجاوز کی انہیں سزا مل جائے گی۔ کسی کی زیادتی کا جواب دینے میں اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو تو یہ پرہیزگاری کی سند ہے۔ ایسے لوگوں کو معیتِ حق کا شرف ہوتا ہے۔ مخلصین کا ساتھ وہی رکھ سکتا ہے جس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہو۔

حاصل : زمان و مکان میں ادب کی حدود سے تجاوز کرنے والے کو روکنا حق ہے۔ اس کی زیادتی کے جواب میں حکم خداوندی کی اطاعت لازم ہے۔ مخلصین کا ساتھ وہی رکھ سکتا ہے جس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہو۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور احسان کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کی حُب رکھتا ہے۔

عطائے خداوندی کو اگر رضائے خداوندی پر خرچ نہ کیا جائے تو خلافِ حق اس کا خرچ ہونا یقینی ہے۔ جہاں خیر کا انکار کیا جائے گا، غیر ضرور گلے پڑ جائے گا۔ اگر توفیقِ ایزدی خلافِ حق استعمال کی جائے گی تو اس کا حاصل ہلاکت ہی ہو گا۔ مومن کی شان یہی ہے کہ وہ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو سب سے بڑا جانتا ہے۔ وہ جس کے ساتھ بھی معاملہ کرے، فی سبیل اللہ ہی کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ کہیں اس کی اپنی مرضی ہو، کہیں اللہ تعالیٰ کی رضا ملحوظ ہو۔ احسان یہ ہے کہ جس کو اللہ کی راہ میں کچھ دیا جاتا ہے اس کا شکریہ بھی ادا کیا جاتا ہے، کہ قبول کرنے والے کی بدولت فانی شے دائمی نعمت بن گئی ہے، اور پیش کرنے والا قبول کرنے والے کی بدولت اللہ کے پیاروں کی صف میں شمار ہو گیا ہے۔

حاصل : جہاں خیر پر خرچ نہ کیا جائے گا، غیر پر ضرور خرچ ہو گا، اور اس کا حاصل بھی ہلاکت ہی ہو گا۔ خیر کو قبول کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا محسنین کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ محسنین کو محبوب رکھتا ہے۔ ہمیں بھی انہیں محبوب رکھنا چاہئے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

اور حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔ پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے، اور اپنے سر نہ منڈواؤ حتیٰ کہ قربانی

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ
الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ
فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ
اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ
بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا
رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ
ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا ۲۴
اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۹۶ ع ۸ ۸

اپنے محل پر پہنچ جائے۔ تو تم میں جو مریض ہو، یا اس کے سر پر تکلیف ہو، تو روزے یا صدقہ یا قربانی فدیہ دے۔ پھر جب تمہیں امن ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے، اس پر قربانی ہے، جیسی میسر آئے۔ پھر جو نہ پائے، ایامِ حج میں تین روزے رکھے، اور سات جب مراجعت کرے۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ اس کے لئے ہے جس کے اہل مسجدِ حرام کے پاس نہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور معلوم رہے کہ بے شک اللہ کا عقاب شدید ہے۔

مقررہ ایام میں احرام باندھ کر ذی الحج کی نو (۹) کے دن عرفات میں ٹھہرنا، اور کعبہ شریف کا طواف کرنا حج ہے۔ اس کے فرائض یہ ہیں: احرام، عرفات میں ٹھہرنا، اور طوافِ کعبہ شریف۔ عمرہ کے رکن طواف و سعی ہیں۔ حج اور عمرہ الگ الگ بھی ادا کیے جاسکتے ہیں، انہیں ملایا بھی جاسکتا ہے۔ ادائیگی اللہ ہی کے لئے ہوگی۔ روکے جانے کی صورت بھی باذن اللہ ہی ہوگی۔ کوئی ایسی صورت بن جائے کہ اسے عبور کرنے کی وسعت نہ ہو اور قربانی بھیجی جاسکتی ہو، تو قربانی بھیج دی جائے اور اس کے اپنے محل پر پہنچ جانے کا اندازہ رکھا جائے، اس کے بعد اپنا سر منڈایا جائے۔ اگر نہ بھیجی جاسکتی ہو تو وہیں قربانی کر دی جائے۔ جو مریض ہو یا جس کے سر میں تکلیف ہو، اور وہ سر منڈانے پر مجبور ہو، تو قربانی کے اپنے محل پر پہنچنے سے پہلے سر منڈانے کی صورت میں فدیہ کے طور پر روزے رکھے، یا صدقہ دے، یا قربانی کرے۔ پھر جب امن ہو تو حج کے ساتھ عمرہ ملانے کا فائدہ باہر سے آنے والوں کے لئے ہے۔ انہیں قربانی کرنی چاہئے جیسی میسر آئے۔ پھر جو نہ پائے، وہ ایامِ حج میں تین روزے رکھے، اور سات اس وقت رکھے جب لوٹ کر جائے۔ اس طرح یہ دس پورے ہوئے۔ جس کے گھر والے مسجدِ حرام کے پاس ہوں اس کو حج کے ساتھ عمرہ ملانے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا یہ ہے کہ کسی مقام پر بھی اپنی مرضی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بندوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ اگر اس کے خلاف کیا جائے، تو اس کے نتیجے میں ہونے والی شدید تکلیف بھی خلاف حق کرنے والوں کو ہی ہوگی۔

حاصل : حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرنے کی صورت یہی ہے کہ کسی مقام پر بھی انسان کی اپنی پسند، ناپسند سے کوئی کام نہ ہو۔ اگر وسعت سے باہر کوئی مانع ہو، تو رو کا جانا بھی باذن اللہ ہو گا۔ اس صورت میں قربانی کا بھیجنا حق ہے۔ نہ بھیجی جا سکے تو وہیں کر دی جائے۔ جہاں حج اور عمرہ کے عمومی طریقے پر عملدر آمد نہ ہو سکے وہاں یہ معلوم کیا جائے کہ اب کیا حق ہے، تاکہ جماعت کا ساتھ موجود رہے۔ فرمانِ خداوندی لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ خلافِ حق کرنے والے شدید تکلیف کو ضرور پہنچتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :

وَأَذَٰنٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِۦٓ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُۥ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوٓا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣﴾

[اور حجِ اکبر کے دن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اذان ہے کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے بیزار ہیں۔ تو اگر تم توبہ کرو تو تمہارا بھلا ہے۔ اور اگر منہ پھیرو تو معلوم رہے کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور کافروں کو المناک عذاب کی بشارت دو۔]

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَٰتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَٰٓأُولِى الْأَلْبَٰبِ ﴿١٩٧﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حج کے معلوم مہینے ہیں۔ تو جس نے ان میں حج کو اپنے اوپر فرض کر لیا، پھر حج میں نہ بے حجاب ہونا، نہ گالی گلوچ اور نہ جدال۔ اور جو بھلائی تم کرتے ہو اللہ کو اس کا علم ہے۔ اور زادِ راہ لے لیا کرو۔ پھر بے شک بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اور مجھ سے ڈرتے رہو اے سمجھنے والو۔

شوال، ذی قعد اور ذی الحج کے دس دن، یہ حج کے معلوم مہینے ہیں۔ حج کے لئے احرام انہی ایّام میں باندھا جا سکتا ہے۔ جس نے حج کی نیت کر لی اور احرام باندھ لیا اس نے حج کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اس عہد کے کر لینے کے بعد حج میں نہ تو عورتوں سے بے حجابی ہو، نہ ان سے کوئی خلوت نشینی ہو، اور کسی سے جھگڑا بھی نہ ہو کہ سب خدائی مہمان ہیں۔ جس نیت سے معاملہ کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہو گی۔ اور جزا نیت کے مطابق ہی ہو گی۔ بیت اللہ کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں عمل سے اپنے آپ کو عبد اللہ ثابت کیا جائے، اور دوسروں کو مخدوم جانا جائے اور حق کی ادائیگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی رضا کے لئے ہو۔ حج کے لئے روانگی کے وقت زادِ راہ لے لینا بھلائی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو، تو زادِ راہ لیتے وقت یہ بات پیشِ نظر رہتی ہے کہ اس سے ساتھی مسافروں کی اور دوسروں کی خدمت کا شرف ہو گا۔ سمجھ دار کی شان یہی ہے کہ وہ حق کی ادائیگی کے بعد بھی یہی کہتا ہے، یا اللہ میرے اعمال کی طرف نہ دیکھیو، اپنے فضل و کرم کی طرف دیکھیو۔

حاصل : مقررہ ایّام میں احرام باندھنا اور حج کی نیّت کرنا حج کرنے والے پر لازم ہے۔ حج کے دوران اظہارِ عبودیت کا خصوصی لحاظ رکھنا چاہئے، نیّت خیر کی ہو ہر مقام پر۔ زادِ راہ دوسروں کی خدمت کی نیّت سے لیا جائے۔ سمجھ دار یہی کہتے ہیں، یا اللہ ہمارے اعمال کی طرف نہ دیکھیو اپنے فضل و کرم کی طرف دیکھیو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿۱۹۸﴾

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کچھ گناہ نہیں۔ پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام کے قریب اللہ کا ذکر کرو۔ اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی۔ اور اس سے قبل تم یقیناً بے راہ تھے۔

اپنے رب کا فضل تلاش کرنے کی صورت یہی ہے کہ مخلوقِ خدا کی خدمت کا جو علم بھی ہو اس سے مخلوق کی خدمت کی جائے، اور جو ملے اسے اللہ کا فضل مانا جائے۔ اپنے رب کا فضل تلاش کرنے کی بجائے اگر پیسے مقصود بنا لئے جائیں تو یہ دوری کی بات ہوگی۔ عرفات میں وقوف فرض ہے۔ جب وہاں سے واپسی ہو، تو مشعرِ حرام کے پاس مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کیا جائے، اس طرح کیا جائے جیسے اس کی طریقت بتائی گئی ہے۔ یہ تعلیم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ جس طرح حضور نے ذکر کیا ہے اس مقام پر اسی طرح ذکر کیا جائے تو حق ادا ہو گا۔ اس سے پہلے جو صورت تھی وہ ہدایت کی نہیں تھی، گمراہی کی تھی۔

حاصل : اپنے رب کا فضل تلاش کرنا گناہ نہیں۔ مناسک کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، اور اس سے انحراف گمراہی ہے۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں، اور اللہ سے استغفار کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جماعت کے ساتھ رہنا، اور جماعت کو ساتھ رکھنا پاک لوگوں کی شان ہے۔ امتیازات تلاش کرنا خواہشات کا اتباع کرنے والی بات ہے۔ اس لئے جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں، وہیں سے لوٹنا حق ہے۔ اللہ سے استغفار کی حقیقت غیر سے اللہ تعالیٰ

کی حفاظت چاہنا ہے۔ عمل وہی رہے جس کی تعلیم حضور نے فرمائی ہے، بندے کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اللہ اس سے بڑا راضی ہوتا ہے۔ وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ معاف کرنے کے بعد آسانی عطا فرماتا ہے۔

حاصل : امتیازات کی تلاش منع ہے۔ جماعت کا ساتھ رکھنا حق ہے اور جماعت کو ساتھ رکھنا بھی حق ہے۔ غیر سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت چاہنا، اور خیر کے ساتھ رہنا صداقت کا ثبوت ہے۔ جسے معاف کیا جائے اسے آسانی عطا کرنا بھی ضروری ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

پھر جب اپنے مناسک پورے کر چکو، تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے آباء کا ذکر کرتے تھے یا اس سے اشد ذکر۔ پھر کوئی آدمی تو یوں کہتا ہے، اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں عطا کر۔ اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

حج کے مناسک پورے تب ہوتے ہیں جب اللہ کے محبوب کی صورت سے حج کے تمام ارکان خوف اور ادب سے انجام دیئے جائیں۔ جو بھی کیا جائے، اس لئے کیا جائے کہ وہ اللہ کے محبوب کی سنت ہے۔ اس کے بعد اللہ کا ذکر کیا جائے۔ لوگ اپنے بڑوں کے کارناموں پر ناز کرتے ہیں، انہیں بیان کرتے ہیں، ان کا نام بلند کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ جس نے سب کو توفیق بخشی ہے اس کا ذکر کیا جائے۔ اشد ذکر یہ ہے کہ اعتراف ہو جو بھی ہم سے ہو سکا ہے، محض اللہ کے فضل سے ہوا ہے اور اس کے محبوب کی معیت کی بدولت ہوا ہے۔ جو لوگ صرف دنیا طلب کرتے ہیں وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اس لئے انہیں جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے وہ اسے اپنی خواہشات پر لگا کر ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ آخرت میں ان کا حصہ تبھی ہو گا جب وہ عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی پر لگائیں۔

حاصل : مناسکِ حج پورے کرنے کے بعد اللہ کا ذکر کیا جائے۔ اپنے افعالِ خیر کو اللہ کے فضل و کرم کی بدولت جانا جائے، اور اللہ کے محبوب کی معیت کی بدولت مانا جائے۔ جو عطا سے لگ جائے اور معطی کی معیت کو چھوڑ دے، فنا اس پر سوار ہو جاتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

اور کوئی ان میں کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

دنیا میں بھلائی یہ ہے کہ اللہ کے محبوب کی معیت کا شرف ہو، کہ گمراہی اور مشقت سے نجات کی صرف یہی صورت ہے۔

آخرت میں بھلائی یہ ہے کہ حزب اللہ میں شمار ہو۔ جو حال پر غیر سے بچے گا، آخرت میں آگ کے عذاب سے بچے گا۔ عدوِّ مبین کا منشاء انسان کو آگ پر پہنچانا ہے، رسولِ مبین کی شان اس انجام سے آگاہ کرنا ہے۔

حاصل : یہ دعا کرتے رہنا چاہئے : اے ہمارے رب ہمیں شاہدین کی معیت میں لکھ لے۔ شاہدین کی معیت حاصل ہو، تو یہ دعا سچی ثابت ہوگی۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ النصف

انہی لوگوں کو ان کے کسب سے حصہ ہے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

دعا قول ہے۔ اعمال اس کی شہادت دیں تو وہ کسب بنتی ہے، اور سچی ثابت ہو جاتی ہے۔ علیم مطلق سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ جس کا رخ اللہ کے محبوب کا ہو گا، اس کا دل دلبر کے ساتھ ہو گا۔ اس حساب میں دیر کا مقام ہی کہاں آتا ہے۔

حاصل : قول تبھی سچا ہوتا ہے جب اعمال اس کی شہادت دیں۔ رخ خیر کا رکھنا چاہئے۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

اور اللہ کا ذکر کرو گنے ہوئے دنوں میں، تو جو عجلت کرے دو دن میں اس پر کچھ گناہ نہیں، اور جو رہ گیا اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، پرہیزگار کے لئے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور معلوم رہے کہ تمہیں اسی کی طرف اکٹھے ہونا ہے۔

ایامِ معدودات سے مراد ذی الحج کی گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخیں ہیں۔ ان میں معمولات کے علاوہ جس طرح حضور نے ذکر کیا ہے، اسی طرح کیا جائے گا، تو حق ادا ہو گا۔ "منیٰ" میں قیام کے دوران رمی جمار کے وقت، اور نمازوں کے بعد تکبیر کہنا لازم ہے۔ دو دن قیام ہو، اور کوئی جلدی واپس چلا آئے تو بھی گناہ نہیں، اور جو رہ گیا اس پر بھی گناہ نہیں۔ جلدی آنے والے کو بھی اور رہ جانے والے کو بھی یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خواہشِ نفس کے اتباع سے پرہیز رہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنے کی حقیقت یہ ہے کہ اسی کی رضا کو چاہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی اس کی طرف جانے کے لئے کافی سند ہے۔

حاصل : ایامِ تشریق میں معمولات کے علاوہ اسی طرح ذکر کرنا چاہئے، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔ جس کی طرف سے آئے ہیں اسی کی طرف جائیں گے بھی، اور اس کے پیشِ نظر اپنے حال پر نظر کرنا بھی لازم ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾

اور بعض وہ آدمی ہے کہ حیاتِ دنیا میں تمہیں اس کی بات عجیب لگتی ہے، اور اللہ کو شاہد بناتا ہے، اس پر جو اس کے قلب میں ہے، اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔

جس کے قول پر اس کے قول کی شہادت ہو اور عمل کی شہادت نہ ہو، اور جو اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بنائے اور عملاً ناصح امین سے اسے محبت نہ ہو، تو اس کا اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بنانا شریعت کے لبادے میں خواہش کا اتباع کرنے والی بات ہے۔ ایسا کرنے والا سخت جھگڑالو ہوتا ہے کہ اسے اپنی منوانے کی شدید چاہت ہوتی ہے۔

حاصل : جس کی بات اس کے محبوب کی بات نہ ہو، اور جو اپنی بات پر اللہ کو گواہ بنا رہا ہو، وہ سخت جھگڑالو ہوتا ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾

اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد مچاتا پھرے اور حرث و نسل کو ہلاک کرے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

جس کی بات اللہ کے محبوب کی بات نہ ہو، وہ جب شاہد سے پیٹھ پھیرے قولِ عجیب کے بعد تو اس کا حال اس کے قول کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ وہ زمین میں فساد مچاتا پھرتا ہے، کھیتی اور جانور ہلاک کرتا ہے۔ جو حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنائے گا، اس کی تجویز سے فساد بھی ہوگا، ہلاکت بھی ہوگی۔ جس بات سے لوگوں میں اختلاف پیدا کیا جائے، انہیں حق سے دور کیا جائے، وہ فساد ہے اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، اس سے وحدانیت ٹوٹ جاتی ہے۔

حاصل : وحدانیت پر یقین اسی طرح ثابت ہوتا ہے کہ قول جو شاہد کے سامنے ہو عمل بعد میں اس کے مطابق ہو۔ وحدانیت کا توڑنا فساد ہے، اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر اس کی بڑائی اسے گناہ پر لگاتی ہے، تو اسے جہنم کافی ہے۔ اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے۔

مفسد کو ناصح امین سے محبت نہیں ہوتی۔ اس کے سامنے حکم اللہ کا ہوتا ہے، مرضی اس کی اپنی ہوتی ہے۔ اس لئے قول کی

حد تک تو وہ عجیب لگتا ہے۔ اس کے عمل سے مخلوق اللہ کو ہلاکت ہی ملتی ہے۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر، تو وہ نام و نمود کی چاہت میں گرفتار ہو کر گناہ پر مزید لگ جاتا ہے۔ اگر اسے اپنے نفس کی خوشی خطرے میں نظر آئے تو وہ مقدور بھر ہلاکت پھیلاتا ہے۔ اس کے اعمال کا حاصل جہنم ہے۔ یہ اس کے کیے کی پوری پوری جزا ہو گی۔ جہنم برا ٹھکانا اس لئے ہے کہ یہ انسان کو من مانی کرنے پر اور اس کی تجاویز کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ جب ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا جائے، تو اس سے حاصل ہونے والا ٹھکانا یقیناً برا ہو گا۔

حاصل : مفسد کو جب اللہ سے ڈرنے کو کہا جائے، تو وہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے گناہ پر مزید لگ جاتا ہے۔ جب خیر کے بدلے غیر لے لیا جائے، تو ٹھکانا برا ہی ہوتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ‌ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ۝۲۰۷

اور کوئی آدمی اپنے نفس کو اللہ کی مرضی چاہتے ہوئے بیچتا ہے۔ اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

جو اپنے نفس کی چاہت کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیتا ہے، وہ اللہ سے راضی ہو جاتا ہے، اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ اس کی معیت کا دعویٰ کرنے والوں کو بھی لوگوں پر مہربانی کرنی چاہیے۔

حاصل : جو اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی پر قربان کر دیتا ہے، وہ اللہ سے راضی ہو جاتا ہے، اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ مہربانی کرنا معیتِ حق کا ثبوت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۝۲۰۸

اے ایمان والو : اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے خطوط کا اتباع نہ کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جانے کی صورت یہی ہے کہ شاہدین سے کامل محبت ہو۔ ان سے محبت ہو گی تو رنگِ شہودی عطا ہو گا، اپنی منوانے کی چاہت ختم ہو جائے گی، ان کی ماننے کا علم آ جائے گا۔ اس محبت کی موجودگی میں کفر، فسق، عصیاں اور شیطان کے قدم سے کراہت ہو جائے گی۔ فلاح سے دور کرنے والا اور خسارے کے قریب کرنے والا کھلا دشمن ہے۔

حاصل : شاہدین کی کامل محبت ہو، تو اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا شرف ہوتا ہے اور شیطان کے قدم سے کراہت ہوتی ہے۔ جس کا کوئی شاہد نہ ہو، جو فلاح سے دور کرے، اور خسارے کے قریب کرے، وہ کھلا دشمن ہے۔

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٠٩﴾

پھر اس کے بعد بھی پھسلو کہ تمہارے پاس روشن نشانیاں آ چکی ہیں، تو معلوم رہے کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

روشن نشانیاں یہ ہیں کہ فلاح کا راستہ موجود ہو، تزکیہ عطا کرنے والے موجود ہوں، فلاح پانے والے موجود ہوں۔ جو لوگ پہلے خوف و حزن، گمراہی و مشقت میں مبتلا تھے وہ معیتِ شاہدین کا شرف پا کر علمِ الٰہی سے اپنی حیات کو سنوار لیں۔ ان روشن نشانیوں کے دیکھنے والے کو پاک جماعت میں داخل ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ دیکھ کر بھی کوئی پھسلتا ہے، تو پھر اسے یہ ضرور معلوم رہے کہ نتیجہ اس کی خواہشات سے پیدا نہیں ہو گا۔ وہ عزیزٌ حکیم کے دستِ قدرت میں ہے، غیر کا رخ رکھنے والے کو اس کے کئے کی جزا ضرور دی جائے گی۔

حاصل : فلاح کے روشن مینار دیکھنے کے بعد بھی جو پھسلے وہ اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے۔ نتیجہ پھر بھی باذنِ اللہ ہی ہو گا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٢١٠﴾ ع ۲۵ ۱۴ ۹

کاہے کے انتظار میں ہیں، کہ ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں آئے اور ملائکہ، اور کام ختم ہو۔ اور سب کاموں کی رجوع اللہ کی طرف ہے۔

جو حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی خیر کی راہ اختیار نہیں کرتا وہ لاپرواہی دکھاتا ہے۔ جس راہ پر وہ جا رہا ہوتا ہے، اس کے انجام سے اسے آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ کجروی کی روش نہیں بدلتا، تو اس کے معنی یہی ہوئے کہ وہ اس انتظار میں ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے بادل آئیں، عذاب کے فرشتے آئیں، اور اس کا کام تمام ہو۔ جس کام میں بھی کوئی لگا ہوا ہے، اسے یہ ضرور یاد رکھنا چاہئے، کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔ اس کا نتیجہ اسی کے اذن سے ہو گا۔ جب نتیجہ اسی کے اذن سے ہو اور اس سے مفر کی کوئی راہ نہ ہو، تو پھر غیر کا رخ اختیار کر کے خسارے کو اپنے لئے چن لینے سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : خیر کو دیکھنے کے بعد اور غیر کے انجام سے آگاہی کے باوجود، اگر کوئی غیر کا رخ کرے تو وہ عذابِ الٰہی سے اپنے خاتمے کا منتظر ہی ہو گا۔ کام کوئی ہو، نتیجہ باذنِ اللہ ہی ہوتا ہے۔ اس لئے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا رخ رکھنا بڑا حق ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے :

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾

[جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنے ہی بھلے کو ہدایت پائی، اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی بھی اسی پر ہے۔ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور ہم عذاب نہیں کرتے جب تک رسول مبعوث نہ کریں۔]

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے انہیں کتنی نشانیاں عطا فرمائیں۔ اور جو اللہ کی نعمت کو بدل دے بعد اس کے کہ وہ اس کے پاس پہنچ چکی ہو، تو بے شک اللہ کا عقاب شدید ہے۔

بنی اسرائیل اہلِ کتاب تھے۔ انبیاء کرام کے ارشاداتِ عالیہ کو بصورتِ بشارت سنتے چلے آ رہے تھے، اور خاتم النبیین کو پہچاننے میں انہیں کوئی مشکل نہ تھی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ جب ان لوگوں نے ان روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی اپنی خواہشات کا اتباع کیا، تو یہ اللہ کی نعمت کو بدلنے کا ثبوت ٹھہرا۔ عطائے خداوندی بندوں کی فلاح کے لئے ہوتی ہے۔ جو اس کا انکار کرے، اس کا انکار اسے دنیا و آخرت کے خسارے میں مبتلا کر دیتا ہے، اور پھر اس سے چھٹکارا اس کے بس میں نہیں رہتا۔

حاصل : حق سے آگہی اور اس کی پہچان اللہ کی روشن نشانیاں ہیں۔ ان کو اپنی خواہش سے بدلنا موجبِ عذاب ہوتا ہے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

کافروں کے لئے حیاتِ دنیا کو زینت دی گئی۔ اور ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں اور پرہیزگار قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے۔ اور اللہ جسے چاہے بغیر حساب رزق دیتا ہے۔

جو زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنا لے وہ حق کا انکار کرتا ہے، اشیاء کا طالب ہو جاتا ہے، اور ان کے پیچھے پھرنے لگتا ہے۔ زینتِ حیاتِ دنیا اسے جذب کر لیتی ہے۔ جوں جوں اس کے پاس سامان بڑھتا ہے، مزید کی ہوس پیدا ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ایمان والوں کی الگ روش کو دیکھ کر ان سے تمسخر کرتے ہیں، کہ یہ حضرات انہیں اشیاء کے طالب اور روک رکھنے والے نظر نہیں آتے۔ جس کی نظر کثافت کو ہی دیکھتی ہو، وہ تو کثافت سے ہی بھر سکتی ہے۔ پرہیزگار دنیا میں اس طرح رہتے ہیں جیسے پانی میں مرغابی، کہ پانی میں رہنے کے باوجود جب اڑتی ہے تو پر خشک ہوتے ہیں۔ پرہیزگاروں کا مقصود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی رضا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی عطا کو اس کی رضا پر لگا کر خدائی مہمان ہونے کا شرف پائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ کے پیاروں کی صف میں شمار ہونے سے بڑی شان اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو اللہ کی دین کو اس کی راہ میں دیتے وقت اپنی ذات سے فارغ رہتا ہے، وہ اللہ کے محبوب کو چاہتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کو چاہتا ہے، اللہ اسے چاہتا ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق دیتا ہے۔

حاصل : زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنانے والا دنیا و آخرت کے خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر لگانے والا فلاح دارین پاتا ہے۔ جو اللہ سے بے حساب ہو جائے اللہ تعالیٰ اس سے بے حساب ہو جاتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

لوگ ایک اُمّت تھے، پھر اللہ نے نبیوں کو مبعوث فرمایا بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے، اور ان کے ساتھ حق والی کتاب نازل فرمائی کہ لوگوں کے مابین فیصل کر دے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور اس میں اختلاف نہ ڈالا مگر انہی لوگوں نے جنہیں وہ عطا ہوئی تھی، آپس کی سرکشی سے، بعد اس کے کہ انہیں روشن نشانیاں پہنچ چکی تھیں۔ تو اللہ نے ایمان والوں کو اپنے اِذن سے حق کی ہدایت دی جس میں اختلاف کرتے تھے۔ اور اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

ابتدا میں لوگ ایک امت تھے۔ ان کے سامنے ہدایت کا ایک معیار تھا۔ اس شاہد کے امر پر استقامت سے حق کو ادا کرنے والے اور اس کی معیّت میں رجوع لانے والے اور ظالموں کی طرف نہ جھکنے والے اس معیار سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ لوگ اس کے برخلاف سرکشی کرتے تھے اور ظالموں کی طرف جھکتے تھے۔ خلاف حق کرنے والوں نے معیار ہدایت سے دور ہونے کی بدولت اپنی خواہشات سے نیا معیار بنانے کی کوشش کی۔ شاہدین کی لڑی تو چلی آ رہی تھی۔ ان سے تعلق کے مقابل زینتِ حیاتِ دنیا کو کچھ لوگوں نے اپنے تعارف کے لئے پسند کیا۔ ان لوگوں میں انبیاء کو مبعوث فرما کر معیارِ حق ان کے سامنے رکھا گیا کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اس کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کے اتباع سے خوف و حزن سے نجات ملتی ہے، اور ہدایت عطا ہوتی ہے۔ جو راہِ خیر پر چلنے والوں کو فلاح کی بشارت دیتے ہیں اور راہِ خیر پر چلنے والوں کو ان کے انجام سے ڈراتے ہیں۔

فرمانِ خداوندی ان کو عطا ہوتا ہے۔ وہ علمِ الٰہی سے لوگوں کے مابین اختلافات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جو بھی ان کے حال پر موجود ہو وہ ان کی امت ہے، اور قیامت کے دن ہر امت سے انہی میں سے گواہی دینے والے کو اٹھایا جائے گا۔ النحل ۱۶ - ۱۹ [جن لوگوں کو کتاب عطا ہوئی انبیاء کرام سے۔ ان میں سے جن لوگوں نے کتاب کو اللہ کے رسول کے حوالے سے مانا، اور ان سے خالص محبت رکھی وہ فلاح پانے والے ہوئے۔] جن لوگوں نے کتاب کو اپنی سمجھ کے مطابق ماننے کا رخ کیا، اور انہوں نے روشن نشانیوں کے باوجود سرکشی کی، ان کی خواہشات ان پر سوار تھیں اس لئے اختلاف ناگزیر تھا۔ اختلاف سے بچنا اللہ کے رحم کی سند ہے۔ بچتے وہی لوگ ہیں، جنہیں شاہدین سے خالص محبت ہوتی ہے۔ ان کے سامنے ہدایت کا معیار ہی معیار ہوتا ہے۔ دوسرا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ کے اذن سے ان کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کو چاہے، اللہ اسے چاہتا ہے۔ جسے اللہ چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

حاصل : امت رسول سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اللہ کے محبوب کے حوالے سے اللہ کو مانتے ہیں، ان کے اختلاف ختم ہو جاتے ہیں اور جو اپنی سمجھ سے اللہ کو مانتے ہیں، وہ اختلاف سے بچ نہیں سکتے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

کیا یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو گے، اور ابھی تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے قبل ہو چکے ہیں، کہ انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا ڈالے گئے، حتیٰ کہ رسول اور اس کی معیت میں ایمان والوں نے عرض کیا، اللہ کی نصرت کب آئے گی۔ سن لو اللہ کی نصرت قریب ہے۔

اللہ کے محبوب کو ماننے والے پاک رہتے ہیں۔ خواہشات کا اتباع کرنے والے راہِ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ راہِ راست سے ہٹ جانے والے انتہائی کوشش کرتے ہیں، کہ راہِ راست پر جانے والے ان کی ملت میں لوٹ آئیں۔ اس کوشش میں وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ ان سے ایمان والوں کو سختی بھی پہنچتی ہے۔ اس قدر شدت ایمان والوں کے ساتھ روا رکھی جاتی ہے کہ ایک زلزلہ انہیں گھیرے رکھتا ہے۔ دیکھا یہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، کہ معیتِ حق کے علاوہ یہ حضرات کسی اور مقام سے تو نہیں لگے ہوئے۔ برداشت کی وسعت کو پورا ہوتے دیکھ کر یہ حضرات کہتے رہے، اللہ کی نصرت کب آئے گی۔ ان حضرات کی نظر اس علم کے اجراء پر ہوتی تھی، جو نصرتِ ایزدی سے ہی جاری ہو سکتا تھا، اور اسی علم کی بیخ کنی پر منکرینِ حق پوری قوت صرف کر دیتے تھے۔ جب ہر مقام پر اللہ کے محبوب کی معیت کے دعوے کو سچا ثابت کر دیا جائے، تو اللہ کی نصرت قریب ہوتی ہے۔ جنت اللہ کی رضا کا حاصل ہے۔ اللہ کی رضا کے راستے پر سے گزر ہو تو صاحبانِ رضا میں شمار ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کی رضا اس راہ سے گزر کر سچے ثابت ہونے والے کو حاصل ہوتی ہے، جس میں منکرین حق کی طرف سے اسے اپنی ملت میں لوٹانے کے لئے ذاتی سختی کی جاتی ہے، صفاتی تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔ ہلا ہلا ڈالا جاتا ہے۔ پورا رہنے والے نصرتِ ایزدی سے خیر کے علم کو جاری کرتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝۲۱۵

آپ سے پوچھتے ہیں، کیا خرچ کریں۔ فرما دیجئے : جو مال تم خرچ کرو تو والدین کے لئے اور اقربین اور یتاما اور مساکین اور مسافروں کے لئے، اور جو بھلائی تم کرو بے شک اللہ تعالیٰ اس کا علم رکھتا ہے۔

محبین کا یہ حق ہے کہ وہ جو بھی کریں، اللہ کے محبوب کے علم سے کریں۔ جو عمل میں اللہ کے محبوب سے اصلاح لے وہ خود بھی فیضیاب ہوتا ہے، دوسروں کو بھی فیضیاب کرتا ہے۔ اس کا سوال اس کے حال سے تعلق رکھتا ہے۔ حال عطا کرنے والے کے سامنے ہوتا ہے، اور حال پر ہوتا ہے۔ مال کا خرچ کرنا اتنا بڑا علم ہے کہ یہ علم پورا ہو تو مخلوق کے ساتھ زیادتی ہوتی ہی نہیں۔ نور والے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں، اور ایک دوسرے کا ساتھ رکھتے ہیں۔ ظلمات میں گھرے ہوئے ان کے قریب ہوتے ہوئے موجود اور مقصود کے عرفان سے توازن کا علم سیکھنے لگتے ہیں، اور اللہ کے محبوب کے علم کی شانِ بے بدل پر قربان ہو جاتے ہیں۔ راحت کے حاصل ہونے کا صرف اور صرف یہی راستہ ہے۔ مومنین اپنے ساتھ معاملہ کریں، یا دوسروں کے ساتھ، مقصود رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی کو اپنی ذات کے لئے روک رکھنا خلافِ حق ہے۔ رضائے الٰہی کے لئے اسے والدین پر خرچ کیا جائے۔ اقربین پر خرچ کیا جائے، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے۔ کسی بھی جگہ اجر کا سوال نہ ہو، اور اجر کی چاہت بھی نہ ہو۔ بھرے ہوئے کو بھرنا اولیٰ عمل نہیں، خالی کو بھرنا اولیٰ عمل ہے۔ جو بھی کیا جائے اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی نیت بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتی۔ اللہ کی رضا پر مال لگانے کے باوجود یہ اعتراف ضروری ہے، کہ اے اللہ تیرے محبوب کے اتباع کا حق ادا کرنے میں کوتاہیاں ہوئی ہیں، تو معاف کر دے، تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حاصل : والدین، اقربین، یتاما، مساکین اور مسافر عطائے خداوندی میں حصہ دار ہیں۔ معاملہ سب کے ساتھ رضائے الٰہی کے لئے ہو، اور اجر کی چاہت سے پاک ہو تو حق ادا ہوتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَھُوْا

تم پر قتال فرض ہوا، اور تمہیں اس سے کراہت ہے۔ اور قریب ہے، کسی شے

شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع

ع ۲۶ / ۱۰

ہے تمہیں کراہت ہو اور وہ تمہارے لئے خیر ہو۔ اور قریب ہے کہ کسی شے کی تمہیں حُبّ ہو اور وہ تمہارے لئے شر ہو۔ اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں معلوم نہیں۔

جہاد اپنے مال اور جان کو فی سبیل اللہ پیش کرنے کا نام ہے۔ کافر جب اللہ تعالیٰ کے دشمن ہوں اور ہمارے دشمن ہوں تو ان سے قتال حق ہوتا ہے۔ جب تک وہ ہماری دشمنی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی دشمنی تک نہیں پہنچتے تب تک ان کے ساتھ مودّۃ ہو سکتی ہے۔ جان کو اللہ کی رضا پر لگانا بڑا کام ہے۔ نفس کی خوشی سے ہی زندگی کی چہل پہل معلوم ہوتی ہے۔ جب فرصت ہی نہ رہے، تو نفس کو کراہت تو ہوگی۔ علیم مطلق کے علم کی شان سب سے بالا ہے کہ اس کا کوئی حکم اس کی احتیاج کے تحت نہیں ہے۔ ہر حکم ماننے والوں کی فلاح کے لئے ہے، اس لئے بہتر ہے۔ جب تک انسان اپنی پسند اور ناپسند سے فیصلہ کرتا رہے مشقت اور تکلیف ہی بڑھتی ہے اور جب فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے تابع ہو، تو راحت بڑھتی ہے۔ جب فرد جماعت کی بھلائی کے لئے اپنے فائدے کو قربان کر دے تو جماعت محفوظ رہتی ہے، اور وہ بھی زندہ و پائندہ ہو جاتا ہے۔ اور جب جماعت کی بھلائی پر اپنی پسند کو ترجیح دے تو اپنی باڑ توڑ کر اپنی ہی بربادی کے سامنے جا پہنچتا ہے۔

حاصل : جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہنا حق ہے۔ اپنی پسند اور ناپسند کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے تابع بنانا چاہئے۔ علمِ الٰہی ہو تو لاعلمی رفع ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے :

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

[اور بے شک ہر امت میں ہم نے ایک رسول مبعوث فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ تو ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت دی اور کسی پر گمراہی ٹھیک پڑی۔ تو زمین میں سیر کرو، پھر دیکھو منکرین کی عاقبت کیسی ہوئی۔]

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۗ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۗ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

آپ سے حرمت والے مہینے میں قتال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے : اس میں قتال بڑا گناہ ہے۔ اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کا انکار کرنا، اور مسجد حرام سے روکنا، اور اس کے اہل کا وہاں سے اخراج اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾

ہے۔ اور فتنہ قتل سے بڑا ہے۔ اور ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے، حتیٰ کہ اگر انہیں استطاعت ہو تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور وہ مرے اور ہو کافر، تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوئے۔ اور وہ لوگ آگ والے ہیں، انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

اللہ کے محبوب کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اللہ کے محبوب کی بات اس کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے، جو آپ کی محبت رکھتا ہو، آپ کی رضا کو رضائے الٰہی سے الگ نہ کرتا ہو، اور یہ کہتا ہو : ٹوٹ جائے جس نے ٹوٹنا ہو، اور جڑ جائے جس نے جڑنا ہو، میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں۔ ایسے لوگوں کی شان ہے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل اللہ کے محبوب سے لیتے ہیں۔ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ جو حال بھی آیا ہے، اس میں حکمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید علم عطا ہونے والا ہے۔ معلم اللہ کا محبوب ہے۔ حرمت والے مہینے میں جان بوجھ کر قتال کیا جائے تو یہ بات حدود اللہ کے احترام کے خلاف ہو گی۔ اور اللہ کی راہ سے روکنا، اللہ کا انکار کرنا، مسجدِ حرام سے روکنا، اور اس کے اہل کو وہاں سے نکالنا، یہ حرمت والے مہینے میں قتال سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس لئے کہ یہ فتنہ ہے، اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔ اور اگر کوئی حرمت والے مقام اور وقت کا لحاظ نہیں کرتا، تو مومنین کو اس حال میں ساکن رہنے کا حکم نہیں۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا باز آ جائے تو ایمان والے تو ہوتے ہی رضائے الٰہی کے ساتھ ہیں۔ کافروں کی یہ کوشش ہمیشہ رہے گی کہ وہ مومنین پر جبر کر کے انہیں ان کے دین سے پھیر دیں، اور انہیں اپنی ملت میں واپس لے جائیں۔ جو لوگ معیتِ حق میں ہوتے ہیں، وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ وقت قول کو عمل سے سچا ثابت کرنے کا ہے۔ اس لئے وہ استقامت سے حق کو ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور جو ایمان لانے کے بعد اپنے دین سے پھر جائے اور مرے بھی حالت کفر پر، تو اس کا دعویٰ ایمان جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کا حال اس کے ماضی کی تصدیق نہیں کرتا، اس لئے دنیا میں اس کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے، لہٰذا آخرت میں بھی وہ بے حقیقت ہی ٹھہرے گا۔ ایسے لوگوں کا انجام آگ ہے، اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

حاصل : محب کو محبوب سے پوچھنا چاہئے۔ اللہ کے محبوب سے عطا ہونے والا علم ہی حقیقی ہوتا ہے۔ ایمان لانے کے بعد جو مرتد ہو جائے اور حالت کفر پر ہی مر جائے، اس کا سب کچھ برباد ہوا۔ غیر کا حاصل آگ ہے۔ آگ ہمیشہ غیر کے ساتھ رہتی ہے۔ غیر آگ کے ساتھ رہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اعمال کا انحصار نیت پر ہے۔ نیت درست ہو تو رخ درست ہوتا ہے۔ رخ درست ہو تو ساتھ شاہدین کا ہوتا ہے، مقام کوئی ہو۔ جو لوگ ایمان لائے، اور جن کے عہد سچے اور پکے ثابت ہوئے، ان لوگوں کو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑنے پڑے، تو اللہ کے محبوب سے تعلق کی بدولت یہ پورے رہے اور کوئی بھی شے ان کو روک نہ سکی۔ جس کو اللہ کے محبوب سے پورا تعلق ہو وہ اشیاء کا مطلوب ہوتا ہے، اشیاء سب اسے سلام کرتی ہیں۔ جو اشیاء کا طالب ہو، اس کے راستے میں اشیاء ضرور حائل ہوتی ہیں۔ جو عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی پر لگائے، اور مال کے ساتھ ساتھ جان بھی اللہ کی رضا پر لگا دے، تو وہ اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ بندگی کی شان یہی ہے کہ حق کی ادائگی کے بعد نتیجے کو اپنا حق نہ سمجھا جائے، اور یہ اعتراف ہو کہ اللہ کے محبوب کے اتباع میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : نیت درست ہو تو رخ درست ہوتا ہے۔ رخ درست ہو تو عمل درست ہوتا ہے، اور اللہ کی رحمت کی امید ہوتی ہے۔ بخشنا اور رحم فرمانا اس کی شان ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱۹﴾

آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے : ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لئے منافع بھی۔ اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔ اور آپ سے سوال کرتے ہیں، کیا خرچ کریں۔ فرما دیجئے : عفو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے، تاکہ تم تفکر کرو۔

شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھنا اصلاح حال چاہنے والوں کی طرف سے تھا۔ فرمایا گیا ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں۔ ان دونوں کا نفع کم ہے، گناہ بہت بڑا ہے۔ گناہ یہ ہے کہ شراب سے شعور متاثر ہوتا ہے، شعور ہی پر شرع لاگو ہوتی ہے، اس لئے شرابی حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس سے معاشرے میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ یہ بڑا گناہ ہے۔ جوئے سے اللہ کا فضل تلاش کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ دوسرے کو اپنے علم سے فائدہ پہنچانا ملحوظ نہیں ہوتا۔ معیشت بھی اس سے تباہ ہوتی ہے، تعلقات بھی بگڑتے ہیں، اور مال کی چاہت اشد ہو جاتی ہے۔ یہ بھی بڑا گناہ ہے۔ منافع

یہ ہیں کہ شراب طبیب کے حکم سے دواءً استعمال کرائی جائے تو سواری ہونے کے اعتبار سے اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔ کئی چیزوں کے جوہر کو زیادہ دیر دوا کی صورت میں محفوظ رکھنے کے کام آتی ہے۔ منافع جتنے بھی ہیں ان کی حقیقت دوسروں کی خدمت ہے، اپنی خواہش کا اتباع نہیں ہے۔ جوئے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معاشی طور پر مفلوج ہو جانے والے کو ایک وقتی سہارا مل جاتا ہے۔ جو معمولی فائدہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے توکل جاتا رہتا ہے۔ مزید فائدے کی طلب بڑھ جاتی ہے۔ سعی اور اللہ کا فضل تلاش کرنے کی بجائے نفس اسی کار غیر میں لگائے رکھتا ہے۔ اس سے بھی فساد پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح ان دونوں کا گناہ ان کے منافع سے بڑا ہے۔ اس کے بعد سوال کیا جاتا ہے، کہ خرچ کے بارے میں حکم عطا ہو۔ ارشاد ہوتا ہے : عفو۔ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک خرچ اپنی ذات پر ہو گا اور اپنے اہل پر ہو گا۔ دوسرا خرچ، قربیٰ، یتامیٰ، مساکین، مسافرین، سائلین اور گردنیں چھڑانے پر ہو گا۔ اپنی ذات کے ساتھ اور اپنے اہل کے ساتھ اگر فراخی روا رکھی جائے گی، تو دوسرے حق داروں کے ساتھ عفو نہیں ہو گا۔ اپنی خانہ آبادی کی خواہش رکھنے والے دوسرے حق داروں کو ان کے حق سے محروم کرنے کے مرتکب ہوں گے۔ اگر عفو کریں گے، تو سب حق دار آباد ہو جائیں گے۔ اور دوسروں کو آباد کرنے کے قابل بھی ہو جائیں گے۔ اور اگر رخ یہ ہو کہ جو اپنی ضروریات سے بچے گا، اسے فی سبیل اللہ خرچ کریں گے، تو پھر نفس کو اپنی ضروریات طویل کرنے کا اتنا بڑا علم ہے کہ ساری دنیا کے مال سے بھی کسی ایک انسان کی خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں۔ فکر اپنی ذات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ تفکر دوسروں کا فکر کرنے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے رحمت و برکت اور آبادی کا راستہ بھی سامنے رکھا ہے۔ ہدایت دے کر راستہ آسان کرنے والے معلم کو بھی بھیجا ہے اور اس میں فلاح کی ضمانت بھی رکھی ہے۔

حاصل : شراب سے شعور متاثر ہوتا ہے اور شرع شعور پر لاگو ہوتی ہے۔ شعور کو مغلوب کرنے والی تمام اشیاء کا استعمال گناہ ہے۔ فائدہ طبیب کے حکم میں رہنے سے ہوتا ہے۔ جؤا سعی اور اللہ کے فضل سے دوری کا باعث بنتا ہے۔ اپنے آپ پر اور اپنے اہل پر مختصر خرچ کرنا بہتر ہے۔ دوسرے حق داروں کے ساتھ ہاتھ فراخ رکھنا چاہئے۔ دوسروں کا فکر کرنا بڑی عظمت کی بات ہے۔

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

دنیا و آخرت میں۔ اور آپ سے یتامیٰ کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے : ان کی اصلاح خیر ہے۔ اور اگر انہیں ملا لو، تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ مفسد کو مصلح سے جاننے والا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

دنیا و آخرت میں تفکر کرنے والے جو بھی خرچ کرتے ہیں، اللہ کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اس میں یقیناً ملحوظ رکھتے ہیں۔ یتیموں کے بارے میں سوال یہ جاننے کے لئے ہوا، کہ ان کے ساتھ معاملہ کیسے ہو۔ اس کے متعلق ارشاد

ہوا ہے، کہ ان کی اصلاح بہتر ہے، اور اسی کا رخ رکھنا چاہئے۔ یتیم کی کفالت اسے قبول کرنی چاہئے، جو اپنے مال سے یتیم کو سنبھال سکتا ہو، اور اس کے مال کو امانت کے طور پر رکھے۔ اگر یتیم کی بھلائی ان کے مال کو اپنے مال سے ملانے میں نظر آئے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ پھر ان کے حصے کی حفاظت بھی ملانے والے کے ذمے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی نیت مخفی نہیں۔ وہ مفسد کو بھی خوب جانتا ہے، مصلح کو بھی خوب جانتا ہے۔ ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ یتیم کے مال کے بارے میں اگر وقف رکھنے کا حکم ہوتا، تو یہ لوگوں پر بڑا بھاری ہوتا، اور یتیم کے احترام کے پیش نظر اور اس کے مال کی حفاظت کے حق کو دیکھ کر لوگ انتہائی ادب سے ان کا قرب بھی رکھتے، اور ان کی حفاظت کا اثر دوسرے امورِ زندگی پر بھی پڑتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ان کے لئے وقف لازم کا حکم نہیں دیا۔ اس کے زبردست ہونے میں اور حکمت کے مالک ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اس کے فرمان کی نیک نیتی سے اطاعت کی جائے تو راستہ آسان ہو جاتا ہے، ورنہ انسان کی اپنی تجاویز ہی اسے گھیر لیتی ہیں۔

حاصل : دنیا و آخرت میں تفکر، دوسروں کے لئے فکر کرنا ہے۔ یتیم کی قدر اور اس کے مال کی حفاظت انتہائی احتیاط سے کرنی چاہئے۔ اس کا علم اللہ کے پیاروں سے سیکھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں کوتاہی کے امکان سے بھی دور رہنا چاہئے۔

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٢١﴾ ع ۲۷ ۱۱

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور بے شک مومنہ لونڈی مشرکہ سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو۔ اور مشرکین سے نکاح نہ کرو، حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومن غلام مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو۔ وہ آگ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنی نشانیاں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے، کہ وہ نصیحت مانیں۔

مومن اور مشرک کے مابین وقف لازم ہوتا ہے۔ ان کا آپس میں ملنا ناحق ہے۔ اس لئے مشرک عورتوں سے نکاح ناجائز ہوا۔ جب وہ ایمان لے آئیں تو ان سے نکاح ہو سکتا ہے۔ مومنہ لونڈی مشرکہ سے بہتر ہے، اگرچہ نفس کو پسند مشرکہ ہی ہو۔ مومنہ اس لئے بہتر ہے، کہ اس کی وحدانیت قائم ہے۔ مشرکین سے بھی نکاح جائز نہیں ہے۔ وہ ایمان لے آئیں، تو ان

سے نکاح جائز ہوگا۔ مومن غلام اسی لئے مشرک غلام سے بہتر ہے، کہ مومن کی وحدانیت قائم ہے۔ اللہ کے فرمان سے جس کا بہتر ہونا ثابت ہے، وہی بہتر ہے۔ نفس کا رخ اگر رضائے الٰہی کے خلاف ہو، تو اس کی پسند خلافِ حق ہوگی۔ مشرکات، مشرکین غیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا رخ غیر ہے۔ نتیجہ بھی غیر ہی ہوگا۔ اس لئے ان کی دعوت بھی جہنم کی طرف ہی ہوگی۔ اللہ کی پسند کو پسند کیا جائے گا، تو فلاحِ دارین عطا ہوگی۔ راحت بھی عطا ہوگی، اور حفاظت بھی عطا ہوگی۔ جن لوگوں نے اللہ کی پسند کو پسند کیا، اور اپنی چاہت کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیا، وہ نصیحت ماننے والے ہوئے، اور فیض پانے والے ہوئے۔

حاصل : مشرک اور مومن کے مابین وقف ضروری ہے۔ مومن کے ساتھ کی حقیقت جنت اور مغفرت ہے۔ مشرک کے ساتھ کی حقیقت دوزخ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے :

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿٤٩﴾

[بلکہ وہ روشن نشانیاں ہیں، ان کے سینوں میں جنہیں علم عطا ہوا۔ اور ہماری آیتوں سے نہیں جھگڑتے مگر ظالم۔]

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾

اور آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے : وہ ناپاکی ہے۔ تو حیض کے دوران عورتوں سے الگ رہو، اور ان کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ پاک ہو لیں۔ پھر جب پاک ہو لیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں امر دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں کی حُبّ رکھتا ہے، اور بہت طہارت رکھنے والوں کی حُبّ رکھتا ہے۔

معلم سے سوال حصولِ علم کے لئے ہوتا ہے۔ کبھی اس سے اصلاح مطلوب ہوتی ہے، اور کبھی تصدیق۔ حیض کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ناپاکی ہے، اور حیض کے دنوں میں عورتوں سے قربت تکلیف کا باعث ہوگی، اس لئے ان ایام میں قربت خلافِ حق ہے۔ جب پاک ہو لیں، تو ان کے پاس جاؤ۔ عورتوں کے پاس ایامِ حیض میں نہ جانا، اور حیض سے فارغ ہوتے پر جانا اس امر کی سند ہے کہ اللہ کے امر کا منشا بقاءِ نسل ہے۔ بقاءِ نسل کے لئے موزوں وقت روشن فرمایا گیا ہے۔ جب تک عورت حیض سے فارغ نہ ہو لے، اس کے قریب نہیں جانا چاہئے۔ اور جب بھی قربت ہو بقاءِ نسل کے لئے ہو۔ عورت کے پاس جانا اللہ کے امر کے تحت ہو، اس کے ماسوا سے پاک رہنے کی حقیقت توابین کا ساتھ ہے۔ طہارت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے امر کی اطاعت کے علاوہ نہ کچھ دیکھا جائے، نہ سنا جائے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اور محبوب کا راضی کرنا محبّ کے راضی کرنے کی

احسن صورت ہے۔

حاصل : حیض کے دوران عورتوں سے قربت منع ہے۔ قربت جب بھی ہو حیض سے فارغ ہونے پر ہو، اللہ کے امر کے تحت ہو۔ ماسوا سے پرہیز توبہ کرنے والوں کی اور پاک رہنے والوں کی شان ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔ اور اپنے لئے آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور معلوم رہے کہ تمہیں اس سے ملنا ہے۔ اور مومنین کو بشارت دیجئے۔

عورتوں کو کھیتیاں فرمانے سے یہ روشن کرنا مقصود ہے، کہ جیسے کھیتی بیج کی نشو و نما کے لئے ہوتی ہے، ویسے ہی عورتیں بقائے نسل کے لئے ہیں۔ اس کے خلاف قضاء شہوت کو ملحوظ رکھا جائے، تو ناشکری ہوگی۔ عورت سے قربت کا اللہ کے امر کے تحت ہونا اس سے پہلی آیت میں واضح ہو چکا ہے۔ اس کے لئے موقعہ کا انتخاب اس کے حالات سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے یہ بندے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ عورت سے قربت اگر اللہ تعالیٰ کے امر کی اطاعت کے لئے ہو، تو عمل خیر ہوگا۔ اگر قضاء شہوت مقصود ہو، تو حدود اللہ کا احترام نہیں ہوگا۔ ایسا عمل یقیناً غیر ہوگا۔ عملِ صالح کا نتیجہ دنیا و آخرت میں فلاح ہے۔ غیر صالح عمل کا نتیجہ دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔ عورت مرغوب ترین شے ہے۔ اس سے تعلق اللہ کی رضا کے مطابق ہو، تو اللہ سے ڈرنے کا ثبوت موجود ہوگا۔ تمام اشیاء کو ان کے مقام پر رکھنے کا علم اسی راہ پر رہنے والے کا حصہ ہے۔ جس کو معطیٔ مطلق سے ملنے کا یقین ہو، وہ اس کی عطا کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ مومن توفیقِ ایزدی کو جب استعمال کریں اور جہاں استعمال کریں، رضائے الٰہی کے تحت رہ کر استعمال کرتے ہیں۔ انہی حضرات کے لئے بشارت ہے فلاحِ دارین کی۔ یہی حضرات اپنے منشاء حیات کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کریں گے، اسی معصومیت کے ساتھ جس کے ساتھ انہیں اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔

حاصل : عورت سے قربت صرف بقاء نسل کے لئے ہو، آداب ملحوظ رہیں، اطاعتِ امرِ ربی پیشِ نظر ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جزا کے لئے پیش ہونے کا یقین ہو۔ ایسے مومنین کے لئے ہی فلاحِ دارین کی بشارت ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا

اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ، کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے مابین صلح کی قسم کر لو۔ اور اللہ سننے والا علم

بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ اس کے لئے جو کام کیا جائے اس کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ مومن کی شان ہے کہ وہ دوسروں کی بھلائی کرتا ہے۔ پرہیزگاری سے معاملہ کرتا ہے۔ اور جب لوگوں کے مابین دوری پیدا ہو جائے، تو ان کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتا ہے۔ اور عدوٌ مبین سے ہوشیار رہنے کا علم عطا کر دیتا ہے۔ کسی کے ناقص عمل سے مومن کے صالح عمل کو رکنا نہیں چاہئے۔ میدانِ جہاد تک یہی صورت جاری رہنی چاہئے۔ کم علم سے کوتاہی ہوتی ہے۔ علم والے تو جو بھی کرتے ہیں، اللہ کے لئے کرتے ہیں، اور اس طرح کرتے ہیں کہ یہ دیکھتے ہی نہیں لوگ ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ یہی دیکھتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ کارِ خیر سے رکنے پر اللہ کی قسم کھانا بڑی ناپسندیدہ بات ہے۔ ایسی بات کا خیال بھی دل میں لانا بری بات ہے۔

حاصل : یہ نہیں دیکھنا چاہئے لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھنا چاہئے، ہمیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ نیت خیر کی ہو۔ کارِ خیر میں اللہ کے محبوب کی معیت کا شرف ہو تو اللہ تعالیٰ کو سمیع اور علیم ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑتا، ولیکن تمہارے قلوب کے کسب پر تمہیں پکڑتا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

لغو قسم وہ ہے، جس میں قلب کا کسب نہ ہو، نیت غیر نہ ہو، اور قسم غیر ضروری کھائی گئی ہو۔ ایسی قسم پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ جب نیت غیر ہو، بھلائی، پرہیزگاری اور صلح سے دوری کا رخ ہو، تو ایسی قسم پر ضرور مواخذہ ہوتا ہے۔ عرفان کے ساتھ ہی کفارہ ادا کرنا چاہئے، اور شاہدین سے اصلاح لینی چاہئے۔ توبہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ حلیم کی شان ہے کہ وہ گرفت میں جلدی نہیں کرتا، اور بندے کو حق کے قریب ہونے کے لئے توفیق مزید عطا کرتا رہتا ہے۔

حاصل : لغو قسم سے بھی اعراض کرنا چاہئے۔ نیت خیر کے ساتھ رہے۔ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے کو ہمیں معاف کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔ اپنے ساتھ غیر رخ رکھنے والے کے مواخذے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے ساتھ معاملے میں اپنا توازن بھی برقرار رکھنا چاہئے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ

جو اپنی عورتوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں، انہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ تو اگر اس مدت میں پھر آئیں، تو بے شک اللہ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

کمیٔ علم کی بناء پر اگر کسی ایمان والے نے اپنی عورت سے الگ رہنے کی قسم کھالی ہے، تو اس پر حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اہلِ ذکر سے معلوم کرے اور اس پر پورا رہے۔ چار مہینے تک رجوع ہو جائے تو نکاح موجود رہے گا، ورنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر رجوع کے ساتھ جس کی حقیقت عورت سے قربت ہو گی، کفارہ ادا کرے، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا اور اس پر رحم فرمائے گا۔

حاصل : حالتِ طہر میں عورت کے پاس جانا حق ہے۔ اس وقت اگر کوئی اس کے پاس جانے کی قسم کھا لیتا ہے، تو اسے چار مہینے کے اندر اندر رجوع کرنے کا حق ہے۔ کفارہ ادا کرے، توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا، اور اس پر رحم فرمائے گا۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ اور اگر طلاق کا عزم کر لیا، تو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

اگر رجوع کا ارادہ نہیں، اور طلاق کا عزم ہے، تو اس صورت میں عورت کے ساتھ بھلائی کا رخ رکھنا حق ہے، کہ اس کو نکاحِ ثانی سے روکا نہ جائے۔ اس سلسلے میں نیت و عمل کو روشن ہونا چاہئے۔ فرمانِ خداوندی کے جان لینے کے بعد عورت کو اس کے حقوق سے روکنا اور اسے اذیت دینا ظلم ہے۔

حاصل : اگر طلاق کا عزم ہو، تو پھر عدت کا شمار تو طلاق سے ہو گا، اس لئے عورت کو ناحق روکے رکھنا ظلم ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین قروء تک انتظار میں رکھیں۔ اور انہیں حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ارحام میں خلق فرمایا ہے، اگر ان کا اللہ اور یومِ آخر پر ایمان ہے۔ اور ان کے خاوند اگر اصلاح چاہیں تو اس مدت میں لوٹا لینے کا بڑا حق رکھتے ہیں۔ اور مردوں کی طرح عورتوں کا بھی ان پر حق ہے بھلائی کے ساتھ۔ مردوں کو ان پر درجہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔

۲۸ ع ۱۲ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾

جن عورتوں کو حیض سے فراغت کے بعد پاک ہونے کا درجہ حاصل ہو، ان کے ساتھ صحبت حق ہے، کہ اس کا منشا بقاء نسل ہوتا ہے۔ جن عورتوں کو ان کے شوہروں نے طلاق دے دی ہو وہ عورتیں تین قروء تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں گی۔ تین بار حالتِ طہر سے حالتِ حیض میں داخل ہوں گی، تو فرمانِ خداوندی کی ادائیگی کے بعد نکاحِ ثانی کے قابل ہو جائیں گی۔ جن شوہروں سے انہیں طلاق ملی ہے ان کی اولاد ان کے ارحام میں ہے یا نہیں، یہ بھی واضح ہو جائے گا۔ عورتوں پر یہ حق ہے، کہ جو کچھ ان کے ارحام میں اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا ہے اس کو چھپائیں نہیں۔ حمل ہو یا حیض ہو اسے اپنے شوہر پر واضح کریں۔ منشا رضائے الٰہی ہو۔ یہ اسی صورت میں ہو گا کہ وہ مومن ہوں۔ مومن کو یہ یقین ہوتا ہے، کہ نفع اور ضرر باذنِ اللہ ہے اور اس کے کئے کی جزا اسے ضرور ملے گی۔ طلاق دینے کے بعد اگر خاوند اصلاح چاہیں تو عرصۂ انتظار میں عورتوں کو لوٹانے کے بڑے حق دار ہیں۔ عورت کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے، اس لئے لوٹانے کی اجازت بھی اسے ہی ہے۔ یہ مردوں کو عورتوں پر درجہ ہے۔ جس طرح مردوں کے حقوق ہیں عورتوں پر، اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں مردوں پر۔ عورتوں پر حق ہے کہ وہ مردوں کی پسند کو پسند کریں اور ان کے توکل میں حائل نہ ہوں۔ مردوں پر حق ہے کہ وہ حتی المقدور عورتوں کو آسانیاں مہیا کریں، اس طرح کہ ان کے معمولاتِ زندگی بحسن و خوبی پورے ہوں۔ جس پر بڑا حق عائد ہوتا ہے، اس کا درجہ بھی بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی کیا گیا ہے اس میں زبردست حکمت ہے۔ اس کے فرمان کی خلاف ورزی کرنے والے اور کرنے والیاں اپنے اپنے عمل کے ذمے دار ہیں۔ مرد ہو یا عورت کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد اپنی مرضی کرے۔

حاصل : طلاق والی عورتوں کو تین قروء تک انتظار میں رہنا چاہئے۔ اس عرصے میں ان کے شوہر اصلاح کی نیت سے انہیں لوٹانے کا بڑا حق رکھتے ہیں۔ عورتوں پر لازم ہے کہ جو ان کے ارحام میں ہو اسے چھپائیں نہیں۔ جس پر بڑا حق عائد ہوتا ہے، اس کا درجہ بھی بڑا ہے۔ عزت و حکمت فرمانِ خداوندی کی مطابقت سے ملتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں فرمایا ہے :

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾

[شیطان سے یہ فرمایا گیا، بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں، سوائے ان گمراہوں کے جو تیرا اتباع کریں۔]

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ

یہ طلاق دو بار تک ہے۔ پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے، یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں سے اپنا عطا کیا ہوا کچھ لے لو، مگر یہ کہ دونوں کو خوف ہو کہ حدود اللہ پر

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

قائم نہ رہ سکیں گے۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ دونوں اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے، تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اس میں کہ عورت فدیہ دے کر چھٹی لے۔ یہ حدود اللہ ہیں، تو ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو حدود اللہ سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔

رجوع کرنے کی حدود کے تعین کے لئے یہ ارشاد ہوا ہے، کہ دو بار تک اس کی اجازت ہوگی۔ زبان کے استعمال میں احتیاط لازم ہے۔ کہ پہلا درجہ ہی قول کا ہے۔ رجوع کی اجازت کی حدود میں رہتے ہوئے بھلائی کے ساتھ روک لینے کی صورت یہ ہے۔ کہ عورت کو آسائی مہیا کی جائے، اور اس کی بھلائی کی نیت سے اسے روکا جائے۔ روکنا کسی ذاتی غرض وغایت کے لئے نہ ہو۔ احسان کے ساتھ چھوڑ دینے کی صورت یہ ہے کہ اس کی نئی ازدواجی زندگی تک اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کی پوری پوری مدد کی جائے۔ جو مال عورتوں کو دے دیا گیا ہو، اس کا لینا حق نہیں، کہ اس سے انہیں تکلیف ہوگی۔ اور چھوڑنے کی صورت میں حکم یہ ہے، کہ احسان کے ساتھ چھوڑا جائے۔ دیا ہوا مال واپس لینا احسان نہیں۔ اگر دیئے گئے مال کی نوعیت یہ ہو، کہ دونوں کی گزر بسر اسی پر ہو، تو اس مال کے ایک طرف ہو جانے سے حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکنے کا خوف ہو گا۔ شاہدین بھی اگر اس خوف کی تائید کریں، تو پھر عورت کو شاہدین کے حکم کے مطابق مال دے کر رخصت لے لینی چاہئے۔ نہ مرد عورت کو تنگ کرے، اور نہ عورت مرد کو تنگ کرے۔ نہ مرد فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی مرضی کرے، اور نہ عورت فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی من مانی کرے۔ بہتر جاننے والے حضرات مرد اور عورت کو علیحدگی کے وقت رضائے الٰہی کی حدود واضح کریں گے۔ طرفین کو ان کا احترام لازم ہے۔ جو فرمانِ حق کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو گا وہی ظالم ہے، اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔

حاصل : رجوع کے لئے حدود اللہ کا احترام لازم ہے۔ زبان کو انتہائی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا ضروری ہے۔ روکنا بھی رضائے الٰہی کے لئے ہو اور چھوڑنا بھی رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ مرد کو مال واپس نہیں لینا چاہئے سوائے اس کے کہ اسے معاش ہی ختم ہونے کا خوف ہو۔ شاہدین بھی یہی دیکھیں تو وہ رضائے الٰہی کی حدود واضح کر دیں۔ ان کا احترام طرفین پر حق ہے۔ عورت اس طرح مال دے کر طلاق لے سکتی ہے۔ کسی کو یہ مجال نہ ہو کہ وہ فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی مرضی کی بات کرے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَآ اَنْ

پھر اگر اس عورت کو طلاق دے دی، تو اب وہ عورت اس کو حلال نہیں، حتیٰ کہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ پھر

يَتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾	وہ دوسرا اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ باہم رجوع کریں. اگر سمجھتے ہوں کہ حدود اللہ کو قائم رکھیں گے۔ اور یہ حدود اللہ ہیں۔ بیان فرماتا ہے علم والے لوگوں کے لئے۔

اگر دو بار طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جا چکا ہے، تو تیسری بار طلاق کہنے کے بعد رجوع کرنے کا حق ختم ہو جائے گا۔ اور عورت کو حسب حال عدت پوری کرنے کے بعد رخصت لازم ہوگی۔ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے. وہ اگر اسے طلاق دے دے تو سابقہ میاں بیوی پھر ایک دوسرے سے حکم خداوندی کے مطابق مل سکتے ہیں، اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ اللہ کی حدود پر قائم رہنا ہے۔ دوسرے خاوند سے نکاح اگر طلاق لینے کی نیت پر کیا جائے گا، تو یہ حدود اللہ کے عدم احترام کا ثبوت ہو گا۔ حدود اللہ کے احترام سے لوگوں کو معاشرت میں حفاظت حاصل ہوتی ہے۔ فیضیاب ہونے والے لوگ علم والے ہوتے ہیں۔

حاصل : دو بار تک طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق رہتا ہے، پھر ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرے خاوند سے نکاح اگر طلاق کی نیت پر مبنی ہو، تو یہ حدود اللہ کے عدم احترام کا ثبوت ہو گا۔ فرمانِ خداوندی کی شان حدود اللہ سے روشن ہے۔ علم والے ہی اعلم کے فرمان سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا	اور جب عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدّت کو پہنچیں، تو ان کو بھلائی سے سنبھال لو یا بھلائی کے ساتھ رخصت کر دو۔ اور سنبھالنا ان کا ستانے اور زیادتی کرنے کے لئے نہ ہو۔ اور جو ایسا کرے گا، بے شک وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ اور اللہ کی نشانیوں کو مذاق نہ بناؤ. اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد رکھو۔ اور اس نے تم پر کتاب و حکمت کو نازل فرمایا۔ اس کے ساتھ تمہیں وعظ کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

ع ۲۹ ۱۲ أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۳۱﴾

دو بار تک رجوع کا حق ہے۔ یہ حکم رجوع کے حق کے اندر اندر ہے۔ طلاق ایک بار کہنے سے بھی ہو جاتی ہے۔ طلاق کے بعد عدت کا پورا کرنا لازم ہے۔ اس کا منشا حمل یا حیض کی تصدیق ہے۔ بھلائی سے عورت کو سنبھالنا یہ ہے کہ اس کی خطا کو معاف کر دیا جائے، اس لئے کہ معاف کرنے والوں کو ہی معاف کیا جاتا ہے، اور اللہ کی رضا کے لئے اسے روک لیا جائے۔ بھلائی کے ساتھ رخصت کرنے کی صورت یہ ہے کہ دوسرے شوہر تک پہنچنے میں اس کی قول سے بھی مدد کی جائے۔ حال اور اعمال سے بھی مدد کی جائے، اور اس سے کسی اجر کی چاہت بھی نہ ہو۔ سنبھالنے میں اگر نیت اس سے کسی غرض وغایت کے حصول کی ہو، تو یہ اس کو ستانے والی بات ہوگی، اور اس عورت پر زیادتی ہوگی۔ ایسا کرنے والا ظالم ہو گا، کہ وہ اللہ کی حدود سے تجاوز کر رہا ہو گا۔ فرمانِ خداوندی کو عام لوگوں کی بات کے برابر سمجھنا، اور اسے اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا، اس کے ساتھ کھیلنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بندوں کو بڑی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس کی عطا کردہ توفیق کے استعمال میں اس کے ارشاد کو ہر مقام پر ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ توفیق کے ساتھ اس نے کتاب وحکمت سے بھی نوازا ہے۔ رحمۃٌ للعالمین کو معلم الکتاب والحکمہ بنا کر بھیجا ہے۔ وعظ کی حقیقت یہ ہے، کہ اس میں بیان کرنے والے کی خواہش اور غرض وغایت کو دخل نہ ہو، سامعین کی فلاح پیشِ نظر ہو، اور علم سے حق ادا کیا جائے۔ جس قدر علمِ حقیقی بڑھے، تقویٰ بھی بڑھتا ہے، اور ہر آن یہ حال ہوتا ہے، کہ عامل کی نیت بھی جزا دینے والے کے سامنے ہے، عمل بھی اس کے سامنے ہے۔

حاصل : طلاق کے بعد رجوع کا حق موجود ہو، تو بھلائی کے ساتھ اسے استعمال کرنا چاہئے۔ اگر رجوع نہ کرنا ہو، تو بھلائی کے ساتھ رخصت کر دینا چاہئے۔ جو فرمانِ خداوندی کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرے گا وہ ظالم ہے۔ فرمانِ خداوندی کو باعثِ فلاحِ دارین ماننا، اس کا احترام کرنا ہے۔ اور فرمانِ خداوندی کا عدمِ احترام، اس کے ساتھ کھیلنا ہے۔ رحمۃٌ للعالمین معلّم الکتاب وحکمت ہیں۔ وعظ حقیقی میں سامعین کو فلاح کی دعوت دی جاتی ہے۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو سب سے بڑا حق مانا جائے، تو اللہ تعالیٰ کو بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں فرمایا ہے :

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ﴿۷۱﴾

[اور حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا، تو ضرور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے فساد ہو جاتا، بلکہ ہم نے تو انہیں وہ نصیحت عطا کی ہے جس میں ان کی ناموری تھی، تو وہ اپنی بھلائی سے ہی اعراض کر رہے ہیں۔]

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدّت پوری کر چکیں، تو پھر انہیں مت روکو

يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا
بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ
بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ
وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾

کہ وہ آپس کی رضا مندی سے شرع کے مطابق اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں۔ یہ نصیحت ہے اس کے لئے جو تم میں سے اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی ہے۔ اور اللہ کو علم ہے، اور تمہیں علم نہیں۔

طلاق کے بعد عورت پر عدّت کا پورا کرنا لازم ہے۔ اسی سے یہ صاف روشن ہو جاتا ہے کہ طلاق ایک بار کہنے سے بھی ہو جاتی ہے۔ عدّت پوری ہو جانے کے بعد اگر عورت اور مرد نکاحِ ثانی پر رضامند ہوں، اور شریعت میں اس کی اجازت بھی ہو، تو عورتوں کو نکاح سے روکنا خلافِ حق ہے۔ اگر عورت عدّت پوری کرنے کے بعد دوسرے مرد سے شادی پر رضامند ہو، تو اس کے سابقہ شوہر کو بھی روکنے کا حق نہیں پہنچتا۔ جو علیمِ مطلق کے سامنے اپنے آپ کو پست رکھتا ہے، وہ اس کے فرمان کو بڑے ادب سے مانتا ہے۔ وہی اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھنے کے دعوے میں سچا ہے۔ معیتِ حق سے بڑی پاکیزگی کوئی نہیں ہو سکتی، اور اس سے بڑی صفائی بھی نہیں ہو سکتی۔ پاکیزگی اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے، اور صفائی مخلوق اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ علیمِ مطلق کے فرمان کے مقابل رخ رکھنے والا علمِ خیر کا حامل ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : طلاق کے بعد عدّت لازم ہے۔ عورتوں کو نکاحِ ثانی سے روکنا منع ہے۔ ادب سے ماننے والے کا عمل زندہ ہوتا ہے۔ فرمانِ خداوندی کا منشا ہی پاکیزگی اور صفائی ہے۔ علمِ خیر صرف معیتِ حق سے تعلق رکھتا ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ
حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ
يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ
رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ
لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ
وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ
بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ

اور مائیں پورے دو برس اپنی اولاد کو دودھ پلائیں جو کوئی رضاعت کو پورا کرنا چاہے اور بچے والے پر ہے ان کا کھانا اور پہنا شرع کے مطابق۔ کسی جان پر بوجھ نہیں مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچے سے، اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے، اور وارث پر بھی ایسا ہی لازم ہے۔ پھر اگر دونوں آپس کی رضا مندی سے دودھ چھڑانا چاہیں، تو

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۳﴾

ان پر گناہ نہیں۔ اور اگر تم دائیوں سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو، تو بھی تم پر گناہ نہیں جب کہ جو دینا کیا تھا شرع کے مطابق انہیں دے دو۔ اور اللہ سے ڈرو، اور معلوم رہے کہ اللہ تمہارے عملوں کو دیکھ رہا ہے۔

بچے کے لئے ماں کا دودھ بے بدل خوراک ہے۔ رب العالمین نے دو سال تک دودھ پلانے کا فرمایا ہے۔ اس بات کا انحصار بچے والے پر ہے کہ وہ دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ پوری مدت کے لئے رضاعت چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ بچے کی ماں کی خوراک اور لباس کا پورا اہتمام کرے، اور رضائے خداوندی کے لئے کرے۔ نہ دودھ پلانے والی بچے والے پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ ڈالے اور نہ بچے والا ماں کے ساتھ اپنی وسعت کے اعتبار سے بخل کرے۔ اگر دونوں رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں، تو ان پر گناہ نہیں۔ ایسی صورت میں دودھ دایہ سے پلوایا جائے تو درست رہے گا، کہ عورت کے دودھ کا بدل بھی ممکن نہیں۔ دودھ پلانے والی سے شرع کے مطابق جو طے پائے اسے دے دیا جائے۔ عورت کے دودھ کے مقابل ہر دودھ اپنی اپنی کیفیت کے مطابق فائدے کے ساتھ ساتھ ضرر رساں بھی ہو گا۔ اللہ سے ڈرنے کا ثبوت عمل سے دیا جائے گا تو صداقت وقاد ہو گی۔ جب عملاً حدود اللہ کا احترام کیا جائے، تو اس تسلیم کو سچا مانا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عملوں کو دیکھ رہا ہے۔ علم الٰہی لوگوں کو مشقت سے پاک کرتا ہے، علم غیر سے لوگ مشقت میں پڑتے ہیں۔

حاصل: ماں کا دودھ بے بدل خوراک ہے، دو سال تک ضرور پلانا چاہئے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ماں کے دودھ کے بعد عورت کا دودھ ہی پلایا جانا چاہئے۔ دو سال تک حق کی ادائیگی رضائے الٰہی کے لئے ہو، اور حدود اللہ کا پورا احترام کیا جائے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ

اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں، اور اپنی ازواج کو چھوڑ جاویں، وہ عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر گناہ نہیں جو وہ اپنی جانوں کے بارے میں شرع کے مطابق کریں۔ اور اللہ کو

بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾ تمہارے عملوں کی خبر ہے۔

جب مرد فوت ہو جائے، تو اس کی بیوی پر لازم ہے کہ وہ عدت کی مدت اسی کے گھر میں گزارے اور اپنا مسکن نہ چھوڑے۔ چار ماہ اور دس دن انتظار کرے۔ اس عرصے میں یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں ہے۔ اگر وہ حاملہ ہو گی تو اسے وضع حمل تک، اور پھر دودھ پلانے کے لئے اگر وارث درخواست کریں تو دودھ پلانے کی مدت تک۔ نکاح ثانی کا انتظار کرنا ہو گا، اگر اسے دودھ پلانا قبول ہو۔ تو جب عدت پوری ہو جائے تو دستور کے مطابق نکاح ثانی کی اجازت ہے، اور کسی کو اس سلسلے میں حائل ہونے کا حق نہیں ہے۔ کوئی خفی طریق سے حائل ہو یا جلی طریق سے اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے، کہ وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، اور ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی پسند کی بات کرے۔

حاصل : فوت ہو جانے والے شوہر کی بیوی چار ماہ دس دن تک انتظار کرے۔ اگر وہ حاملہ ہو، تو اس کی عدت وضع حمل تک ہو گی۔ دودھ پلانا بھی یقیناً اس کی شان کے لائق ہے۔ جب تک پہلے بیج کا حق پورا نہیں ہو جاتا، کھیتی میں نیا بیج بونا حق نہیں۔ فرمانِ خداوندی کے مقابل کسی کی تجویز کو ماننے کے معنی اللہ تعالیٰ کے خبیر ہونے کا انکار ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو اشارۃً نکاح کا پیغام دو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو۔ اللہ کو علم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے۔ ولیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپا ہوا، مگر یہی کہ کچھ بھلائی کی بات کہو۔ اور نکاح کا عزم کر رکھو، حتیٰ کہ عدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے۔ اور معلوم رہے کہ اللہ کو علم ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، تو اس سے ڈرتے رہو۔ اور معلوم رہے کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

عدت کی مدت میں عورتوں کو ساکن رہنے کا حکم ہے۔ اس عرصے میں نکاحِ ثانی کی بات منع ہے۔ پیغام دینے والے ایسے

وقت میں ذکر کریں تو اس کی صورت اشارے کی ہو یا دل میں اسے پوشیدہ رکھیں، لیکن کسی بھی صورت سے چھپ کر نکاح کا وعدہ نہ ہو اور عدت کا وقت پورا ہونے سے پہلے نکاح کی بات ہی نہ ہو۔ بھلائی کی ہر بات کلمۂ خیر ہے جس میں ذاتی خواہش نہ پائی جائے۔ صاحبِ علم جب بھی بولتا ہے، حال کو دیکھتا ہے۔ بھلائی کی بات کرنے والے کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔ وہ اس سے ڈرتا رہتا ہے، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے حلم والا ہے، جس کا رخ خیر ہو اس کی اس اونچ نیچ کو بخش دیتا ہے۔ علم والا گرفت میں جلدی نہیں کرتا۔

حاصل : ایام عدت میں نکاح کا پیغام نہیں دینا چاہئے۔ بھلائی کی بات کی اجازت ہے۔ جس کا رخ خیر کا ہو اس کی اونچ نیچ کو معاف کر دینا چاہئے۔ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے کے ساتھ عبدِ حلیم ہونے میں بڑا مرتبہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾

[اے لوگو : تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت آئی، اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے۔]

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب کہ تم نے انہیں مس بھی نہ کیا ہو، یا ان کے لئے مہر مقرر نہ کیا ہو۔ اور انہیں متاع دو۔ وسعت والے پر اس کی قدر کے موافق، اور تنگی والے پر اس کی قدر کے موافق، بھلائی کے ساتھ متاع دینا۔ یہ محسنین پر حق ہے۔

نکاح بغیر مہر متعین کے ہو سکتا ہے اور قبلِ دخول طلاق بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں عورتوں کو متاع دینا حق ہے۔ وسعت والا اپنی قدر کے مطابق دے، تنگی والا اپنی قدر کے مطابق دے، کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہیں رکھتا۔ عورتوں کو جو بھی دیا جائے، اس میں رخ خیر کا ہو، ان کی بھلائی پیشِ نظر رہے۔ محسنین متاع دینے کا حق اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ جو کچھ عورت چاہے اور ان کے پاس ہو، یا اس کی وسعت ہو، تو وہ متاع پیش کر دیتے ہیں۔

حاصل : نکاح کے وقت مہر مقرر نہ ہو، اور مس کرنے سے قبل ہی طلاق ہو جائے، تو اپنی حیثیت کے مطابق عورت کو متاع دینا لازم ہے۔ بھلائی کے ساتھ متاع دینا یہ ہے کہ عورت کو جو بھی دیا جائے، اس سے اس کی قدر و منزلت بڑھے۔ اس میں متاع کے ساتھ

ساتھ دینے کا طریقہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ
أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ
لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ
إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي
بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ
تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا
الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٧﴾

اور اگر تم نے انہیں مس کرنے سے قبل طلاق دے دی، اور تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے تھے، تو جتنا ٹھہرا تھا، اس کا نصف دے دو۔ سوائے اس کے کہ عورتیں عفو کر دیں، یا وہ عفو کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کا عقدہ ہے۔ اور اگر تم مرد عفو کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے فضل کو بھلاؤ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے۔

اگر عورت کو مس کرنے سے قبل ہی طلاق دے دی جائے تو مقرر شدہ مہر کا نصف دیا جائے گا۔ عورت عفو کر دے تو یہ دوسری بات ہے۔ مرد کا عفو یہ ہے کہ وہ نصف سے زیادہ دے دے۔ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس لئے اس پر عفو کا حق بھی بڑا ہے۔ لہٰذا مرد کا عفو تقویٰ سے زیادہ قریب ہو گا۔ آپس میں ایک دوسرے کے فضل کو بھلانا خلافِ حق ہے۔ فضل کو یاد رکھنا یہ ہے کہ صاحبِ فضل کو عمل سے بڑا سمجھا جائے. اور اس کا اظہار بھی کیا جائے۔ جب یہ اعتراف ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل دیکھ رہا ہے، تو پھر عمل کو کجی سے پاک ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی نہیں دیکھنا چاہئے کہ لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہی دیکھنا چاہئے کہ ہمیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل دیکھ رہا ہے۔

حاصل : اگر عورت کو مس کرنے سے قبل طلاق دے دی جائے، تو مقرر شدہ مہر کا نصف دیا جائے گا، سوائے اس کے کہ عورت عفو کر دے یا مرد عفو کر دے۔ مرد عفو کرے تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ صاحبِ فضل کے عمل کو بڑا مانا جائے، تو پھر اس کو بھلانے کا مقام نہیں آتا۔ یہ نہیں دیکھنا چاہئے، لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھنا چاہئے، ہمیں ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ
الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾

نمازوں کی حفاظت کرو، اور صلوٰۃ وسطیٰ کی۔ اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔

نمازوں کی حفاظت یہ ہے کہ ان کے اوقات سے پہلے ان کی نیت رکھی جائے، اور وضو کیا جائے۔ اس طرح ان کی ادائیگی

میں حفاظت کا حق ادا ہوتا رہے، تو نماز قائم ہو جاتی ہے۔ صلوٰۃِ وسطیٰ نمازِ فجر ہے، کہ رات اور دن کے درمیان بھی ہے اور سب سے اہم بھی ہے کہ اگر نمازِ فجر قضا ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے، کہ اس دن کی ساری نمازیں ہی قضا ہو گئی ہیں۔ مومن کے دن کی ابتداہی نمازِ فجر سے ہوتی ہے۔ جس دن کی ابتدا ہی دین سے نہ ہو، اس میں ہونے والے سب کام خیر کے رخ سے خالی ہوں گے۔ اس لئے نمازِ فجر کی خصوصی حفاظت کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ادب سے کھڑے رہنے کی صورت یہ ہے کہ نماز میں یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ [illegible] دیکھ رہا ہے، اور ہمیں اس طرح کھڑا ہونا ہے جس طرح [illegible] کھڑے ہوتے رہتے، ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

حاصل : نماز کے وقت سے پہلے اس کی نیت رکھنا اور اس کے لئے وضو کرنا حفاظتِ نماز کا علم ہے۔ صلوٰۃِ وسطیٰ نمازِ فجر ہے۔ ادب سے کھڑے ہونا یہ ہے، کہ صورتِ شاہد پیشِ نظر ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کا یقین ہو۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾

پھر اگر تمہیں خوف ہو، تو پیادہ پڑھ لو یا سوار۔ تو جس وقت تم امن پاؤ تو اللہ کا ذکر کرو، جس طرح اس نے تمہیں علم دیا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے۔

خوف کی حالت یہ ہے، کہ امن نہ ہو، اور حقوق کی ادائیگی بھی قضا نہ کی جا سکتی ہو۔ ایسی صورت میں نماز کو مختصر کیا جائے گا اور پیادہ یا سوار جس حالت میں بھی ادا ہو سکے گی، ادا کی جائے گی۔ جب حالتِ امن میسر آئے گی تو پھر معمول کے مطابق ادا کرنا حق ہو جائے گا۔ نماز کا علم تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جا رہا ہے، جیسے اللہ نے تمہیں علم سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔ اس سے صاف روشن ہو گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھانا بھی اللہ تعالیٰ کا سکھانا ہے۔

حاصل : دو ہی حالتیں ہیں، حالتِ امن یا حالتِ خوف۔ حالتِ خوف میں نماز اشارے سے ادا کر لینی چاہئے۔ حالتِ امن میں معمول اور تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ادا کرنی چاہئے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا

اور تم میں سے جو وفات پائیں اور ازواج چھوڑ جائیں، تو وہ اپنی ازواج کے لئے ایک سال تک متاع کی وصیت کر جائیں، بغیر اخراج کے۔ پھر اگر عورتیں خود ہی چلی جائیں، تو تم پر کچھ گناہ نہیں جو انہوں نے

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۴۰

اپنے لئے بھلائی سے کیا۔ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

اگر بوقتِ وفات زوجہ موجود ہو، تو وارثوں کو وصیت کرنا چاہئے کہ ایک سال خاتون کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رکھا جائے، اور حسنِ اہتمام کے ساتھ رکھا جائے، اور گھر سے جہاں اس کا قیام ہو نکالا بھی نہ جائے۔ حصہ تو فرمانِ خداوندی کے مطابق دیا ہی جائے گا، ان کی تکریم کے لئے وصیت کرنا بھی حق ہے۔ اگر وہ خود جانا پسند کریں، اور اپنے لئے بھلائی کی کوئی دوسری صورت اختیار کریں، تو اس سلسلے میں ان سے تعاون کرنا، بڑی نیکی ہے۔ عزت و حکمت رضائے الٰہی سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔

حاصل : وفات کے وقت زوجہ زندہ ہو، تو اس کی تکریم کی وصیت کرنی چاہئے۔ اس کا حصہ ادب سے دیا جائے، تو یہ اللہ کے نزدیک بڑا پسندیدہ عمل ہو گا۔ کراہت سے دیا جائے، تو وہ صورت نہیں ہوگی۔ بیوہ سے تعاون میت کے وارثوں کی شان ہوتی ہے۔ عزت و حکمت رضائے الٰہی کے علاوہ کسی مقام پر موجود نہیں۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝۲۴۱

اور مطلقات کے لئے بھی بھلائی کے ساتھ متاع ہے۔ یہ متّقین پر حق ہے۔

جن عورتوں کو طلاق دی جائے، ان کو بھی آسانی مہیا کرنی چاہئے۔ متاع دینا اور بھلائی کے ساتھ دینا یہ ہے، کہ ان کی ازدواجی زندگی کے بحال ہونے تک ان کی خدمت کی جائے، قولاً بھی اور عملاً بھی۔ یہ اللہ سے ڈرنے والوں کی شان ہے۔

حاصل : مطلقات کی ازدواجی زندگی کے بحال ہونے تک ان کی خدمت کرنا متّقین کی شان ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲۴۲ ع ۳۱ ۱۵

اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے نشانیاں بیان فرماتا ہے، کہ تم عقل کرو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ عقل مند وہی ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو مانے۔ جو بات اپنے لئے پسند ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند کی جائے تو باہمی احترام قائم رہتا ہے۔

حاصل : عقل مندی یہی ہے کہ جو اپنے لئے پسند ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند کیا جائے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :
أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾
[تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ کے تقوے پر اور رضا پر، وہ بھلا یا جس نے اپنی بنیاد ایک گراؤ گڑھے کے کنارے پر رکھی کہ وہ گر پڑے۔ اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾

اور کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا، جو اپنے گھروں سے نکلے موت کے ڈر سے اور وہ ہزاروں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا : کہ مر جاؤ۔ پھر انہیں زندہ کیا۔ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، ولیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

دیکھنے والوں کو دیکھنا، اور ان کی نظر سے دیکھنا بھی دیکھنا ہے، کہ مشاہدہ تو اسی کا کامل ہوتا ہے جو مخلص ہو۔ دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کا ایک سلسلہ بنتا چلا جاتا ہے، اور یہ سب دیکھنے والے ہی ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے، پھر انہیں موت نے آلیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اللہ کی قدرت کے احاطے کو دیکھ لیا جائے، اور مان لیا جائے۔ اس احاطہ قدرت کو دیکھ کر بھی من مانی ہی کی جائے، تو یہ ناشکری ہوتی ہے۔ زندگی اور موت لازم و ملزوم ہیں۔ جو آیا ہے وہ جائے گا بھی۔

حاصل : اللہ کا ڈر ہو، تو دوسرے ہر ڈر سے نجات ہو جاتی ہے۔ موت سے ڈرنے والے کا عمل بگڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت کو ماننا چاہئے، اور شکر کرنا چاہئے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾

اور لڑو اللہ کی راہ میں۔ اور معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

اللہ کی راہ میں لڑنا، مال اور جان سے جہاد کرنا ہے۔ موت کا ڈر ہو، تو جہاد ممکن ہی نہیں رہتا۔ خلوت و جلوت میں کسی بھی عمل سے موت کے ڈر کو ظاہر نہیں ہونا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو سمیع اور علیم ماننے کا ثبوت ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے لڑنے والا یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے، اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا

ہے کوئی جو اللہ کو قرض دے، قرضِ حسنہ،

حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ
وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ۝۲۴۵

تو اللہ اس کے لئے کئی گنا بڑھا دے۔ اور اللہ قبض بھی کرتا ہے، اور بسط بھی۔ اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

یہ اللہ کی شان ہے کہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا پر لگایا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قرض حسنہ فرماتا ہے۔ مال اور جان اللہ کی راہ پر لگے تو اس میں برکت برقرار رہتی ہے۔ کسی کی کوشش سے قبض و بسط کا تعلق نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ بندے سے قبض اور بسط کی پوچھ ہی نہ ہوگی۔ بندے کے ذمے یہی ہے کہ وہ حال پر حق ادا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین اس کے ہر عمل سے روشن ہو۔

حاصل : مال اور جان کو اللہ کی رضا پر لگایا جائے تو اس میں برکت ہوتی ہے۔ قبض و بسط منجانب اللہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین سیدھ کو برقرار رکھتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ
لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ
اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا
تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ
دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا
مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۲۴۶

کیا تم نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو نہ دیکھا موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد. جب انہوں نے اپنے نبی (علیہ السلام) سے کہا : کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے، تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ نبی (علیہ السلام) نے فرمایا : کیا تم سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم پر جہاد لکھ دیا جائے، پھر تم نہ کرو۔ عرض کرنے لگے : ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں، اور ہمیں تو اپنے گھروں اور بیٹوں سے جدا کیا گیا۔ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا، تو سوائے ان میں کے قلیل لوگوں کے، وہ منہ پھیر گئے۔ اور اللہ ظالموں کا علم رکھنے والا ہے۔

دیکھنے کا حاصل جس کے پاس ہو، اسی نے دیکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے اپنے نبی علیہ السلام سے یہ کہا کہ ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے۔ تاکہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا

کہ کیا تم سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاد کا حکم ہو جائے اور تم نہ کرو۔ کہنے لگے۔ ہمیں ہمارے گھروں اور بیٹوں سے جدا کیا گیا ہے۔ ہم کیوں نہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔ پھر جب جہاد کا حکم ہوا تھوڑے ہی لوگ اپنے عہد پر پورے رہے۔ باقی پھر گئے۔ بادشاہ کی چاہت میں خواہش موجود تھی، اور علیم مطلق سے تو کچھ مخفی نہیں ہے۔ نبی کا فرمان علم الٰہی سے ہوتا ہے۔ اس لئے نبی (علیہ السلام) نے اس طلب کے مستقبل کے امکان کو بھی واضح کر دیا، تاکہ ان لوگوں کو اپنے عہد کو پورا کرنے میں آسانی رہے۔ جب انہوں نے اللہ کی رضا کے ساتھ گھروں اور بیٹوں کا حصول بھی دیکھا، تو رخ کی وحدانیت میں فرق آ گیا۔ جب جہاد کا حکم ہوا تو وہ پھر گئے، سوائے قلیل لوگوں کے۔ جو اپنے عہد کو پورا کرنے کی بجائے اپنی خواہش کے پیچھے لگ جائے، وہ ظالم ہوتا ہے۔

حاصل : جس سوال میں بھی چاہت چھپی ہوئی ہو، وہ سوال بڑا خطرناک ہوتا ہے سائل کے لئے۔
اللہ کی رضا کے ساتھ اپنی خواہش کو نہیں ملانا چاہئے کہ خواہش کا اتباع راہ راست سے ہٹا دیتا ہے۔
اپنے عہد کے خلاف کرنا ظلم ہے۔ ظالم کا ظلم ہی اسے گھیر لیتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

اور ان کے نبی (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا : بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ ٹھہرایا ہے۔ کہنے لگے اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور اس سے بادشاہی پر ہمارا حق بڑا ہے۔ اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔ نبی (علیہ السلام) نے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر چن لیا ہے، اور اسے علم اور جسم میں زیادہ بسط ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ اپنا ملک عطا کرتا ہے جسے چاہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا : جہاد تم پر فرض کر دیا گیا، اور طالوت علیہ السلام کو تمہارا بادشاہ بنایا گیا۔ بادشاہی کی خواہش میں مبتلا لوگوں نے یہ کہا کہ طالوت علیہ السلام کے پاس مال کی وسعت نہیں ہے۔ جب بادشاہ وہی ہے جسے اللہ مقرر کرے، تو پھر استحقاق کا پیمانہ لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتا۔ جسے اللہ چن لے، دو انعام اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، علم میں بڑائی اور جسم میں بڑائی۔ بسط کی شان یہ ہے کہ وہ خیر اور غیر کے مابین وقف رکھے اور مشکل مقامات پر روشنی کا مینار ثابت ہو کہ پیچھے آنے والے آسانی سے گزر جائیں۔ بندے کی شان اہلیت کا رخ رکھنا ہے، چناؤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ جو اللہ کی پسند کو پسند کرے، اسے وسعت اور علم دونوں عطا ہوتے ہیں۔

حاصل : بہتر جاننے والے سے اپنی پسند کو بیان کرنے کی بجائے اس کی پسند کو معلوم کرنا چاہئے۔ علم کی بڑائی یہ ہے کہ خیر اور غیر میں وقف رہے، اور جسم کی بڑائی یہ ہے کہ مشکل مقامات پر سے ساتھیوں کو حفاظت سے گزارا جائے۔ اللہ کے چناؤ کو مانا جائے، تو وسعت اور علم دونوں عطا ہوتے ہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾

ع ۳۲ ۱۶

اور ان کے نبی (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا : کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے، کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے، اور آلِ موسیٰ (علیہ السلام) اور آلِ ہارون (علیہ السلام) کے ترکے کا بقیہ ہے، اسے ملائکہ اٹھا لائیں گے۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم مومن ہو۔

لوگوں نے جب نبی علیہ السلام کے ارشاد کو سنا، تو حضرت طالوت کی بادشاہی کی نشانی طلب کی۔ نبی کے ارشاد کے بعد ان پر یہ کھلا، کہ وہ تابوت جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ترکے کا بقیہ ہے، ان کے پاس اللہ کی مہربانی سے آجائے گا اور انہیں اس کے لئے کوشش نہیں کرنی پڑے گی۔ یہ تابوت باعثِ تسکین تھا ان لوگوں کے لئے کہ اس کی موجودگی میں انہیں برکت حاصل ہوتی تھی۔ سکینہ اسی کو عطا ہوتا ہے رب العالمین کی طرف سے، جو اپنے علم سے ساکن ہو جائے۔ مخلصین کا ترکہ قابلِ ادب ہوتا ہے، اور باادب کو ہی ملتا ہے۔ قابلِ ادب نشانی کا ادب کرنے والا بھی قابلِ ادب ہو جاتا ہے اور صاحب نشان ہو جاتا ہے۔

حاصل : مخلصین کا ترکہ قابلِ ادب ہوتا ہے، باعثِ تسکین ہوتا ہے، اور اسی کو ملتا ہے جو لائقِ ادب ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں فرمایا ہے :

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ ﴿٧٨﴾

[اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں پسند کیا، اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔]

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ

پھر جب حضرت طالوت (علیہ السلام)

إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ ۚ فَمَن
شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَن
لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ
اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا
مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا
جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۙ
قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ
وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ
أَنَّهُم مُّلَاقُو اللّٰهِ كَم مِّن
فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً
بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

لشکر لے کر باہر نکلے، فرمایا: بے شک اللہ تمہیں ایک نہر سے دیکھے گا۔ تو جس نے اس کا پانی پیا وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پیئے وہ میرا ہے، مگر وہ جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے۔ تو سب نے پیا سوائے ان میں سے قلیل لوگوں کے۔ پھر جب حضرت طالوت (علیہ السلام) اپنے ایمان والے ساتھیوں کے ساتھ پار پہنچے، تو کہنے لگے: ہمیں آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ جنہیں اللہ سے ملنے کا دھیان تھا، انہوں نے فرمایا کہ بارہا اللہ کے اذن سے قلیل گروہ کثیر گروہ پر غالب آئے ہیں۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے درخواست کی تھی۔ ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کیا جائے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ بادشاہ مقرر کرنے سے پہلے ان لوگوں کو اپنے عہد پر پورا رہنے کی تاکید فرمائی گئی۔ بادشاہ مقرر ہوا تو اس کی علمی اور جسمی فضیلت کا ان لوگوں سے اعتراف کروایا گیا، پھر اس کی بادشاہی کی نشانی کے طور پر ان لوگوں کو وہ تابوت بے سبب عطا کر دیا گیا جس میں ان کے رب کی طرف سے ان کے لئے سکینہ تھا۔ یہ سب کچھ واضح ہو جانے کے بعد حضرت طالوت علیہ السلام سے ان لوگوں کو جس قدر محبت ہوئی اس کا حال یہ ہے کہ جب حضرت طالوت علیہ السلام لشکر کو لے کر نکلے تو فرمایا کہ تمہارے راستے میں ایک نہر آئے گی، اور وہاں دیکھا جائے گا کہ تم میں سے کون میرے ساتھ ہے، اور کون اپنی خواہش کے تابع ہے۔ آپ نے فرمایا: جو وہاں سے پیئے گا وہ میرا نہیں۔ جو نہ پیئے وہ میرا ہے۔ اگر ناقابلِ برداشت صورت ہو جائے تو اپنے ہاتھ سے چلو لے لینے کی اجازت ہے۔ اس قدر واضح پیش گوئی کے سننے والوں پر جب مقامِ ابتلا آیا، تو قلیل لوگوں کے سوائے سب نے پیا۔ یہی قلیل لوگ ایمان والے ہوئے تو ان کا قول عملاً سچا ثابت ہو گیا۔ پانی پی لینے والے پہلے درجے پر تو ساتھ نہ رہے۔ پار پہنچ کر انہوں نے یہ کہا کہ ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ اس طرح دوسرے درجے پر بھی ساتھ نہ رہے۔ ایمان والے لوگوں کو اللہ سے ملنے کا دھیان ہوتا ہے۔ وہ اپنا حق ادا کرتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ ان سے پوچھ ہوگی۔ نتیجے کو باذن اللہ جان کر راضی رہتے ہیں۔ اللہ سے ملنے کا یقین رکھنے والوں نے ایمان والے حضرات سے فرمایا کہ بارہا اللہ کے اذن سے قلیل گروہ کثیر گروہ پر غالب آئے ہیں۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کے ساتھ سے بڑا

کوئی ساتھ نہیں ہے۔ حال پر اللہ کے ساتھ کا ثبوت اس کے محبوب سے محبت ہوتا ہے۔ علمِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کی صورت یہی ہے، کہ علم اور جسم کے اعتبار سے کسی کی فضیلت کے اعتراف کے بعد اس کی مانی جائے۔ اور اس کو اپنی منوائی نہ جائے۔

حاصل : علمی اور جسمی فضیلت کا اعتراف جہاں بھی ہو جائے، وہاں ماننا حق اور منوانا ناحق ہو جاتا ہے۔ جس سے محبت نہ ہو، اس کے امر کے تابع رہنا محال ہے۔ اس محبت کی حقیقت صبر اور ثابت قدمی ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهٖ قَالُوا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

پھر جب جالوت اور اس کے لشکروں کے سامنے آئے، دعا کرنے لگے : اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھیو، اور قوم کافرین پر ہماری نصرت فرما۔

جب ایمان والے جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابل آئے، تو انہوں نے مسبب الاسباب کو پکارا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ، اور قوم کافرین پر ہماری نصرت فرما۔ فی سبیل اللہ لڑنے والا معیتِ شاہدِ حق میں اپنی عظمت دیکھتا ہے۔ وہ نہ اپنے ذرائع کا زعم رکھتا ہے نہ دشمن کے ذرائع سے غم کھاتا ہے۔ یہ یقین اسے پورا رکھتا ہے ہر مقام پر کہ قادرِ مطلق کے ساتھ سے زیادہ حفاظت کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

حاصل : غیر کے مقابل آنے پر مسبب الاسباب کو پکارنا چاہئے اور یہی دعا کرنی چاہئے۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

تو انہوں نے ان کو اللہ کے اذن سے شکست دی اور حضرت داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کیا۔ اور اللہ نے آپ کو ملک اور حکمت عطا فرمائے، اور علم عطا کیا جو چاہا۔ اور اگر اللہ لوگوں میں بعض کو بعض سے دفع نہ کرے، تو یقیناً زمین برباد ہو جائے۔ ولیکن اللہ عالمین پر بڑے فضل والا ہے۔

ایمان والوں نے جالوت کے لشکروں کو شکست دی، اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا۔ جالوت کی فوج

کثیر تھی، وہ خود بھی بڑا ظالم تھا، اس کی تیاری بھی بہت تھی، اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں اس کا قتل ہو جانا حضرت داؤد علیہ السلام کی صداقت کی سند ہے۔ آپ اگر جالوت اور اس کے اسباب کو دیکھتے تو ضرور متاثر ہوتے۔ آپ نے طالوت علیہ السلام کے امر کو سنا اور حق کی ادائیگی میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صداقت کا انعام یہ بخشا کہ آپ کو سلطنت عطا فرمائی، حکمت عطا فرمائی، اور جو چاہا آپ کو علم عطا فرمایا۔ جالوت کی بادشاہی کا دور ظلمت رخصت ہوا اور نور کا دور طلوع ہوا۔ جب بھی انسانی تجویز لوگوں پر مسلط ہو جائے اور انہیں راہ حق پر رہنے سے روکے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دفعیے کی صورت بنا دی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین فساد سے بھر جائے۔ جو حاکم اپنے تضاد کو دور نہ کرے اس کا اقتدار ڈوبتے دیر نہیں لگتی، اس لئے کہ وہ اصلاح سے دور ہوتا جاتا ہے اور سرعت سے خسارے کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اس لئے وہ اپنی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور فضل کا ہی رخ رکھتا ہے۔ اس سے یہ بھی روشن ہوا کہ عالمین سب زمین ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور زمین کے علاوہ کسی بھی جگہ لوگ آباد نہیں ہیں۔

حاصل : مشکل ترین مقام کو اپنے لئے پسند کرنا اور دوستوں کو آسانی سے رکھنا، انعام یافتہ ہونے کا راستہ ہے۔ جو حاکم اپنے تضاد کو دور نہ کرے وہ خسارے کی طرف سرعت سے بڑھنے لگتا ہے، اور ساحلِ مراد سے دور ہی ڈوب جاتا ہے۔ مفسدین سے نجات بھی اللہ کا فضل ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں۔ اور آپ یقیناً مرسلین سے ہیں۔

حقائق کو ماضی کی شہادت سے بیان کرنا، صداقت کی سند کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بیانِ صداقت حضور کی رسالت کی شہادت دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے آئینۂ قدرت رکھ دیا ہے کہ ہر ایک اس میں اپنا رخ دیکھ لے، اور ماضی کی شہادت کی بدولت انجام سے بے خبر بھی نہ رہے۔ یہی مرسلین کی شان ہے۔

حاصل : حقائق کو ماضی کی شہادت سے بیان کرنا کہ لوگ اپنے رخ کی صحت یا نقص کو دیکھ سکیں، سب سے بڑا کام ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں فرمایا ہے :

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾

[اور فرما دیجئے کہ میں تو صاف ڈر سنانے والا ہوں۔]

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا

یہ رسول ہیں کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور بعض کے درجات بلند کئے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ
وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ
شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ
بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ
مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ
٢٢ ع ٥ ١ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ع ﴿٢٥٣﴾

مریم (علیہ السلام) کو روشن نشانیاں عطا فرمائیں اور روح القدس سے ان کی تائید فرمائی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکیں، ولیکن انہوں نے اختلاف کیا اور ان میں کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہو گیا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے، ولیکن اللہ جو چاہے کرے۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿(١٧: ١٥)﴾ ہم عذاب نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیج لیں۔ مرسلین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو توفیق عطا فرمائی جاتی ہے، وہ اس حال کے مطابق ہوتی ہے جس پر ان کو بھیجا جاتا ہے۔ اس توفیق کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ تفریق نہ کرنے کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک کو اس کے مقام پر پورا مانا جائے اور اس کی تقسیم کو بھی پورا مانا جائے۔ کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا، کسی کے درجات بلند کئے، اپنی نشانیاں عطا فرمائیں۔ حق کی احسن تبلیغ کے لئے جو بھی درکار تھا وہ مرسلین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا رہا۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حال پر موجود علم کسب پر حضرت کے غلبے کے لئے روح القدس سے ان کی تائید فرمائی گئی۔ اگر سب مرسلین کو ایک سی توفیق ہوتی تو علم کسب پر علم حق کا غلبہ روشن نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کی مدد کی جاتی ہے۔ ارشاد ہے: كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (١٧: ٢٠) ہم سب کی مدد کرتے ہیں، ان کی بھی اور ان کی بھی تمہارے رب کی عطا سے، اور تمہارے رب کی عطا پر روک نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق دی گئی ہے، اور اس توفیق کو اللہ کی رضا پر بھی لگایا جا سکتا ہے اور اپنے نفس کی خواہش پر بھی لگایا جا سکتا ہے، تو اختلاف کا امکان تو واضح ہے۔ جو ہدایت پر آئے گا وہ اپنے ہی بھلے کو آئے گا اور جو بھٹکے گا، تو اس کا بھٹکنا بھی اسی پر پڑے گا۔ یہ توفیق باقی مخلوق کے مقابل حضرت انسان کی شان کو ارفع ثابت کرتی ہے۔ حق کے روشن ہو جانے کے بعد، اس کی صداقت کی روشن نشانی دیکھ لینے کے بعد، ناقابل تردید سند دیکھ لینے کے بعد بھی انکار ہی کیا جائے، تو یہ کفر ہو گا۔ اور حق کو مان لینے کے بعد صاحب حق سے محبت ہو جائے تو یہ ایمان ہو گا۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے لوگوں کو توفیق بخشی ہے۔ اور اس توفیق کے استعمال سے لوگوں کا رخ متعین ہو رہا ہے، اور اس حیات دنیا میں یہی دیکھنا مقصود ہے کہ ہمارا رخ کیا ہے۔

حاصل: مرسلین کو توفیق حال کے مطابق عطا ہوتی ہے۔ اپنے اپنے مقام پر سب پورے ہیں۔
اختلاف کا امکان توفیق کی بدولت ہے۔ منشاء ازدی یہ ہے۔ کہ توفیق ازدی کے استعمال سے ہمارا رخ متعین ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم میں فرمایا ہے :
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾
[بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ان سے رحمٰن مودّت کرے گا۔]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

اے ایمان والو، ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم پر وہ دن آئے جس میں نہ بیع ہو گی، نہ خلت ہو گی اور نہ شفاعت ہو گی۔ اور کافر ہی ظالم ہیں۔

توفیق معطیٔ مطلق کی طرف سے حال پر عطا ہوتی ہے۔ حال ہی میں اس توفیق کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال میں لایا جائے تو فلاح ہو گی۔ اس لئے اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو خرچ کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے قبل اس کے کہ خرچ کرنا ممکن ہی نہ رہے۔ اللہ کا دیا ہوا رزق وہی ہے جس میں اس کی رضا موجود ہے۔ جو خلافِ حق اکٹھا کیا جائے وہ ناپاک ہے اور اللہ پاک کے نام پر خرچ کرنے کے لائق ہی نہیں۔ جو مہلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حال کی صورت میں دی گئی ہے، اس مہلت میں رزق کے خرچ کرنے کی صورتیں تین ہیں۔ پہلی صورت بیع کی ہے۔ بیع یہ ہے، کہ رزق سے وہ کچھ خرید اجائے جو حق کی احسن ادائیگی کے لئے درکار ہو۔ دوسری صورت خلت کی ہے۔ خلت یہ ہے کہ کسی دوست کی مدد کی جائے جس میں ذاتی غرض وغایت نہ ہو، تقویٰ موجود ہو، اور دوست کو حق کی ادائیگی میں مدد دے کر اس کا شکریہ بھی ادا کیا جائے کہ اس خلت کی بدولت ہی وہ رزق رضائے الٰہی میں کام آیا ہے۔ اور تیسری صورت شفاعت کی ہے۔ شفاعت یہ ہے کہ حدِ اصلاح کے اندر پیچھے رہ جانے والوں کی زندگی میں ان کے اپنے کئے کی بدولت گھر جانے کا مقام آجائے تو ان کا راستہ صاف کر دیا جائے، کہ وہ بھی مقصود کو پالیں۔ یہ تینوں صورتیں رزق کے خرچ کی ہیں۔ حال پر ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا ایمان اور امن کا ثبوت ہے۔ ان کا انکار ظلم اور خسارے کا ثبوت ہے۔

حاصل : جو رزق خلافِ حق اکٹھا کیا جائے وہ ناپاک ہے۔ اللہ پاک ہے۔ پاک رزق ہی اس کی رضا پر لگ سکتا ہے۔ رزق کے خرچ کرنے کی تین صورتیں ہیں حال پر، بیع، خلت اور شفاعت۔ تینوں مقامات پر مقصود اللہ کی رضا ہو تو رحمت وبرکت میں عروج ہو گا، اس کے خلاف رخ ہو تو انسانی تجویز کی بدولت خسارہ احاطہ کر لے گا۔

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ

اللہ، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی الحیّ القیوم ہے۔ نہ اسے اونگھ آئے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَــــُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اس کے اِذن کے۔ اسے علم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور اس کے علم سے احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے۔ اسے ان کی حفاظت گراں نہیں۔ اور وہی ہے بڑا عظمت والا۔

اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے۔ اس کے سوا الوہیت کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف جانا ہوگا، اور وہ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔ وہ زندہ ہے۔ اس کی زندگی کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ وہ قائم ہے۔ اس کے قیام کی بھی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا۔ مخلوق کو صفات خالق کی طرف سے عطا ہوئی ہیں۔ مخلوق کی صفات ابتدا اور انتہا سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک وقت کے لئے ہوتی ہیں، خالق کی صفات کا تعین ممکن ہی نہیں۔ ساری کائنات میں مطاعِ مطلق ایک ہی ہے۔ اسی لئے نظامِ ربوبیت میں کوئی تضاد نہیں۔ جس کا تعلق ابتدا اور انتہا سے ہے اس کو آرام کرنا بھی درکار ہوتا ہے اور اس طرح ہی اس کے فعل کا متوازن ہونا ممکن ہوتا ہے۔ بندے کو اونگھ بھی آتی ہے، نیند بھی آتی ہے۔ اونگھ سے جسم کو کچھ سکون ملتا ہے اور تھوڑے وقت میں اس کی قوتِ کارکرگی پھر بحال ہو جاتی ہے، نیند میں جسم کو پورا سکون ملتا ہے اور تمام اعضاء کی قوتِ کارکردگی تازہ ہو جاتی ہے۔ معبود کا کام جاری تھا، جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اس کا بے مثل ہونا کائنات کے اعتدال و توازن سے روشن ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے۔ اسی کے لئے نہیں ہے، کہ اسے کسی بھی شے کی احتیاج نہیں۔ جب سب کچھ اسی کا ہے، تو پھر سب کچھ مالکِ حقیقی کی رضا کے مطابق ہی استعمال بھی ہونا چاہئے ورنہ ناشکری بھی ہوگی، اور مالک سے دوری بھی ہوگی۔ شفاعت کی توفیق بھی اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے، اور اس کے محبوب بندے ہی اس شان کو پاتے ہیں، جن کا بولنا خواہشِ نفس کے تحت نہیں ہوتا۔ شفاعت کے بھروسے اگر کوئی اپنی مرضی کرنے لگے، تو وہ اپنے کیے کا ذمہ دار ہوگا۔ اسے حال ہی میں جان لینا چاہئے کہ شفاعت تو اذنِ الٰہی سے تعلق رکھتی ہے۔ ہماری ابتدا بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ ہماری انتہا بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ اس سے کچھ مخفی نہیں۔ اس کا علم کلی ہے۔ اور جس قدر وہ عطا کرنا چاہے، اسی قدر حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں بھی استکبار ہوگا، علمِ حقیقی نہیں ہوگا۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے۔ اس کا علم آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ اس لئے حقیقی علم وہی ہے، جو علمِ الٰہی کے تابع ہو۔ کائنات کی ہر شے پر اللہ تعالیٰ کا علم وسیع ہے۔ اس علم کی حقیقت حفاظت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کو گراں نہیں۔ اس کی بڑائی اور عظمت یہ ہے کہ وہ سب کو عطا کرنے والا ہے، اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں۔ وہ سب کو پوچھنے والا ہے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا دعویٰ ہے، اس کی رضا کو مقصود بنانا شہادت ہے۔ اور یہ دعویٰ اسی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ خالقِ کل کی صفات تعین سے پاک ہیں۔ مخلوق کی صفات ابتدا اور انتہا سے تعلق رکھتی ہیں۔ مالکِ حقیقی اللہ ہی ہے، ہر شے کا۔ شفاعت باذنِ اللہ ہوگی۔ ہمارا علم علمِ حقیقی کے تابع ہو تو حقیقی ہوگا۔ علم کی حقیقت حفاظت ہے۔ بندگی کے دائرے میں حفاظت کا حق ادا کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ 'العلی العظیم' کی معیت حاصل ہو۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

دین میں اکراہ نہیں۔ بے شک رشد گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ پھر جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے، تو اس نے مضبوط گرہ تھامی جو کھلنے والی نہیں۔ اور اللہ سننے والا علم والا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے : وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ---○ (۱۰ : ۱۰۰) [اور کوئی نفس ایسا نہیں کہ ایمان لائے مگر اللہ کے اذن سے۔] لہٰذا دین میں سختی کی اجازت نہیں۔ جہاں کوئی تبدیلی جبر کی بدولت ہوگی، وہ جبر کے ساتھ ہی قائم رہ سکے گی۔ جب جبر ختم ہو جائے گا، تبدیلی بھی باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رشد کو گمراہی سے الگ کر دیا گیا ہے۔ ناصحین کی محبت دل میں ہو، تو کفر، فسق اور عصیان سے کراہت ہو جاتی ہے۔ طاغوت کا انکار یہ ہے کہ خواہشِ نفس کا اتباع نہ کرے۔ اور اللہ پر ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شاہد کے حوالے سے مانے۔ یہ وہ مضبوط گرہ ہے جو نہ کھلنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، اور ہر آواز سننے والا ہے۔ علم والا ہے اور ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ سنانا اظہار بندگی کے لئے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا سننا بندے کی تکریم کے لئے ہوتا ہے۔ وہ اپنے بندے کے لئے جو بھی کرتا ہے، بندے کی بھلائی کے لئے کرتا ہے، اور علم سے کرتا ہے۔

حاصل : دین میں کسی کو زبردستی داخل کرنے کو اکراہ کہتے ہیں، اور یہ ناجائز ہے۔ ناصحین سے محبت ہو، کفر، فسق اور عصیاں سے کراہت ہو، تو یہ مضبوط گرہ کو تھامنا ہے، جو کبھی نہیں کھلتی۔ بندے کا سنانا اظہار بندگی کے لئے اور اللہ کا سننا تکریم بنی آدم کے لئے ہوتا ہے۔ دعا یہی کرنی چاہئے : یا اللہ تو علیم مطلق ہے۔ تجھ سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ تو ہمیں وہ علم عطا کر جو ہمارے لئے بہتر ہے۔ ہم اپنی پسند کو تیری پسند پر قربان کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ

اللہ ایمان والوں کا دوست ہے، انہیں ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اور

كَفَرُوٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع

کافروں کے دوست طاغوت ہیں، وہ انہیں نور سے ظلمات کی طرف نکالتے ہیں۔ یہی دوزخ والے ہیں۔ انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

اللہ کی دوستی کی حقیقت اس کی نصرت ہے اور رحمت ہے۔ اس نے ایمان والوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کے لئے اپنے شاہدین کو شرف بخشا ہے۔ جیسے سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے: [ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف نازل فرمائی، کہ تم لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لاؤ (۱۴: ۱)] اسی سورت میں ارشاد ہے: [ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔] اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔ ○ (۱۴: ۵) [کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لائیے۔] اس سے صاف روشن ہوا کہ شاہدین سے محبت رکھنے والوں کا اللہ ولی ہے۔ اور شاہدین کا عمل رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے اس لئے اللہ نے اسے اپنا عمل فرمایا ہے۔ کافر طاغوت سے دوستی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور شیطان ان کے اعمال کو انہیں زینت دے کر دکھاتا ہے۔ رخ خواہشات کے خلاف ہو اور صاحبانِ رضا کے اتباع کا ہو، تو یہ ظلمات سے نور کا رخ ہو گا، اور اس کے خلاف ہو تو رخ نور سے ظلمات کی طرف ہو گا۔ نور کی حقیقت ہدایت ہے۔ ہدایت کی صورت ابتدا سے انتہا تک ایک ہی ہے۔ حتیٰ کہ بزرگانِ دین کا وجود بھی ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ ان کا مقصود بھی ایک ہی ہے، اور وہ ہے رضائے الٰہی۔ ظلمات کی صورتیں کئی ہیں، اور تمام کی تمام شرک سے تعلق رکھتی ہیں۔ انسان کے سامنے ایک سے زائد معیار ہوں حق کی ادائیگی کے، تو وہ شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر تضاد اور اختلاف اسے گھیر لیتے ہیں۔ یہ دوزخ کا حال ہے۔ اور اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ طاغوت کا تو منشا ہی انسان کو وقتی تکلیف سے بچانا اور دائمی تکلیف کی طرف بڑھانا ہے۔

حاصل : شاہدین سے محبت رکھنے والوں کا اللہ دوست ہوتا ہے۔ شاہدین کی معیت ظلمات سے نور کی طرف آنے کی سند ہے۔ خوف و حزن کم ہو رہا ہو تو رخ ظلمات سے نور کی طرف ہو گا۔ خوف و حزن بڑھ رہا ہو، تو رخ نور سے ظلمات کی طرف ہو گا۔ طاغوت کا منشا انسان کو دائمی خسارے میں مبتلا کرنا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں فرمایا ہے:

قیامت کے دن جب فیصلہ ہو چکے گا، تو شیطان کہے گا: بے شک اللہ نے تمہیں سچا وعدہ دیا تھا۔ اور میں نے تمہیں جو وعدہ دیا تھا، وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا۔ اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا، مگر یہ کہ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔ ﴿۲۲﴾

[میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے مان لی۔ تو اب مجھے ملامت نہ کرو، اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ

کیا تم نے نہ دیکھا اس کو جس نے ابراہیم

فِي رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ
قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ
وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ
قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا
مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ ج

(علیہ السلام) سے جھگڑا کیا، اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی تھی۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا: میرا رب وہ ہے کہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا: میں زندہ کرتا ہوں، اور مارتا ہوں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا: تو بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے، تم مغرب سے لاؤ۔ تو کافر مبہوت ہو گیا۔ اور اللہ قومِ ظالمین کو ہدایت نہیں فرماتا۔

ماضی پر جب حال کی شہادت ہو جائے، تو اس کی حقیقت ماضی کو دیکھنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بادشاہ کو اپنے رب کی طرف بلایا۔ اس نے آپ سے جھگڑا کیا اور پوچھا تمہارا رب کون ہے۔ آپ نے فرمایا: وہی جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نہ ہونے سے ہونا کرتا، اور ہونے سے نہ ہونا کرتا ہے۔ حیات کا مقام اس بادشاہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے الحیّ ہونے کا ثبوت تھا۔ پھر جہاں حیات آتی ہے وہاں موت بھی آتی ہے۔ یہ ابتدا و انتہا پر دعوتِ فکر و نظر تھی۔ اس کے جواب میں اس نے یہ کہا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ بادشاہ کا کسی قیدی کو چھوڑ دینا زندہ کرنا نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں مقامات تو ہر نفس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اگر وہ ان دونوں مقامات کو ایک ہی نفس میں دکھا دیتا، یعنی جسے مارا تھا، اسی کو زندہ کر کے دکھاتا تو یہ اس کی صداقت کا ثبوت ہو سکتا تھا۔ مگر اس نے تو جھگڑا کیا اور بے سند بات کی۔ اللہ تعالیٰ سے مقابلے کی بات کی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میرے اللہ کے مقابل تم قدرت کا دعویٰ کرتے ہو، تو دیکھو میرا اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تم اس کے خلاف سمت مغرب سے لا کر دکھاؤ۔ جب بھی جھگڑا کرنے والے پر اس کی عاجزی واضح ہو جاتی ہے، وہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ جھگڑا کرنے والے کو اس کے دعوے کی حدود کے اندر لا کر کھڑا کر دیا جائے، تو وہ بے آسرا ہو جاتا ہے اور مبہوت ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ اگر حق کی طرف بلانے والے کے رب کو مان لے اور بلانے والے کے حوالے سے مان لے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے دیتا ہے، جیسے اس نے فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں کو ہدایت دی۔ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حاصل: معطیِ مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کی عطا کو اپنی قدرت سمجھنے والے اہلِ حق سے جھگڑتے ہیں۔ جو اپنی ابتدا اور انتہا پر نظر نہ کرے۔ اسے اس کے دعوے کی حدود میں لے آنا چاہئے۔ جبھی وہ مبہوت ہو کر رہ جائے گا۔ حق کو مان لے اور صاحبانِ حق کے حوالے سے مان لے، تو ہدایت عطا ہو گی۔ اور اگر مبہوت ہو کر بھی انکار کو نہ چھوڑے، تو ایسے ظالم کو ہدایت نہیں ہوتی۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ
خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا ج قَالَ
أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ
فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ
بَعَثَهُ ط قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ط قَالَ
لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط
قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ
إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ
وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ
آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ
كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا
لَحْمًا ط فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ لا قَالَ
أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا اس کی طرح جو ایک قریئے پر گزرا جو گرا ہوا تھا اپنی چھتوں پر، عرض کرنے لگا: اللہ اس کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا۔ تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس، پھر اٹھایا۔ فرمایا: آپ کتنی دیر ٹھہرے، عرض کیا: ایک دن ٹھہرا ہوں گا یا ایک دن سے کچھ کم۔ فرمایا: بلکہ آپ سو برس رہے۔ تو اپنے کھانے اور پینے کو دیکھیے، سڑا نہیں۔ اور اپنے گدھے کی طرف نظر کیجئے۔ اور اس لئے کہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرائیں۔ اور ہڈیوں کی طرف نظر کیجئے، کیسے ہم انہیں اٹھان دیتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ تو جب یہ اس پر روشن ہو گیا، عرض کیا: مجھے بڑا علم ہوا ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

دوسری مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے ایک محبوب بندے کا ایک برباد بستی سے گزر ہوا تو اس کی بربادی کو دیکھ کر یہ کہنے لگے، کہ اللہ تعالیٰ اس کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا۔ مردوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ اس کے فرمان سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن سب کو زندہ کیا جائے گا، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ وہ حضرت اپنی عرض کے بعد موت کی نیند سلا دیے گئے۔ سو برس گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اٹھا کر پوچھا، آپ کتنی دیر یہاں ٹھہرے رہے۔ عرض کیا، ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ اس لئے کہ اس دن جس وقت آپ نے یہ عرض کیا تھا، کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا، اٹھائے جانے کے دن بھی تقریباً وہی وقت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ آپ سو برس رہے۔ اب قدرت کے مشاہدے کی دعوت دی گئی۔ کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھیے، یہ ابھی باسی نہیں ہوئیں۔ اور اپنے گدھے کو دیکھیے، اس کی ہڈیاں بکھر چکی ہیں۔ ہم انہیں کیسے اٹھاتے ہیں۔ پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ جب یہ آپ پر روشن ہو گیا تو آپ کا کیفیتِ احیائے موتیٰ کا سوال پورا ہو گیا، اور آپ عرض کرنے لگے، مجھے بڑا علم ہوا ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اس سے پہلے علم ضرور تھا، مگر شاہدین

میں سے ہونے کا مقام نہ تھا۔ جو ماضی کی بات ناقابلِ تردید صورت میں کرے، اور اس کی صحت کی اسناد بھی موجود ہوں، اور اس کا علم کتاب و شنید پر مبنی نہ ہو تو ایسا شاہد لوگوں کے لئے نشانی ہو جاتا ہے۔

حاصل : جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے دعوے میں سچے ثابت ہو جاتے ہیں ان کے لئے، اگر وہ چاہیں، تو مستقبل کو بھی حال بنا دیا جاتا ہے۔ انہیں قدرت کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ انہیں لوگوں کے لئے نشانی بنایا جاتا ہے۔ اور وہ لوگوں کو اللہ کے اذن کی بدولت ظلمات سے نور کی طرف لانے لگتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۠ ﴿٢٦٠﴾ ع ٣٥ ٣

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا : اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کیسے مردے زندہ کرے گا۔ فرمایا : کیا آپ مانتے نہیں۔ عرض کیا : بے شک مانتا ہوں ولیکن اطمینانِ قلب کے لئے یہ چاہتا ہوں۔ فرمایا : چار طیور پکڑ لیجئے۔ پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لیجئے۔ پھر ہر پہاڑ پر ان کے ایک ایک جز کو رکھ دیجئے۔ پھر انہیں بلایئے، دوڑے چلے آئیں گے۔ اور معلوم رہے کہ بے شک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

کیفیتِ احیاءِ موتیٰ کے دکھانے کی دعا اللہ تعالیٰ سے قرب کے اعلیٰ درجے کو ثابت کرتی ہے۔ بندے کا دیکھنا وہ درجہ نہیں رکھتا، جو اس کے رب کی طرف سے دکھانے کا درجہ ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی : اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کیسے مردے زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا : کیا مانتے نہیں۔ عرض کیا : بے شک مانتا ہوں، ولیکن اطمینانِ قلب کے لئے یہ چاہتا ہوں۔ اطمینانِ قلب سے لوگوں کے بکھرے ہوئے وجود ایک ہوتے ہیں۔ اطمینانِ قلب سے ہی لوگوں کی صلاحیتوں کو مجتمع اور یکسو ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ اور اطمینانِ قلب ہی وہ کشش ہوتی ہے، جو لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف کھینچ رہی ہوتی ہے۔ جس سے اطمینانِ قلب کی تقسیم ہو، اس کے لئے دست بدعا رہنا بھی اظہار بندگی کے لئے ضروری ہے۔ حکم ہوا چار پرندے پکڑ لیجئے۔ اپنے ساتھ مانوس کر لیجئے۔ پھر ان کے اجزا بنا لیجئے اور کیفیتِ احیائے موتیٰ دیکھنے کے لئے جو بھی، آپ کو پسند ہو، کیجئے۔ پھر اجزا کو ہر پہاڑ (جو آپ کے نزدیک ہی تھے) پر رکھ دیجئے اور پرندوں کو بلایئے۔ وہ دوڑے چلے آئیں گے۔ پرندوں پر موت کا مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آیا۔ ان کے اجزا کو انہوں نے باہم خلط کیا۔ جب ان کے نزدیک طیور کے اجزا ایک ہی جیسے ہو گئے تب آپ نے انہیں پہاڑوں پر رکھ دیا اور بلایا۔ امرِ الٰہی سے وہ دوڑے

چلے آئے۔ احیائے موتیٰ کا مقام تو مستقبل میں رکھا گیا ہے، مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا پر سب کچھ قربان کر دیتے ہیں، وہ اگر چاہیں تو ان کے لئے مستقبل کو حال بھی بنا دیا جاتا ہے۔ حال آئے تو علم کو رفعت ملتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے عزیزٌ حکیم ہونے پر شاہد ہونے کا مرتبہ عطا ہوتا ہے۔

حاصل : احیاء موتی پر ایمان ہونا ابتدائی درجہ ہے۔ اطمینانِ قلب شاہدین کو عطا ہوتا ہے، اور انہی سے محبین کو حاصل ہوتا ہے۔ تجربے اور مشاہدے میں گمان کی ہر شکل کو قبلِ بلوغت موت سے بچانا چاہئے۔ حال آئے، تو رفعتِ علم اور اطمینانِ قلب عطا ہوتا ہے۔ عزت و حکمت معیتِ حق کے علاوہ کسی مقام پر موجود نہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا :

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ – ﴿۴۲﴾

[کہ جو ہلاک ہو، روشن نشانی سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، روشن نشانی سے زندہ رہے۔]

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶۱﴾

مثال ان لوگوں کی جو فی سبیل اللہ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ، جس سے اگیں سات بالیں، ہر بالی میں سو دانے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے لئے چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرنا یہ ہے کہ اموال کو اس کی امانت سمجھ کر اس کے محبوب کی تعلیم کے مطابق اس کی رضا پر خرچ کیا جائے۔ خرچ کے ہر مقام پر دو صورتیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک خواہشِ نفس کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اور دوسری رضائے الٰہی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ رضائے الٰہی کے لئے ہو تو معطیٔ مطلق کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ وہی عطا کرنے والا ہے، اور قبول کرنے والے کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ اس کے قبول کرنے کی بدولت وہ شے خواہشِ نفس پر لگنے سے بچی۔ جس کے ساتھ معاملہ فی سبیل اللہ کیا جائے، اسے فی سبیل اللہ معاملہ کرنے کا علم ہو جاتا ہے۔ جو آسانی اسے حاصل ہوتی ہے، وہ اس آسانی کا قاسم بن جاتا ہے۔ اور اس طرح یہ سلسلہ خیر جاری ہو جاتا ہے، اور بڑھتا چلا جاتا ہے، جیسے ایک دانے سے سات بالیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ فاعلِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی رہتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حساب کتاب رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ حساب کتاب کرتا ہے۔ جو اس کے ساتھ بے حساب ہو جائے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی بے حساب ہو جاتا ہے۔ اس کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔

حاصل : اموال خواہشِ نفس پر خرچ ہوں تو ان سے سلسلۂ خیر جاری نہیں ہوتا۔ رضائے الٰہی پر خرچ ہوں، تو وہ سلسلۂ خیر جاری ہوتا ہے جو بڑھتا ہی رہتا ہے۔ اور جس سے وہ چلا ہے اس کے لئے

بھی باعثِ برکت ہوتا ہے۔ ہر شے تصرف میں لاتے وقت رضائے الٰہی ملحوظ رہے تو واسعٌ علیم کی شان روشن ہوتی ہے بندے پر۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

جو لوگ اپنے اموال کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذا دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

حکم ہے : وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ (۲: ۱۹۵) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ معلوم ہوا اللہ کی راہ کے علاوہ خرچ کی جملہ صورتیں اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنے کی ہیں۔ جو لوگ اپنے اموال کو فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذا دیتے ہیں، (احسان جتانا قول سے ہوتا ہے اور ایذا دینا عمل سے ہوتا ہے۔) ان کا عمل فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔ وہ اس کے بعد کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہوتا ہے۔ جن کا عمل فی سبیل اللہ ہو، وہ سب سے بڑا حق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو مانتے ہیں۔ اسی لئے ان کی ذات ہر سطح پر ٹکراؤ سے محفوظ رہتی ہے۔ ہدایت کی روشنی ان کے ماحول کو منور رکھتی ہے۔ یہ خوف و حزن سے نجات کی سند ہے۔

حاصل : اپنے اموال کو فی سبیل اللہ خرچ کرنا ہی اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنے سے بچنا ہے۔ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے بعد قول یا عمل سے اس کا اظہار کرنا اللہ کے نزدیک اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ ذات تضاد سے پاک رہے اور ماحول اختلاف سے پاک رہے تو یہ خوف و حزن سے نجات کا ثبوت ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

قولِ معروف اور مغفرت اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے ایذا ہو۔ اور اللہ غنی، حلم والا ہے۔

قولِ معروف بھلائی کی وہ بات ہے۔ جس سے طالبِ خیر کو فائدہ پہنچے قول سے۔ اور اس سے مغفرت و درگزر یہ ہے، کہ اس کے بیان کی سختی کو نرمی سے دیکھا جائے، اور اسے راستہ دیا جائے۔ یہ اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے ایذا لگی ہو۔ اللہ کی رضا کے علاوہ جو بھی شکل ہو گی دینے کی، ایذا سے خالی نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ بندے کی طرف سے اللہ کی راہ پر خرچ کرنا بندے کی صداقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ معطیٔ مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی عطا پر تو کوئی روک ہو نہیں سکتی۔ وہ

طالبِ خیر کے بیان کی کمزوری پر گرفت نہیں کرتا، مزید کرم کرتا ہے۔ یہ اس کے حلم کی شان ہے۔

حاصل : جس قول سے دوسرے کو فائدہ پہنچے، وہ قولِ معروف ہے۔ اور سختی کو نرمی سے راستہ دیا جائے تو یہ مغفرت ہے۔ جس صدقے کے بعد ایذا ہو وہ اللہ کی رضا سے خالی ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اللہ کی مخلوق کے ساتھ تقسیم میں حلم سے پورا رہنا چاہئے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُۥ وَابِلٌ فَتَرَكَهُۥ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٦٤﴾

اے ایمان والو، اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر باطل نہ کرو۔ اس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور یومِ آخر پر ایمان نہیں لاتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے صاف پتھر پر کچھ مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ برسے تو اسے صاف کر چھوڑے۔ اپنے کسب سے کسی شے پر قابو نہ پائیں گے۔ اور اللہ قومِ کافرین کو ہدایت نہیں دیتا۔

صدقات وہی مقبول ہیں جن کا مقصود رضائے الٰہی ہو۔ اور جن کے بعد احسان جتانا اور ایذا دینا ہو وہ باطل ہو جاتے ہیں۔ جو صدقے کے بعد احسان جتائے اور ایذا دے اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہوتا، نہ ہی وہ یومِ جزا کو مانتا ہے۔ وہ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور انہی سے اجر کی توقع رکھتا ہے۔ اس کا دل اس پتھر کی طرح ہوتا ہے، جس پر کچھ مٹی ہو۔ اس میں بیج بویا بھی جائے، تو اس کے اگنے کے لوازمات تو وہاں ہوتے ہی نہیں۔ جب اس پر زور کا مینہ برسے تو مٹی بہہ جاتی ہے، اور پتھر کا پتھر ہی رہ جاتا ہے۔ جس کا دل شاہد کی محبت سے خالی رہتا ہے، وہاں غیر اور غرور کا ڈیرا ہو جاتا ہے اور وہ دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ اس کی ریاکاری کی حقیقت بھی کھل کر لوگوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ جب یہ روشن ہو جاتا ہے کہ اس کا عمل لیک خواہش اور غرض و غایت کے تحت تھا، تو عیب لگانے والوں کا زورِ بیان صدقے کے پیچھے کارفرما جذبے کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جس کا عمل لوگوں کے عیب لگانے سے معطل ہو جائے اور ختم ہو جائے، اس کا عمل اللہ کے لئے نہیں ہوا کرتا۔ دکھاوے کا عمل کرنے والے کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے محبوب کا انکار کرنے والوں کو راستہ نہیں دیا جاتا۔

حاصل : صدقات کے ساتھ احسان جتانا اور ایذا دینا صدقات کو باطل کر دیتا ہے۔ جب ریاکاری ہو، تو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان نہیں ہوگا۔ اجر کا سوال چاہے خفی ہو یا جلی، ہوگا لوگوں ہی سے۔

جیسے پتھر پر پڑی مٹی زور کے مینہ سے دور ہو جاتی ہے۔ ویسے ہی دکھاوے کے عمل پر لوگ عیب لگا دیں تو وہ عمل ختم ہو جاتا ہے۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دی جاتی ہے، جو ہادی کا اتباع کرے اور اس سے محبت رکھے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا
مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ
بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ
أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ
فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾

اور ان کی مثال جو اپنے اموال کو اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں، اور اپنے انفس کے ثابت رکھنے کو، اس باغ کی سی ہے جو اونچائی پر ہو۔ اس پر زور کا مینہ پڑے تو دونے میوے لائے، اور اگر زور کا مینہ نہ پڑے تو پھوار ہی کافی ہے۔ اور اللہ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے۔

ریاکاری میں مال تو خرچ کیا جاتا ہے، اموال کو کبھی دکھاوے پر نہیں لگایا جاتا۔ اموال کو وہی لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اور ہر مقام پر چاہتے ہیں۔ یہ اپنے نفس پر قادر لوگ ہیں، جو یہ دیکھتے ہیں کہ جو شے بھی ان کی خواہش پر لگ جائے گی، اس کا حساب کتاب ان کے گلے پڑ جائے گا۔ اور علیم مطلق کے علم سے دوری کی بدولت مشقت بھی ضرور ہو گی۔ اس طرح ان کو ثبات عطا ہو جاتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک باغ ہو اونچائی پر، زور کی بارش آئے تو اس کا میوہ دونا ہو، اور اگر پھوار بھی پڑے تو وہ بھی کافی ہے۔ صداقت کا ثبوت مخالف کے مطابق رہنا ہے۔ جب عیب لگانے والے خوب عیب لگائیں، تو رضائے الٰہی چاہنے والے اپنی صداقت کا ثبوت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں: یا اللہ تیرا فضل ہے کہ تو نے ہمیں بھی اپنے شاہدین کے ساتھ لکھ لیا ہے۔ اور اگر عیب لگانے والے شدت کا اظہار نہ کریں تو بھی وہ ایک حد تک ضرور جاتے ہیں۔ اور اللہ کی رضا پر نظر رکھنے والے استقامت کا ثبوت دیتے ہوئے فلاح پاتے رہتے ہیں۔ انھیں یہ یقین تقویت دیتا ہے کہ جس کے لئے وہ کر رہے ہیں، وہ دیکھ رہا ہے۔

حاصل: اپنے اموال کو اللہ کی رضا پر لگانا اور عیب لگانے والوں کے ساتھ نہ الجھنا، صداقت کی روشن سند ہے۔ مخالفت سے واسطہ ہو اور پورا رہنے کا ثبوت ہو، تو یہ قول کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل دیکھ رہا ہے، سچا ثابت ہو جاتا ہے۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ
جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ

کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو، کھجوروں اور انگوروں کا، جس کے تحت نہریں جاری ہوں۔ اس کو اس میں سب ثمرات حاصل ہوں۔ اور اس پر

فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾ ع ۳۶

بڑھاپا آ گیا، اور اس کی اولاد ناتوان ہے۔ تو اس پر ایک بگولا آیا جس میں آگ تھی، تو جل گیا۔ ایسے ہی اللہ تم سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم تفکّر کرو۔

اللہ تعالیٰ نے دعوتِ فکر دیتے ہوئے فرمایا ہے، کہ کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے، کہ اس کا ایک باغ ہو، اس میں کھجوریں اور انگور ہوں، باقی سب ثمرات بھی ہوں، اس میں زیرِ زمین نہریں ہوں، تاکہ زیرِ زمین پانی کے ایک خاص سطح پر رہنے کی بدولت وہ سیراب رہے اور سیم اور تھور سے بھی محفوظ رہے۔ باغ بہار پر ہو، اور باغ والے پر بڑھاپا آ جائے۔ اولاد بھی اس کی ناتواں ہو۔ ایسے میں اس باغ پر ایک بگولا آئے جس میں آگ ہو۔ جو باغ کو جلا دے۔ تو یہ تو کسی کو بھی پسند نہ ہو گا۔ اب یہ دیکھنے کی بات ہے، کہ عملی زندگی میں ہم اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ نعمت کو اس طرح سنبھالا جاتا ہے، کہ وہ وقت پر بھی کام آئے اور بے وقت بھی کام آئے۔ جب کسی نعمت کا بدل ممکن نہ رہے، تو وہ نعمت بڑی نعمت ہو جاتی ہے۔ جس نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے وہ زندہ سلامت رہتی ہے۔ جس کا شکریہ ادا نہ کیا جائے وہ جل جاتی ہے۔ اسے ایک بگولا آ لیتا ہے جس میں آگ ہوتی ہے۔ عدوِّ مبین کی طرف سے جو بھی آئے وہ آگ ہے۔ جو اس کے ساتھ الجھ جائے وہ جل جاتا ہے۔ جو اللہ کی رضا پر نظر رکھے وہی اس آگ سے بچ سکتا ہے۔

حاصل : جس نے نیک عمل بھی کیا ہو، اور کسی طعنہ دینے والے سے الجھ بھی پڑے، اس نے انتہائی ضرورت کے وقت نیک عمل کو ضائع کر لیا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے اس کے محبوب کی محبت کی مضبوط گرہ کو تھامنا چاہئے جو کھلتی نہیں۔ اسی آسرے میں ہی حفاظت ہے، شیطان سے بھی اور شرارت سے بھی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف میں فرمایا ہے :

فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

[تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو، اسے چاہئے کہ صالح عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا

اے ایمان والو، خرچ کرو طیبات سے جو تم کماتے ہو، اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔ اور اس میں سے خراب کا قصد نہ کرو، کہ دو تو اس میں

تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

سے اور تمہیں ملے تو نہ لوگے مگر یہ کہ اس میں اغماض برتو۔ اور معلوم رہے کہ اللہ غنی ہے حمد کیا ہوا۔

ایمان والوں سے خطاب ہے، کہ اپنی پاک کمائیوں سے خرچ کرو۔ پاک کمائی وہ ہے جس کا منشا اللہ کا فضل ہو، اور شاہد اس کی تصدیق کرے۔ زمین سے جو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے نکالتا ہے، وہ اناج ہو، ثمرات ہوں، یا دوسری چیزیں ہوں، ان کو عطائے ربّی جاننا ضروری ہے۔ اور عطائے ربّی کے لئے سعی کے حکم کی بجا آوری میں بھی رخ اللہ کا ہی رہنا چاہئے۔ جو بھی عطا ہو، وہ ہے تو معطیٔ مطلق کی طرف سے۔ جب اس کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے تو اللہ کی پسند کو اپنی پسند سے کم تر درجہ نہیں دینا چاہئے ورنہ خراب چیز ہی اللہ کی راہ میں دی جائے گی۔ جو اگر ہمیں دی جائے تو ہم اسے لینا پسند نہ کریں گے۔ چشم پوشی کر جائیں تو یہ الگ بات ہے۔ اغماض میں قبول کرنے والے کی رضا شامل نہیں ہوتی، انکار محال ہوتا ہے، اس لئے قبول کرتے ہی بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بنایا ہے۔ اپنے لئے کسی شے کو مخصوص نہیں کیا۔ یہ ہے غنی ہونے کی شان۔ جب عطا کرنے والا ہے ہی وہی قادرِ مطلق، تو اس سے بڑا حمد والا کوئی ہو نہیں سکتا۔ اس عطا کی شان بھی اعظم ہے، کہ ماننے والے کو بھی پالا جا رہا ہے، نہ ماننے والے کو بھی پالا جا رہا ہے۔

حاصل : مومن کی کمائی کی حقیقت اللہ کا فضل ہے۔ سعی میں رخ پالنے کا رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنا بڑا علم ہے اور یہ مخلصین سے سیکھنا چاہئے۔ اپنی پسند کی رو سے دیکھا جائے تو جو ہمیں دینا پسند ہے، وہی ہمیں لینا بھی پسند ہونا چاہئے۔ جس کا دینا بھی اللہ کی رضا کے لئے ہو، لینا بھی اللہ کی رضا کے لئے ہو، اسے غنیٔ حمید کی شان معلوم ہوگی۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ ښ

شیطان تمہیں محتاجی کا وعدہ دیتا ہے اور بے حیائی کا امر کرتا ہے۔ اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے مغفرت کا اور اپنے فضل کا۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

شیطان انسان کو ہمیشہ گھاٹے کا پہلو ہی دکھاتا ہے۔ جب انسان کی خواہشات اس پر سوار ہو جاتی ہیں، تو شیطان اسے دوسروں کے حقوق کو اپنی خواہشات پر قربان کرنے کا امر کرتا ہے۔ یہ بے حیائی کا امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر خرچ کرنے سے راحت بھی حاصل ہوتی ہے، برکت بھی حاصل ہوتی ہے۔ صدقات سے مغفرت اور فضلِ الٰہی کا عطا ہونا یقینی امر ہے جب کہ ان کے بعد احسان جتانا اور ایذا دینا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ وسعت دیتا ہے، اور علم سے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت دے تو وسعت ملتی

ہے، کسی انسان کی تجویز سے اسے وسعت نہیں ملتی۔

حاصل : شیطان ہمیشہ انسان کو گھاٹے کا پہلو دکھاتا ہے، اور دوسروں کے حقوق کو اپنی خواہشات پر لگانے کا امر کرتا ہے۔ اس سے وسعت حاصل نہیں ہوا کرتی۔ وسعت تو اللہ ہی دے تو بات بنتی ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

اور حکمت عطا فرماتا ہے، جسے چاہے۔ اور جسے حکمت عطا ہوئی اسے خیر کثیر عطا ہوئی۔ اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

حکمت یہ ہے، کہ چیزوں کو وہاں رکھا جائے جہاں خالقِ کل کے علم کے مطابق انھیں حال پر ہونا چاہئے۔ یہ شرف اسے عطا ہوتا ہے، جو مغفرت اور فضلِ الٰہی کا طالب ہوتا ہے۔ اور جسے حکمت عطا ہو، اسے خیرِ کثیر عطا ہوتی ہے، کہ اس کی اپنی زندگی میں بھی راحت بڑھتی رہتی ہے اور اس کے محبین کی زندگی میں بھی راحت خوف و حزن کی جگہ لینے لگتی ہے۔ جہاں تقابل کر کے دیکھا جائے گا کہ نصیحت کرنے والا غرض و غایت سے پاک ہے، اور شیطان کی طرف سے گھاٹا دکھانا بے سند بات ہے، تو عقل والے ضرور نصیحت کو مان لیں گے۔

حاصل : حال پر اللہ کی رضا کے مطابق کسی چیز کا محل جاننا حکمت ہے۔ یہ بہت بڑا شرف ہے جو مغفرت اور فضلِ الٰہی کے طالب کو عطا ہوتا ہے۔ جہاں بھی رخ خواہشِ نفس اور حق کے تقابل کا ہو، ناصحین کے علم سے عقل والے ضرور فیضیاب ہوں گے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور تم جو خرچ کرو یا نذر مانو، تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے۔ اور ظالمین کا کوئی مددگار نہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ خرچ کیا جائے یا نذر مانی جائے، اس کے پیچھے نیّت اس سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ خرچ کرنے کی صورتیں متعین ہیں۔ نذر کی صورت حال پر متعین کی جاتی ہے۔ اور نذر ماننے والا شکرِ خداوندی بجالانے کے لئے حال پر اللہ تعالیٰ سے ایک عہد کرتا ہے۔ اس عہد کا منشا خیرات میں سبقت کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو پورا نہ کیا جائے، تو یہ غداری اور ظلم بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

حاصل : انفاق کی صورتیں واضح اور روشن ہیں۔ نذر کی صورت کا تعین حال پر کیا جاتا ہے۔ نذر کا منشا خیرات میں سبقت کرنا ہے۔ نذر کو پورا نہ کیا جائے تو یہ ظلم ہے۔ ظلم اللہ سے دوری کا باعث

ہوتا ہے۔

إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾

اگر صدقات ظاہر کر کے دو، تو کیا اچھی بات ہے۔ اور اگر مخفی کر کے دو فقراء کو، تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور تمہاری برائیوں کی نفی ہو گی۔ اور اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

صدقات کے ظاہر کر کے دینے کا مقام یہ ہے کہ جس کو صدقہ دیا جا رہا ہو، اس کی مدد کی طرف دوسروں کو متوجہ ہونے میں مدد دی جائے۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ اور اگر فقراء کو مخفی کر کے دیا جائے تو یہ دینے والے کے لئے بہتر ہے، کہ اس نے وقتی طور پر کام پورا کر دیا ہوتا ہے اور کسی دوسرے کی مدد وہاں درکار نہیں ہوتی۔ جب بھی دوسروں کی زندگی سے مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی، اللہ تعالیٰ ایسے سعی کرنے والے کو آسانیاں عطا فرما دے گا اور اس کی برائیوں کی نفی ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ نہ اس سے کسی کا عمل مخفی ہے اور نہ اس سے کسی عامل کی نیت مخفی ہے۔ ہمارے عمل پر اللہ کے محبوب کی شہادت ہو، تو اللہ تعالیٰ کو خبیر ماننے کی شہادت ہمارے عمل سے ہو رہی ہو گی۔

حاصل : جس صدقے میں دوسرے لوگوں کو بھی شامل کرنا مقصود ہو، کہ جماعت کا عمل ہے، وہ ظاہر کر کے دینا چاہئے۔ اور جہاں فرد ہی مشکل کشائی کر سکتا ہو، وہاں فرد کو دینا چاہئے۔ جو دوسروں کی مشکلات میں مدد کرے گا، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانیاں بھی عطا ہوں گی، اور اس کی برائیوں کی نفی بھی ہوتی رہے گی۔

لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾

انہیں ہدایت دینا آپ کے ذمے نہیں۔ ولیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جو تم خرچ کرو گے تو تمہارا ہی بھلا ہے۔ اور تمہیں خرچ نہیں کرنا چاہئے مگر اللہ ہی کا رخ چاہنے کے لئے۔ اور جو تم خرچ کرو گے تمہیں پورا ملے گا۔ اور تم پر ظلم نہ ہو گا۔

ہدایت اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ اور دیتا اسے ہے، جو اس کے محبوب کا اتباع کرے محبت سے۔ جو اللہ کے محبوب کو چاہے، اللہ اسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔ جو توفیق اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، وہ خرچ ضرور ہو گی۔ اگر وہ اللہ کا رخ رکھتے ہوئے خرچ ہو گی، تو محسنین میں شمار ہو گا۔ ورنہ اپنے ہاتھوں ہلاکت خریدنے سے بچنا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے خیر کا

رخ رکھنے میں طالبِ خیر کا ہی بھلا ہوتا ہے۔ جو اللہ کا رخ رکھے گا، وہی عملاً شاہد کا اتباع کرے گا۔ اور اسے یہ مرتبہ حاصل ہو گا کہ حال پر توفیق میں کمی کے احساس سے نجات ہو جائے گی۔ شکایت وہاں سے رخصت ہو جائے گی، شکریے کا محل بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفالت ہونے لگے گی۔ خسارے کا وہاں گزر ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ شان ہے، جس کو اللہ نے اپنے محبوب کی بدولت دوام بخشا ہے۔

حاصل : ہدایت انعام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ کے محبوب کا اتباع کرنے والا اس کا اہل ہوتا ہے۔ جو خیر پر خرچ نہ ہو گا، غیر پر ضرور خرچ ہو گا۔ اللہ کے رخ ہی کو دوام حاصل ہے۔ اور اسی علم سے پورا رہنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اس پورے کو خسارے سے بچایا جاتا ہے۔

لِلْفُقَرَاۤءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۤءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع

1/4

ان فقراء کے لئے جو فی سبیل اللہ رکے ہوئے ہیں، زمین میں پھر نہیں سکتے۔ نادان انہیں تعفف کے سبب غنی سمجھے۔ تم انہیں ان کے چہرے سے پہچان لو گے۔ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور تم جو خرچ کرو، تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے۔

وہ حضرات جو اللہ کی راہ میں مصروفیت کے انہماک کو مسلسل بنا لیتے ہیں، وہ اپنی ذاتی زندگی میں اہتمام سے رک جاتے ہیں۔ انہیں اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ اپنے لئے زمین میں پھر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر اتنا انعام ہوتا ہے، کہ وہ انہیں اپنے کام پر لگا لیتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں اس انعام کا جواب نہیں۔ وہ اپنی تمنا کو بیان نہیں کرتے۔ یہ ان کا تعفف ہے۔ نادان لوگ انہیں مستحق نہیں جانتے، کہ نادان تو سائل کو ہی مستحق جانتے ہیں۔ علم والے عارف انہیں ان کے چہرے سے پہچان لیتے ہیں۔ ان حضرات کا چہرہ شکایت کے تناؤ سے پاک ہوتا ہے۔ اور اس یقین کا مظہر ہوتا ہے کہ جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جا رہا ہے وہی ہمارے لئے بہترین ہے، اور جو ہمارے لئے بہترین ہے وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ ان لوگوں کو کبھی بے چینی ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے یہ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اگر کوئی اپنے طور پر دے دے تو انکار کو بھی نفس کی غلامی کی علامت جانتے ہیں۔ درجے کی فضیلت کے ساتھ ہی استحقاق بھی بلند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ خرچ جہاں بھی کیا جائے اس کے سامنے ہوتا ہے مگر استحقاق کے اس درجے کو دیکھنا بڑی رحمت و برکت کی بات ہے۔ جس معاشرے میں ایسے لوگ ہوں گے وہ زندہ رہے گا۔

حاصل : جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کام پر لگا لے وہ بڑا انعام یافتہ ہوتا ہے۔ اپنی ذاتی اغراض سے اسے فراغت ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ سوال سے پاک رہتے ہیں۔ ان کے چہرے شکایت کے تناؤ سے

پاک ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی خدمت و ادب میں بڑی برکت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾

[اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکّل کرنا چاہئے۔]

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾

وہ جو اپنے اموال لیل و نہار میں چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں۔ اور نہ ان پر خوف ہو گا، اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون کے لئے اور دن کو آنکھیں کھولتا بنایا ہے۔ جن لوگوں کی مدد چھپ کر کرنا ہو ان کے لئے رات موزوں ہے، اور جن لوگوں کی مدد ظاہرہ طور پر کرنا ہو ان کے لئے دن موزوں ہے۔ ہنگامی حالت میں وقت کا انتخاب کرنا ہی نہیں پڑتا۔ جہاں بھی مال خرچ کیا جائے، اس کے بعد نہ تو احسان جتایا جائے، نہ ایذا دی جائے، اور نہ ہی اس میں ذاتی غرض و غایت چھپی ہوئی ہو۔ ایسے خرچ کرنے والے کا اجر اس کے رب کے پاس ہوتا ہے۔ وہ کسی دوسرے سے اجر کی خواہش ہی نہیں رکھتا۔ اس طرح علم سے خرچ کرنے والوں کو حال پر اتباعِ ہدایت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ جو بھی کرتے ہیں، اپنے شاہد کی تصدیق سے کرتے ہیں۔ انہیں اپنی ذات کے اندر بھی نور نظر آتا ہے، اور ان کا ماحول بھی منور ہو جاتا ہے۔ اندر کے اندھیرے سے خوف پیدا ہوتا ہے اور باہر کے اندھیرے سے حزن پیدا ہوتا ہے۔ جو شاہد کی معیّت کے دعوے میں سچا ثابت ہو جاتا ہے، اس کے ہاں سے دونوں اندھیرے رخصت ہو جاتے ہیں۔

حاصل : لیل و نہار میں چھپے اور ظاہر خرچ کرنا ایک علم ہے، اور یہ شاہد سے سیکھنا لازم ہے۔ جو کسی سے اجر کا سوال نہ کرے، اس کا اجر اللہ کے پاس ہوتا ہے۔ معیّتِ حق کا انعام یہ ہے کہ خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ

وہ جو ربٰو کھاتے ہیں، کھڑے نہ ہوں گے مگر جیسے وہ مخبوط کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے مس کیا ہو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا، کہ بیع بھی تو ربٰو کی مثل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربٰو کو حرام کیا ہے۔ تو جسے اس کے رب کے پاس سے

الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٢٧٥

نصیحت آئی اور وہ باز رہا، تو جو اس کے لئے ہو چکا سو ہو چکا۔ اور اس کا کام اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو اب ایسا کرے، وہی آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل فرمایا: بِالْقِسْطِ --- ۝ (۵۷:۲۵) کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ جو لوگ کتاب اللہ اور میزان کو چھوڑ دیں گے، وہ عدم توازن کا شکار بھی ہوں گے اور شیطان کے اتباع سے دکھ بھی اٹھائیں گے۔ جو بھی حال پر ہوس سے مغلوب ہو کر حق و عدل کو چھوڑ دیتا ہے، اس کی بے چینی و بے قراری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کا حال ہوتا ہے۔ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ - جہاں انسان اللہ کے فرمان کے مقابل اپنی خواہش اور تجویز میں مبتلا ہو جائے، وہاں فسق، گمراہی اور ظلمات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور اسی کا انجام دوزخ ہوتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو ربٰو کی مثل ہے، وہ کتاب اللہ اور میزان عدل کو چھوڑ چکے ہوتے ہیں۔ جس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے وہی انہیں احکامات دینے کی شان کا مالک ہے اور اسی کا علم سب سے بڑا ہے۔ اس نے جو کچھ حلال فرمایا ہے، اس میں لوگوں کی بھلائی ہے۔ اور جسے اس نے حرام فرمایا ہے، اس میں نہ ماننے والوں کا ہی خسارہ ہے۔ علیم مطلق ہر احتیاج سے پاک ہے۔ بیع اور ربٰو میں سود خور کو نفع قدر مشترک نظر آتا ہے۔ ان کے اختلاف پر اس کی نظر جاتی ہی نہیں۔ بیع میں حاضر مال کا سودا ہوتا ہے، اور مال بیچنے والا اسے خریدنے والے کے حوالے کر دیتا ہے۔ بیع کے بعد مال کی حفاظت خریدار کے ذمے ہوتی ہے۔ بیع میں خرید و فروخت کرنے والے نفع و نقصان کے امکان میں ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں۔ ربٰو میں بیچنے والے کا نفع یقینی ہوتا ہے۔ خریدنے والے کو ایک وقت کے بعد نفع یا نقصان ہوتا ہے۔ بیع سے اموال زیادہ ہاتھوں تک پہنچتے ہیں، معاشی استحصال کی جڑ سوکھتی ہے۔ ربو سے اموال کم ہاتھوں میں جمع ہوتے لگتے ہیں اور عام لوگوں کی معیشت کمزور ہونے لگتی ہے۔ جو مال کوئی اکٹھا کرے گا، اس پر بھی قدرت الٰہی کا احاطہ تو ہو گا۔ پھر اس مال پر کیا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ رب العالمین کی طرف سے یہ نصیحت پا لینے کے بعد جو حق و عدل کو مان لے اور سود سے باز رہے، تو اس کے ماضی پر حال شاہد نہ ہو گا۔ جس ماضی پر حال شاہد نہ ہو اس ماضی کی نفی ہو جاتی ہے۔ جب بھی نیا حکم نافذ ہو تو سابقہ پر گرفت سے ظلم ہی پیدا ہوتا ہے۔ جو رضائے الٰہی کو مقصود بنا لے، نفع و نقصان کو باذن اللہ مانے اور امر الٰہی میں اپنی تجویز کو داخل نہ کرے، اس کا کام اللہ کے سپرد ہوتا ہے۔ اور جو حق کو جان لینے کے بعد من مانی کرے، وہ دوزخ کے رخ پر ہے۔ اسی انجام کو پہنچے گا، اور برائی کے بالکل جل جانے تک وہیں رہے گا۔

حاصل: لوگ انصاف پر قائم ہوں، تو شیطان سے محفوظ رہتے ہیں اور ہوسِ اموال کے خبط سے بچ جاتے ہیں۔ بیع کا منشا قلیل کے مقابل کثیر لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ ربٰو کا منشا کثیر کے مقابل قلیل لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ حکم کے نافذ العمل ہونے سے پہلے کے حال پر گرفت منع ہے۔ حکم کی موعظت کے بعد جو من مانی کرے، وہ دوزخ میں اپنی برائی کی موجودگی تک جلتا رہے گا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ

اللہ ربٰو کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

ہے۔ اور اللہ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔

جو معیشت حکم الٰہی کے خلاف اور انسانی خواہشات کی بنیاد پر کھڑی کی جائے گی. وہ عدل سے خالی ہونے کی بدولت مٹ جائے گی۔ یہ ایام ہیں، جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔۔۔ ○ (۳ : ۱۴۰) ہم نے لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں، اور سچے اور جھوٹے میں فرق کرنے کا وقت رکھا ہے۔] جہاں بھی اموال کو خلافِ حق و عدل اکٹھا کیا جائے گا، وہاں نفرت اکٹھی ہوتی رہے گی، اور ایک وقت کے بعد یہی نفرت ان اموال کو نگل جائے گی۔ صدقات سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے کہ عمل کا شکریہ عمل سے ادا کیا جاتا ہے۔ جس کی زندگی سے تعطل دور ہو جاتا ہے، وہ حسبِ توفیق دوسروں کی زندگی سے تعطل کو دور کرنے کی سعی کرتا ہے، اور اس طرح یہ سلسلۂ خیر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جو عطائے خداوندی کو اپنی غرض و غایت پر لگائے، وہ ناشکرا ہوتا ہے، اور جو ناشکری پر جم جائے وہ گناہگار ہوتا ہے۔ مخلوق پر ظلم کرنے والا اللہ کو کبھی پسند نہیں ہوتا۔

حاصل : جس کی بنیاد حق و عدل کے خلاف ہو اسے مٹتے دیر نہیں لگتی، کہ اس کی جڑ میں نفرت بشکلِ بیج موجود ہوتی ہے۔ صدقات کا تعلق محبت سے ہے، اور جہاں محبت ہو وہاں اضافہ ہوتا ہے۔ ناشکرا گناہگار اموال کو مانتا ہے، معطیٔ مطلق کو نہیں مانتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، اور صلوٰۃ قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور نہ ان پر خوف ہے، اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

ایمان لانا ہے حکم خداوندی کو ماننا۔ صالح عمل کا معیار شاہدین ہیں۔ جو عمل ان کے اتباع میں ہو گا وہ یقیناً صالح عمل ہو گا۔ یہ سچے ایمان والے لوگ نماز قائم کرتے ہیں۔ نماز میں اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد پر پورا رہتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ہادی کے اتباع میں یہ لوگ کسی سے بھی اجر کا سوال نہیں کرتے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انہیں حال پر خوف اور حزن سے نجات مل جاتی ہے۔

حاصل : جو اللہ کے فرمان کو مانے، اس کے محبوب کو حال پر شاہد بنائے، وہ صلوٰۃ بھی قائم کرتا ہے، زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے۔ نفس کی غلامی سے چھٹکارے اور شاہد کی معیّت کی بدولت اسے خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو، اور جو ربٰو

مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾

باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔

ربٰو کی حرمت کے حکم کے بعد اس حد کا احترام لازم ہے۔ یہ احترام اسی طرح ممکن ہے کہ اللہ کا ڈر موجود رہے۔ ربٰو کی جنس سے جو کچھ بھی باقی رہ گیا ہو، اس سے لوگوں کو فوراً آزاد کر دینا مومن ہونے کا ثبوت ہے۔ مومن سے تو دوسروں کو امن حاصل ہونا چاہئے، اور ہوتا ہے۔

حاصل : حکمِ خداوندی معلوم ہو جانے کے بعد مومن پر لازم ہے کہ وہ اس کا صدقِ دل سے احترام کرے، اللہ سے ڈرے، اور دوسروں کے لئے باعثِ امن ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾

پھر اگر ایسا نہ کرو، تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑنے کو تیار رہو۔ اور اگر تم توبہ کر لو، تو اپنے اصل اموال لے لو۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو، اور نہ تم پر ظلم ہو۔

جو لوگ ایمان کے دعوے کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق باقی رہ گئے سود کو نہ چھوڑیں، ان کے لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کو تیار رہو۔ زمین میں ان فساد کرنے والوں کے لئے رسوائی اور آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔ توبہ کا مقام اس وقت تک موجود رہے گا، جب تک مومنین ان لوگوں پر قدرت حاصل نہیں کر لیتے۔ اگر توبہ کا شرف حاصل ہو جائے تو اپنے اصل اموال لے لو، اور سود چھوڑ دو۔ نہ تم کسی سے بے جا لو، اور نہ تمہاری رقم کوئی بے جا روکے۔ حکمِ حق کے نفاذ کے بعد سابقہ طریقِ کار کو جڑ سے ختم کرنا آسان ہوتا ہے۔ یہی صورت ہے قانونی خلا سے بچنے کی۔

حاصل : ایمان کے دعوے کے بعد جو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے خلاف کرے اور سود نہ چھوڑے وہ مفسد ہے، اور اگر تائب نہ ہو تو واجب القتل ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو، اس سے دوستی منع ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾

اور اگر وہ تنگی والا ہے، تو اسے آسانی تک مہلت دو۔ اور اگر بخش دو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو۔

مقروض اگر اصل مال بھی ادا نہ کر سکتا ہو، تو وہ تنگ دست ہوتا ہے۔ اسے اتنی مہلت دینی چاہئے کہ اس کی تنگ دستی دور ہو جائے، اور وہ ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔ قرض کی ادائیگی کی اہمیت اپنی پسند کے مقامات پر خرچ کرنے سے بڑھ کر ہے۔

جو حال پر تنگ دست ہے، اس کو قرض معاف کر دینے میں بہتری یہ ہے کہ اس کی قرض کے بوجھ سے جان چھوٹ جاتی ہے، اس کی زندگی میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے، اسے معاف کرنے کا علم بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح صدقات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ معاف کرنے والے کو ہی معاف کیا جاتا ہے۔

حاصل : معاف کرنے والے کو ہی معاف کیا جاتا ہے۔ مقروض کو قرض سے نجات دینا اور دلانا فرمانِ خداوندی کی تعمیل ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸

اور اس دن سے ڈرو جس میں اللہ کی طرف مراجعت کرو گے، اور ہر نفس کو اس کا کیا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی ہوگی، اس دن عمل کی توفیق ختم ہو چکی ہوگی، واپسی سے مفر ممکن نہ ہو گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری جزا دی جائے گی۔ مرسلین نے بشارت و انذار کے اعتبار سے حقِ تبلیغ کو جس طرح ادا کیا ہے، وہی وقت سامنے ہو گا۔ اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ کسی پر کچھ بھی زیادتی نہ ہوگی۔ جس کی بات میں ماننے والے کی فلاح ہو، اس کا منکر اپنے کئے کی بدولت مبتلاء عذاب ہوتا ہے۔

حاصل : اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ پھر نہ حال کی طرف واپسی ممکن ہوگی، نہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی سے مفر ممکن ہو گا، اور نہ عمل کے لئے توفیق ہوگی۔ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا بھی پوری دی جائے گی۔ اس لئے صادقینِ مخلصین کی معیت اختیار کرنے کا بہترین وقت یہی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے :

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

[یہاں ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا، اور اللہ کی طرف پھیرے جائیں گے جو ان کا سچا مولیٰ ہے۔ اور ان کی بناوٹیں سب ان سے گم ہو جائیں گی۔]

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰٓى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۚ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَّكْتُبَ كَمَا

اے ایمان والو جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا معاملہ کرو، تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور چاہئے کہ کاتب تمہارے مابین عدل سے لکھے۔ اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا

عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ
فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ
بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ
مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ
اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا
الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا
مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ
صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ

ہے۔ تو اسے چاہئے کہ لکھ دے۔ اور جس پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے، اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے، اور اس میں سے کچھ کمی نہ کرے۔ پھر جس پر حق آتا ہے، اگر وہ بےوقوف ہے، یا ضعیف ہے، یا لکھوا دینے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس کا ولی عدل سے لکھوا دے۔ اور گواہ رکھو اپنے مردوں میں سے دو۔ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ ایسے گواہ جن سے تم راضی ہو، کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں۔ اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو، اس کی میعاد تک۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑے انصاف کی بات ہے، اور گواہی کو درست رکھنے والی ہے۔ اور یہ اس سے قریب ہے کہ شبے میں نہ پڑو، سوائے اس کے کہ کوئی حاضر تجارت ہو جو تم آپس میں کر رہے ہو۔ تو اس کا نہ لکھنا تم پر گناہ نہیں۔ اور گواہ کر لیا کرو جب تم بیع کرو۔ اور کاتب اور گواہ کو ضرر نہ دو۔ اور اگر تم ایسا کرو تو تمہارا فسق ہو گا۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے۔ اور اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۥ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑی مہربانی فرمائی ہے کہ ان پر دین کی حدود روشن فرمائی ہیں۔ معاشرے کی ایک اہم ضرورت کے جملہ آداب بیان فرمائے ہیں اور انہیں حسنِ معاشرت کا علم عطا فرمایا ہے۔ ادھار جب بھی لیا جاتا ہے، تو لینے والا ایک مدت کا تعین کرتا ہے جس کے اندر اندر اسے قرض کی واپسی یقینی نظر آتی ہے۔ اس مدت کو لکھ لینے میں بڑی حکمت ہے۔ لکھنے کا حق کاتب کا ہے۔ اس طرح طرفین شکوک و شبہات سے محفوظ رہتے ہیں۔ عدل سے لکھنا یہ ہے کہ کاتب اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے احق کے مقابل کسی طرف نہ جھکے۔ علم خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے عباد مخلصین کو عطا ہوتا ہے، اور ان سے آگے جاری ہوتا ہے۔ اس لئے بھلائی کا سارا علم عطائے خداوندی ہے۔ جس کو لکھنے کا علم عطا ہوا، وہ لکھنے سے انکار کرے تو یہ ناشکری ہوگی اور ناشکری نعمت کو بے برکت بنا دیتی ہے۔ قرض لینے والا لکھاتا جائے۔ اس تحریر میں جنس، نوع، اس کی صفت اور اس کی مقدار سب لکھائی جائے۔ اور یہ بھی لکھایا جائے کہ کس مقام پر یہ معاملہ ہوا ہے، کس مدت تک کے لئے ہوا ہے، اور کس مقام پر اس کی ادائیگی کی جائے گی۔ کسی بھی متعلقہ بات کے لکھانے میں کمی نہ کی جائے۔ قرض دینے والے کے اطمینان کا پورا پورا اہتمام ہونا چاہیے۔ اگر مدیون بچہ ہو اور پورا وقوف نہ رکھتا ہو، تو اس کے معاملات میں اس کی حفاظت کرنے والا ولی تحریر لکھوا دے۔ اگر مدیون ضعیف ہو، تو اس کے خادم و محسن ولی کو تحریر لکھوانا چاہیے۔ اور اگر مدیون تحریر لکھوانے پر قادر نہ ہو تو بھی اس کا ولی تحریر لکھوائے گا۔ گواہی دو مردوں کی ہوگی۔ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ رہیں۔ گواہ ایسے ہوں جن کی صداقت و دیانت کا لوگوں کو اعتراف ہو اور ایمان والے ان سے راضی ہوں۔ عورتوں کی گواہی نسائی امور کے علاوہ جہاں بھی ہوگی بہ امر مجبوری ہوگی۔ نسائی امور میں انہی کو شہادت کا حق ہے۔ جن معاملات سے عورتوں کا روزمرہ زندگی میں تعلق نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، ان میں ان کا بھول جانا معمولی بات ہے۔ اس لئے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے۔ گواہوں کو جب بلایا جائے تو آنے سے انکار نہ کریں، اور اپنے ذاتی کاموں پر اس خدائی بلاوے کو ترجیح دیں۔ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدود کے روشن ہو جانے کے بعد اس کے لکھنے میں تساہل بے جا ہو گا۔ چھوٹا معاملہ ہو، تو بھی اس کے لوازمات وہی ہوں گے جو بڑے معاملے کے ہوں گے۔ اس طرح انصاف کا راستہ کشادہ اور روشن ہوتا جائے گا۔ گواہی کی اہمیت لوگوں کے حسنِ سیرت کو قائم رکھے گی۔ جو توفیق شبہات میں ضائع ہو سکتی ہے، اچھے مصرف میں آئے گی۔ جب کوئی حاضر تجارت ہو، جو مومنین کے مابین ہو رہی ہو، تو اس کا نہ لکھنا کوئی گناہ نہیں، کہ اس میں معاملہ حال پر طے پا جاتا ہے۔ گواہ اس حال پر بھی ہوں۔ بیچ کے وقت گواہوں کا ہونا بھی بڑے انصاف کی بات ہے۔ اس سے تجارت متوازن ہو جاتی ہے، اور لوگ اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرتے ہیں۔ کاتب کا حق ہے، کہ وہ عدل سے لکھے اور پورا لکھے۔ گواہ کا حق ہے، کہ گواہی کے لئے بلایا جائے تو حاضر ہو کر پوری پوری گواہی دے۔ طرفین کاتب اور گواہ کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں تو یہ کاتب اور گواہ کو ضرر دینے

کی صورت ہوگی، اور فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ہوگی۔ نتیجہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ پھر خلاف حق کرنے کا فائدہ تو کچھ بھی نہ ہوا، اور خسارہ یقیناً ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے، کہ اس کے فرمان میں اپنی خواہش کو نہ ملایا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علم الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں، اور علم الٰہی ہی ہر مقام پر بندے کو پورا رکھ سکتا ہے۔

حاصل : دین کے لئے مقرر امور و ارکان کا پورا دھیان رکھا جائے۔ حق میں اپنی خواہش کو نہ ملایا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہی علم الٰہی پاتے ہیں، اور علم الٰہی ہی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ ہر شے کا علم رکھنے والے سے بڑا رہنمائی کرنے والا، آسانی عطا کرنے والا، اور حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا
كَاتِبًا فَرِهَٰنٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ
أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ
الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ
اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ
وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ 39
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾ ع

اور اگر تم سفر میں ہو اور کاتب نہ پاؤ، تو پھر رہن بالقبضہ ہو۔ پھر اگر تم میں ایک کو دوسرے کا اعتبار ہو، تو وہ جسے اس نے امین سمجھا تھا، اپنی امانت پوری طرح ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور شہادت نہ چھپاؤ۔ اور جو چھپائے گا اس کا دل گناہگار ہے۔ اور اللہ کو علم ہے جو تم کرتے ہو۔

حضر کے بعد سفر کے حال کو بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک حالت ہے جس میں ہنگامی ضرورت کے تحت مدیون دائن کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ اس حال پر اگر کاتب نہ ملے تو رہن بالقبضہ پر معاملہ ہوگا۔ اس سے صاف روشن ہوا کہ رہن بالقبضہ ہمیشہ دو شرائط کے ساتھ ہوگا۔ جب حالتِ سفر ہو اور کاتب نہ ملے۔ اعتبار معاملے سے پیدا ہوتا ہے یا مخلصین کی شہادت سے پیدا ہوتا ہے۔ جب قرض دینے والے کو اعتبار ہو جائے تو وہ مدیون کی رہن رکھی ہوئی امانت اسے لوٹا دے اور پوری طرح لوٹا دے، اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اگر دائن مدیون کی طرف سے رکھے ہوئے رہن کو اعتبار ہو جانے کے بعد پوری طرح واپس کر دے، تو یہ اس کے اللہ سے ڈرنے کا ثبوت ہوگا۔ شہادت کو جب بھی چھپایا جاتا ہے، تو کسی خواہش کا اتباع کیا جا رہا ہوتا ہے۔ یہ راہ راست سے ہٹنے کا ثبوت ہوتا ہے اور دل کے غیر کے ساتھ لگنے کی سند ہوتا ہے۔ جو دل خیر کو جان لینے کے بعد غیر کے ساتھ لگ جائے وہ دل گناہگار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چھپے اور ہر ظاہر کا علم رکھنے والا ہے، اس لئے اس سے نہ کسی کی نیت مخفی ہے نہ عمل مخفی ہے۔

حاصل : رہن بالقبضہ دو شرائط کے ساتھ ہوگا، جب حالت سفر ہو اور کاتب نہ ملے۔ اس صورت حال کے بعد بھی جب اعتبار آ جائے، تو مقبوضہ چیز مدیون کو پوری طرح واپس کر دی جائے۔

دل دلبر کے ساتھ لگا رہے تو گناہ سے بچ سکتا ہے۔ عمل کوئی ہو، جزا دینے والے سے مخفی نہیں ہو سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

[تو خواہش کا اتباع نہ کرو، کہ حق سے الگ جا پڑو گے۔ اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو، تو اللہ خبر رکھتا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔]

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اگر تم ظاہر کرو گے جو تمہارے دلوں میں ہے، یا اسے مخفی رکھو گے، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر جس کو چاہے بخشے گا، جس کو چاہے عذاب دے گا۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ وہی ہر شے کا مالک ہے۔ اور وہی ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ اس لئے رخ کا سیدھا رکھنا اسی طرح ممکن ہو گا کہ ہر شے کے استعمال میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مطلوب رہے۔ علیم مطلق سے تو کچھ مخفی نہیں ہے، چاہے اسے ظاہر کیا جائے، یا اسے چھپایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو توفیق عطا فرمائی ہے، اس کے استعمال کا حساب ضرور لے گا۔ حساب ہمیشہ کسی معیار سے نسبت کی بناء پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہدین کو معیار فرمایا گیا ہے۔ کسی بات کے ظاہر کرنے میں یہ دیکھنا لازم ہے کہ اس سے سننے والوں کو فائدہ پہنچے، اور وہ حق کے مقابل خواہش نفس کے اتباع سے بچیں۔ چھپانے میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کسی کی وقتی کمزوری پر لوگ آگاہ ہو کر اس سے ہمیشہ کے لئے دور نہ ہو جائیں۔ جس نے اظہار واخفاء میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو ملحوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ اور جس نے اظہار واخفاء میں من مانی کی وہ واجب العذاب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ ہر توفیق کے ساتھ حساب اور جزا یقیناً ہوتے ہیں، اس لئے توفیق کے استعمال میں توفیق عطا کرنے والے کی رضا ہی باعث فلاح ہوتی ہے۔ اور پھر نتائج بھی اسی کی مشیت سے مرتب ہوتے ہیں۔

حاصل : توفیق عطائے ربی ہے۔ اس کے استعمال کا حساب بھی ہو گا۔ جزا بھی ہو گی۔ جو نفس کے لالچ سے بچتا رہے گا، وہی فلاح پائے گا، اور وہی اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق ماننے کے دعوے میں سچا ثابت ہو گا۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

رسول ایمان لائے جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل ہوا۔ اور ایمان والے سب ایمان لائے، اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتب اور اس کے رسل پر۔ ہم اس کے رسولوں کے مابین کسی سے فرق نہیں کرتے۔ اور عرض کرتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ تیری بخشش ہو اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف پھرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرسلین کو ایمان لانے کے اعتبار سے معیار مطلق فرمایا گیا ہے۔ جو کچھ بھی ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل فرمایا گیا ہے، وہ اسے اس طرح مانتے ہیں کہ ہر ماننے والا اللہ تعالیٰ کو انہی کے حوالے سے مانتا ہے۔ حکم ربّی پر عملدر آمد ممکن ہی نہیں جب تک حکم کو ماننے والا معیار مطلق سامنے نہ ہو۔ جو لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہوں ان کی بھی اپنی کوئی بات نہیں رہتی۔ اس لئے ان کی بات بھی اللہ کے رسول کی بات ہو جاتی ہے۔ معیار مطلق سے محبت تامہ کی بدولت یہ لوگ معیار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ ہے کہ نفع اور ضرر کو باذن اللہ مانا جائے۔ اس پر توکّل رکھا جائے، کہ وہ پالتا ہے، اور علم سے پالتا ہے۔ اس نے سب کچھ بندوں کے لئے بنایا ہے اور اپنے لئے کچھ نہیں بنایا۔ اس سے بڑا دوستی اور محبت کرنے والا کوئی نہیں۔ ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ ان کا ہر فعل امر ربی سے ہوتا ہے۔ ان کو خلوت کی پاکی کا درجہ حاصل ہے، اور کسی فرشتے کو کسی فرشتے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی کتابوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ کتب سابقہ بھی منزل من اللہ ہیں، اور قرآن پاک ان کا مصدق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ماضی میں جزوی صورت میں موجود ہے، قرآن پاک قیامت تک کے لئے ہے، اور کلی صورت رکھتا ہے۔ یہ تغیر و تبدل اور تحریف سے محفوظ ہے۔ قرآن پاک جس کی تصدیق کرے وہ حق ہے۔ جو قرآن پاک کی تصدیق کرے وہ بھی حق ہے۔ اس کے رسولوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ یہ رسول، اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے لئے زندگی کے ہر شعبے میں معیار مطلق ہیں، ان کے نقشِ قدم کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں، اور یہ حق کی ادائگی کے بعد اجر کے سوال سے پاک رہتے ہیں۔ رسولوں کے مابین عدم تفریق یہ ہے کہ ہر رسول کو مانا جائے۔ ہر رسول کے اسم شریف کے ساتھ علیہ السلام کہا جائے۔ جس حال پر جس رسول کو بھیجا گیا ہے اس حال پر اس رسول کو اللہ تعالیٰ کا شاہد مانا جائے۔ پاک لوگوں کی طریقت یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں، ہم نے سنا اور مانا۔ اس طرح تائید ایزدی ان کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ انھیں بخش دیا جائے۔ ان کا رخ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف رہتا ہے۔ یہ پاک لوگ کسی شے سے نہیں لگتے۔ جس کی سب اشیاء ہیں، اسی کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔

حاصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا آپ کے اس پر عملدر آمد کر کے دکھانے سے ماننے والوں کو راہِ عمل نصیب ہوئی۔ اللہ، اس کے ملائکہ، اس کی کتب، اور اس کے رسل پر

ایمان لانا لازم ہے۔ رسولوں کے مابین عدم تفریق کا ثبوت یہ ہوتا ہے، کہ مانا سب شاہدین کو جائے اور اتباع صاحب حال کا ہو۔ ایمان والے امر ربی کو سن کر کہتے ہیں : سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ
أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا
إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا
لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وقفة
وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة أَنْتَ
مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾ ع ٣ ٨

اللہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا، مگر جتنی اسے وسعت ہو۔ اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا، اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا۔ اے ہمارے رب ہمارا مواخذہ نہ فرما اگر ہم بھولیں، یا ہم خطا کریں۔ اے ہمارے رب ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے قبل والوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ اور ہمیں معاف فرما، اور بخش دے، اور رحم کر۔ تو ہی ہمارا مولا ہے۔ تو کافروں پر ہماری نصرت فرما۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے۔ اس سے بڑا علیم کوئی نہیں ہے۔ اس کی طرف سے جو بھی فرمایا جاتا ہے وہ ماننے والوں کے لئے باعث فلاح ہوتا ہے۔ معطیٔ مطلق تو وہی ہے۔ جو حق وہ کسی پر عائد کرتا ہے اس کی ادائگی کی توفیق پہلے دیتا ہے۔ اس طرح کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں آتی۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا رخ رکھتا ہے، اسے اس کا عمل فائدہ دیتا ہے۔ اور جو اس کے خلاف رخ رکھتا ہے، اس کا کیا ہوا اسی پر پڑتا ہے۔ اظہار بندگی کے آداب کی تعلیم پر سورۃ پوری ہو رہی ہے۔ حق کی ادائگی کے بعد اپنی کوتاہی کا اعتراف اور اللہ کے فضل کی طلب بھلے لوگوں کی نشانی ہے۔ بھول یہ ہے کہ ایفائے عہد کی نیت کے باوجود کوتاہی ہو جائے۔ خطا یہ ہے کہ کسی امر کے بجالانے میں کوئی رکن ادا ہونے سے رہ جائے۔ یہ دعا عمل کے نقص کو دور کر دیتی ہے کہ اے ہمارے رب بھول اور خطا پر مواخذہ نہ فرما۔ پہلے لوگوں پر بھی یہی مقام جاری رہا ہے۔ انہیں بھی ان کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی۔ لیکن اس کے باوجود یہ کہنا کہ اے ہمارے رب ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے قبل والوں پر رکھا تھا، اظہار بندگی ہے اور انکساری ہے۔ اپنی کمزوری کا اعتراف حدود اللہ کے احترام کی علامت ہے۔ مولا کی شان ہے کہ وہ معاف فرماتا ہے، بخش دیتا ہے اور رحم کرتا ہے۔ اس معافی کی حقیقت آسانی ہے۔ اس بخشش کی حقیقت نقص کا دور کرنا ہے۔ اور اس رحم کی حقیقت پاک دائمی مقام دوام ہے۔ کافروں پر نصرت الٰہی سے غلبہ

حاصل ہوا کرتا ہے، اسباب کی بدولت نہیں ہوا کرتا۔

حاصل : کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف دینا خلافِ حق ہے۔ کسی کی بھول اور خطا پر ہمیں مواخذہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور دعا کرتے رہنا چاہئے :

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِۦ ۖ وَٱعْفُ عَنَّا وَٱغْفِرْ لَنَا وَٱرْحَمْنَآ ۚ أَنتَ مَوْلَىٰنَا فَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٨٦﴾

شہادت : اللہ تعالٰی نے سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا ہے :

فَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

[تو اللہ کا حق سب سے بڑا ہے، کہ اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾

حروفِ مقطعات

یہ حروفِ مقطعات ہیں، اور خلوت کا درجہ رکھتے ہیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی سند ہیں۔

حاصل : خاموشی کے مقام پر خاموش رہنا چاہئے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۲﴾

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حیّ القیوم ہے۔

رب العالمین ہی معبود ہے کہ سب اشیاء کا بنانے والا ہے، پالنے والا ہے۔ ہر زندگی ایک وقت کے لئے ہے اور معبود کی عطا ہے۔ الحیّ کے دوام کا تعین ممکن نہیں۔ القیوم کی شان یہ ہے کہ جو بھی قائم ہے، اس کی بدولت ہے اور ایک وقت تک ہے، اور اس کا قائم بالذات ہونا تعین سے بالا ہے۔

حاصل : معطیٔ مطلق ہی معبود ہے۔ جو بھی زندہ و قائم ہے، اسی کے امر سے ہے۔

نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ﴿۳﴾

اس نے آپ پر حق سے کتاب نازل فرمائی۔ جو اس کے آگے ہیں ان کی مصدّق ہے۔ اور اس نے تورات اور انجیل نازل فرمائی۔

علیم مطلق کے فرمان سے بڑا کوئی حق نہیں۔ اس کو مانا جائے تو فلاحِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ یہ کتاب فرمانِ خداوندی کے سلسلے سے تعلق رکھتی ہے، پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس سے پہلے جو کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی تھیں وہ بھی سچی ہیں۔ یہ ان کی مصدّق ہے۔ اس لئے اس کی صداقت بھی ناقابل تردید ہے۔ کتب کا مُنَزَّل مِنَ اللّٰہ ہونا پہلے ثابت ہے، جیسے تورات اور انجیل۔ اس لئے اس کا مُنَزَّل مِنَ اللّٰہ ہونا بھی ناقابل تردید ہوا۔

حاصل : حق کی تصدیق کرنے والا ناقابلِ تردید حق ہوتا ہے۔ حال دعویٰ ہے اور ماضی کی

شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

اس سے قبل لوگوں کے لئے ہدایت اور فرقان نازل فرمایا۔ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں، ان کے لئے شدید عذاب ہے۔ اور اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی نازل فرمایا گیا ہے، وہ ہدایت اور نور ہے۔ جو لوگ اپنے علم کو علیم مطلق کے فرمان کے سامنے ہیچ جانتے ہیں وہ اس نور سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ان پر یہ روشن ہو جاتا ہے کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہئے۔ اور جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں، وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا کام ان کے ذاتی علم پر مبنی ہوتا ہے۔ جو خواہش کا اتباع کرے، وہ بھٹکتا ہے۔ خلافِ حق کرنے والے کے عمل کا حاصل ہوتا ہے عذابِ شدید۔ اللہ کے ہر رسول کی شان یہ ہے کہ اس کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہوا۔ جب تک انکار قول کی حد تک ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقام نہیں لیا جاتا۔ جب انکار عمل کے درجے میں آ جائے، تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ اپنے رسولوں کی نصرت فرماتا ہے، اور ایمان والوں کی نصرت فرماتا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے : فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ (۱۴ : ۴۷) [تو ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلاف کرے گا۔ بے شک اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔] کافروں کو جن اسباب پر ناز ہوتا ہے ان اسباب پر جب انہیں اپنا اختیار رخصت ہوتا نظر آتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے زبردست انتقام کی گرفت کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

حاصل : ارشادِ خداوندی ہدایت اور نور ہے۔ ماننے والوں کے لئے باعثِ فلاح اور منکرین کے لئے باعث عذاب شدید ہے۔ سب سے بڑے قوت والے کی نافرمانی منکرین کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝۵

بے شک اللہ تعالیٰ پر کچھ مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔

اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ وہ رب العالمین ہے۔ کسی بھی مقام پر اس سے کچھ مخفی نہیں۔ لوگوں سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنا ثابت کرتا ہے کہ اس بات کا یقین نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ جس سے بڑا اختیار و اقتدار کسی کو حاصل نہ ہو، اس کے سامنے اس کے امر کے خلاف کرنے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : امرِ الٰہی کو مانا جائے تو ہماری یہ تسلیم کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے، سچی ثابت ہو جاتی

ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦﴾

وہی ہے، جو ارحام میں تمہیں صورت دیتا ہے جیسی چاہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی زبردست حکمت والا ہے۔

رحم مادر انسانی صورت کے بننے کا مقام ہے۔ صورت بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جیسی چاہے بناتا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی ہر صورت پاک ہوتی ہے۔ اور دوسرا کوئی صورت بنانے والا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کسی صورت کو کسی بھی لحاظ سے برا کہنا بے علمی کا ثبوت ہو گا۔ صورت کبھی معبود نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ وہ تعیّن کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ معبود وہی زبردست حکمت والا ہے، جو ہر صورت کا بنانے والا ہے، ہر صورت کو ایک منشا دینے والا ہے، ہر صورت کو اس کے منشائے تخلیق کے مطابق توفیق دینے والا ہے، ہر توفیق کا حساب لینے والا ہے، اور ہر ایک کو اس کے رخ کے مطابق جزا دینے والا ہے۔

حاصل : ہر صورت پاک صورت ہے۔ کسی کو برا کہنا صانع حقیقی کی شان میں گستاخی ہو گی۔ معبود کوئی صورت نہیں رکھتا، کوئی تعین نہیں رکھتا۔ کائنات میں ربط اس کی زبردست حکمت کا ثبوت ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٧﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس کی کچھ آیات محکمات ہیں۔ وہ امّ الکتاب ہیں۔ اور دوسری متشابہات ہیں۔ وہ جن کے قلوب میں کجی ہے متشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں، فتنہ چاہنے کو اور اس کی تاویل چاہنے کو۔ اور اس کی تاویل کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ اور علم میں راسخ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔ اس میں ہدایت ہے، شفا ہے، رحمت ہے، حکمت ہے اور نصیحت ہے، مگر ہے یہ سب عقل والوں کے لئے۔ کتاب کی آیات دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ ہیں جو براہ راست احکام کی شکل میں ہیں۔ دوسری وہ ہیں جن کے پڑھ لینے سے اور سن لینے سے اس بیان کے مطابق ہم پر حق عائد ہو جاتا ہے۔ پہلی محکمات ہیں۔ اور دوسری متشابہات ہیں۔ ام الکتاب کا درجہ محکمات کو حاصل ہے، کہ ہر فیصلے میں معیار یہی محکمات ہیں۔ متشابہات سے جو نتیجہ بھی اخذ کیا جائے محکمات سے اس کی تصدیق ضروری ہے۔ ورنہ اس نتیجے کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں ہو گا۔ جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہوتی ہے وہ احکام خداوندی کو شاہدین کے حوالے سے نہیں مانتے۔ اس طرح ان کے سامنے ماننے کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ ہوائے نفسانی انہیں روشنی سے اندھیرے کی طرف دھکیلتی رہتی ہے۔ یہ لوگ محکمات جو ام الکتاب ہیں کی پروا نہیں کرتے۔ متشابہات کے لئے معنی کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اپنے نفس کی خوشی کے مطابق۔ یہ گناہ قتل سے زیادہ اشد ہے۔ متشابہات کی تاویل کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے، جس کی اپنی کوئی بات نہ رہے اسے اللہ تعالیٰ اپنی بات عطا کر دیتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنی بات عطا کر دے اس کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے، وہ بادشاہ ہوتا ہے۔ اس کی بات اسی بادشاہ سے سیکھی جائے تو حقیقت روشن ہوتی ہے، اور معرفت عطا ہوتی ہے۔ علم میں جن حضرات کو راسخ ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اس لئے کہ رسول امین نے یہ فرمایا ہے۔ اور رسول ہی صراط مستقیم پر ہونے کی رو سے معیار مطلق ہے۔ جو حال پر معیار مطلق سے کلی نسبت رکھنے والے معیار کو مانتا ہو، وہ معیار مطلق کو ماننے کا حق بطریق احسن ادا کر رہا ہوتا ہے۔ عقل والے یہ دیکھتے ہیں، کہ جو ناصح ان کی فلاح کو ملحوظ رکھ کر ان سے بات کرتا ہے اور کسی اجر کا سوال بھی نہیں کرتا، اس سے محبت کی بدولت ان کی زندگی سے خوف و حزن رخصت ہوتا جا رہا ہے اور ان کے وجود میں قرب مولیٰ کی طغیانی آ رہی ہے۔

حاصل : کتاب کی تنزیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لئے پوری کتاب کا ماننا لازم ہے۔ متشابہات کے معنی جن کی محکمات سے تصدیق نہ ہو درست نہیں ہیں۔ علم میں راسخ حضرات کو شاہد سے کامل محبت ہوتی ہے۔ وہ فرمان خداوندی کو مانتے ہیں اور شاہد کے حوالے سے مانتے ہیں۔ عقل والا وہ ہے جو بہتر جاننے والے کو پانے کی سعی کرے، اور اس کے اتباع کا رخ رکھے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾

اے ہمارے رب ہدایت دینے کے بعد ہمارے قلوب کو پھیر نہ دیجیو۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما۔ بے شک تو ہی سب سے بڑا عنایت فرمانے والا ہے۔

علم میں راسخ حضرات کی یہ دعا ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کے بعد انہیں دوامی پاک دامنی کا مقام عطا فرمائے۔ اور ان کے قلوب کو ہدایت سے پھیر نہ دے۔ ہادی سے کامل محبت کا حاصل ہدایت ہے۔ اس محبت کو جس قدر عروج ہو گا، دل پر دلبر کی حکومت ہو گی، اور اللہ کی رحمت اور عنایت کا مشاہدہ ہوتا رہے گا۔

حاصل : دل دلبر کی امانت ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ یہ اسی کے پاس رہے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ٩ ع

اے ہمارے رب بے شک تو سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے، اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں۔ بے شک اللہ اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا۔

ہدایت پانے والے یہ عرض کرتے ہیں، بے شک اللہ جو عالمین کا پالنے والا ہے، جزا کے دن سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے۔ پالنے والا وہی ہے اور اس دعوے میں لاشریک ہے۔ توفیق عطا کرنے والا وہی ہے اور اس دعوے میں بھی لاشریک ہے۔ توفیق دینے والے کو ہی حساب کا اور جزا کا حق ہوتا ہے۔ یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے، جزا کے دن کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اس لئے اس دن کا آنا بھی یقینی ہے، جزا کا ہونا بھی یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اصدق کوئی ہو نہیں سکتا۔

حاصل : جزا کا یقین ہر حال پر رہنا چاہئے۔ وعدہ خلافی بندے کی شان کے بھی منافی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا ہے :

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ ٨٢

[تو کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ اور اگر وہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا، تو اس میں ضرور کثیر اختلاف پاتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ ١٠

بے شک جو لوگ کافر ہوئے، ان کے اموال و اولاد ہر گز انہیں اللہ سے بچا نہیں سکیں گے۔ اور وہی آگ کا ایندھن ہیں۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں، وہ حق کو سن کر اور اس کی صداقت کی سند دیکھ کر اس کا انکار کرتے ہیں۔ اموال و اولاد عطائے خداوندی ہیں۔ اور یہ دیکھنے کے لئے عطا کئے جاتے ہیں کہ کون اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے راستے کو اختیار کرتا ہے، اور کون اپنی خواہش کا اتباع کرتا ہے۔ اسی توفیق کے استعمال کے مطابق ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اس لئے کوئی بھی شے کسی کو اللہ سے بچانے میں کام نہیں آسکتی۔ جو لوگ عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی کے خلاف استعمال کرتے ہیں، ان کے اعمال ہی ان کے جلانے کا سامان ہیں۔ ہر جلنے والا اپنے جلانے کا سامان اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے۔

حاصل : معطیٔ مطلق احتیاج سے پاک ہے۔ حق کے انکار کا حاصل دوزخ ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

جیسے آلِ فرعون اور ان سے قبل والے تھے۔ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی، تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا اور اللہ کا عقاب شدید ہے۔

آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کو اموال و اولاد میں وسعت حاصل تھی۔ اپنے اپنے وقت پر ان لوگوں نے جب اسباب کو مقصود بنا کر مسبّب کے فرمان کی تکذیب کی اور رسولِ امین سے عملاً دشمنی شروع کی، تو اللہ تعالٰی نے انہیں ان کے کئے پر پکڑا۔ پھر وہ اسباب جن پر انہیں اپنی قدرت نظر آتی تھی، انہیں اللہ تعالٰی کے عقابِ شدید سے چھڑانے میں کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور منکرین دنیا سے اس طرح مٹا دیئے گئے کہ اس میں دیکھنے اور سننے والوں کے لئے عبرت موجود ہے۔ فرمانِ خداوندی کے انکار سے منکر کے وجود کے گرد ایک آہنی وجود بنتا رہتا ہے۔ جب منکر حدِ اصلاح سے گزر جاتا ہے تو منکر کا احاطہ کرنے والے آہنی وجود کو پورا کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اپنے کئے میں وہ اس طرح گرفتار ہو جاتا ہے، کہ اس سے نکلنا اس کے بس میں نہیں رہتا۔ یہ اللہ کا عقابِ شدید ہے۔

حاصل : اسباب کو مقصود بنانے والے اس طرح پکڑے جاتے ہیں کہ ان کا اپنا عمل ہی انہیں گھیر لیتا ہے، اور وہ دیکھنے والوں کے لئے باعثِ عبرت ہو جاتے ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

کافروں کو فرما دیجئے : کہ جلد ہی تم مغلوب ہو گے۔ اور جہنم کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

کافروں کو اسباب پر زعم ہوتا ہے۔ اسباب سب مسبّب الاسباب کی طرف سے ہیں، اور وقتی ہیں۔ جو اسباب پر ناز کرتا ہو، اور فرمانِ خداوندی کا انکار کرتا ہو، وہ وقتی توفیق کی بدولت اکڑتا ہے۔ اور اس توفیق کے خاتمے کے ساتھ ہی مغلوب بھی ہو جاتا ہے۔ منکرین کا رخِ حال پر جہنم کی طرف ہے، اس لئے ان کا مستقبل جہنم ہو گا۔ اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔ برا ٹھکانا وہ ہوتا ہے، جہاں برا رہے۔ انسان ناشکری سے نعمت کو اپنے لئے برا بنا لیتا ہے۔

حاصل : اسباب پر ناز کرنے والے جلد ہی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ انسان ناشکری سے نعمت کو اپنے لئے برا بنا لیتا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بے شک تمہارے لئے نشانی تھی دو گروہوں میں جو آمنے سامنے ہوئے۔ ایک

وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

گروہ فی سبیل اللہ لڑتا ہے۔ اور دوسرا کافر کہ یہ انہیں کھلی آنکھوں سے اپنی مثل دوگنا دیکھتے ہیں۔ اور اللہ اپنی نصرت سے تائید فرماتا ہے، جس کی چاہے۔ دیکھنے والوں کے لئے اس میں عبرت ہے۔

فی سبیل اللہ لڑنے والا گروہ، مومنین کا ہے۔ فی سبیل الطاغوت لڑنے والا گروہ کافرین کا ہے۔ کافر جبھی جنگ کی طرف آتے ہیں جب انہیں دشمن کے مقابل اپنی عددی برتری کا یقین ہو، سامان حرب کے کافی اور اچھا ہونے کا یقین ہو، اور جنگ کا نتیجہ انہیں یقینی طور پر اپنے حق میں نظر آئے۔ مگر تائید ایزدی سے بارہا، قلیل گروہ، کثیر گروہ پر باذن اللہ غالب آتے رہے ہیں۔ اللہ اپنی نصرت سے جن کی تائید فرمائے، وہ یہ دیکھ لیتے ہیں کہ مشیت الٰہی کے سامنے کسی قوت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بصارت والوں کے لئے اس میں درس عبرت ہے۔

حاصل : فی سبیل اللہ لڑنے والا گروہ تائید ایزدی سے غالب ہوتا ہے۔ اور فی سبیل الطاغوت لڑنے والا گروہ اسباب کی کثرت کا زعم رکھتا ہے، اور اس زعم کے نتیجے میں عبرت ناک شکست سے دوچار ہوتا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

لوگوں کو شہوات کی حُبّ نے فریفتہ کیا ہے، جیسے عورتیں، اور بیٹے، اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر، اور نشان کئے ہوئے گھوڑے، اور چوپائے اور کھیتی۔ یہ حیاتِ دنیا کی متاع ہے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

زمین پر جو بھی زینت ٹھہرائی گئی ہے، لوگوں کے لئے ہے۔ اور منشا اس کا یہ دیکھنا ہے کہ کون اس زینت کو مقصد حیات بناتا ہے، اور کون اس زینت کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق مقصد حیات کے پورا کرنے میں لگاتا ہے۔ رغبت کے اعتبار سے مرغوب ترین شے عورت ہے۔ اس کے بعد بیٹے۔ اس کے بعد سونا چاندی۔ اس کے بعد نشان کئے ہوئے گھوڑے۔ اس کے بعد چوپائے اور اس کے بعد کھیتی۔ یہ سب فانی چیزیں اگر معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال کی جائیں، تو دائمی نعمت بن جاتی ہیں۔ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو انسان کا کیا اس پر پڑتا ضرور ہے۔ حیاتِ دنیا کی متاع کو استعمال تو حیاتِ دنیا ہی میں ہونا ہے۔ جو اس متاع کو اکٹھا کرتا رہے گا، وہ حیاتِ دنیا کی متاع کو پیچھے چھوڑ جائے گا۔ حساب کتاب اس کے گلے پڑ جائے گا۔ لوٹ کر لوگ لے

جائیں گے۔

حاصل : انسانی رغبت کے اعتبار سے عورت مرغوب ترین شے ہے۔ اس کے بعد بیٹے، سونا، چاندی، گھوڑے، چوپائے اور کھیتی کا درجہ ہے۔ حیاتِ دنیا کی متاع کو حیاتِ دنیا میں رضائے خدا پر لگانا ان معززین کا کام ہے، جن کا ٹھکانا عنداللہ حال پر بھی اچھا ہے، مستقبل میں بھی اچھا ہوگا۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ ﴿۱۵﴾

فرما دیجئے : کیا میں تمہیں اس سے بہتر کی خبر دوں۔ تقویٰ کرنے والوں کے لئے ان کے رب کے پاس جنّتیں ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ازواجِ مطہرہ، اور اللہ کی رضا۔ اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔

متاعِ حیاتِ دنیا فانی ہے۔ اس کو خیر کی راہ پر لگایا جائے، تو یہ دائمی نعمت بن جاتی ہے، اور اس کا حاصل بہتر ہوتا ہے۔ تقویٰ کرنے والے یہ دیکھتے ہیں، کہ جس شاہد کے اتباع کا انھیں شرف ہے، وہ ان سے بہتر جانتا ہے۔ یہ لوگ حیاتِ دنیا کی متاع کو بہتر جاننے والے کے علم کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ ان کے اعمال پر مخلصین کی شہادت موجود ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ جنتوں میں رہیں گے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ جنت زیرِ زمین پانی کے ایک خاص سطح تک جاری رہنے سے پر بہار رہتی ہے، اس لئے زمین کو اوپر سے پانی دے کر سیراب کرنا کئی مسائل کا باعث بنتا ہے۔ ازواجِ مطہرہ وہ ہوتی ہیں، جن کو اپنے جوڑے کے مقابل کسی شے کی خواہش نہیں ہوتی۔ اس سارے انعام سے بڑی بات اللہ کی رضا ہے۔ جو اللہ کے محبوب سے راضی رہتا ہے، اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ بندوں کو دیکھتا ہے، اس کے بندے اس کی رضا کو دیکھتے ہیں۔

حاصل : جو عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی پر لگا دے، اسے اس کے تقوے کی بدولت بہتر کی خبر دی جاتی ہے۔ اسے راحت کا مقام عطا ہوتا ہے۔ اللہ کی رضا اسے حاصل ہوتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

وہ جو کہتے ہیں : اے ہمارے رب ہم ایمان لائے، تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

بندوں سے کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ جس نعمت کی ناشکری ہو جائے، وہ ناشکری کرنے والے کے لئے آگ بن جاتی ہے۔ ایمان لانے والے یہ کہتے ہیں : یا اللہ ہمارے گناہ معاف فرما دے، اور ہمیں ہمارے ناقص اعمال کے نتیجے سے بچا لے۔

حاصل : خیر کا رخ رکھنے والے کے اندر، کوتاہی کے اعتراف کی موجودگی اور طلبِ مغفرت ضروری ہے۔

اَلصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَ الۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾

صبر کرنے والے ، اور صادق، اور ادب کرنے والے، اور خرچ کرنے والے، اور پچھلی رات استغفار کرنے والے۔

یہ سب ایمان لانے والوں کی نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ صبر یہ ہے کہ نہ ہونے کے مقام پر اس یقین سے پورا رہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید علم عطا کرنا مقصود ہے، اور اس سے کماحقہٗ استفادے کے لئے موجودہ حالات بہترین حالات ہیں۔ صداقت یہ ہے کہ شاہد کی بات ماننے میں اپنی پسند اور ناپسند کو حائل نہ ہونے دے۔ ادب یہ ہے کہ شاہد کے علم کو اعلیٰ اور پورا جانے، اور اس کے سامنے اپنے جاننے کو بھی نہ جاننا سمجھے۔ انفاق یہ ہے کہ شاہد کی صورت سے خرچ کرے اور اس کے ہاتھ سے خرچ کروا کر اس سے خرچ کرنے کا علم سیکھے۔ پچھلی رات کا اٹھنا بھی نفس پر گراں ہوتا ہے۔ ایمان لانے والے اس وقت اٹھتے ہیں، استغفار کرتے ہیں۔ استغفار یہ ہے کہ حق کی ادائیگی کے بعد یہ عرض کیا جائے : یا اللہ ہمارے اعمال کی طرف نہ دیکھیو، اپنے کرم کی طرف دیکھیو۔

حاصل : ایمان والوں کی شان یہ ہے، کہ وہ صبر کرنے والے، صادق، مؤدب، خرچ کرنے والے، اور پچھلی رات استغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًا ۢ بِالۡقِسۡطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ؕ ﴿۱۸﴾

اللہ نے شہادت دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ملائکہ نے اور علم والوں نے انصاف سے قائم ہو کر۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ ہی سب سے بڑا سچا ہے۔ اس کے بھیجے ہوئے انبیاء کی بات بھی اللہ کی بات ہے۔ اور سب انبیاء کرام نے شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ملائکہ کا درجہ ہے یَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ۔(۶۶ : ۶) کائنات کی ہر شے اپنے خالق کے لاشریک ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے نبی پر صلوٰۃ و سلام بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے ملائکہ بھی حضور پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کو عملاً معبود ماننے کی سند ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ساتھ اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ علم والے وہ لوگ ہیں جن کے قول و فعل میں صداقت موجود ہے۔ انصاف سے قائم ہو کر شہادت دینا یہ ہے، کہ اپنے تجربات و مشاہدات کو اس طرح سامعین کے سامنے رکھا جائے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ روشن ہو، اور وہ جو بھی کریں معبودِ لاشریک کی رضا کے لئے کریں۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مرتب ہوتا ہے۔ تو جسے عزت و حکمت درکار ہو، چاہئے کہ وہ العزیز الحکیم کا ساتھ رکھے ہر

مقام پر۔

حاصل : مرسلین، شاہدین کی شہادت اللہ ہی کی شہادت ہے۔ ملائکہ کی شہادت ارشادِ خداوندی کی ہمیشہ تعمیل کی صورت سے ہے۔ علم والوں کی شہادت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ العزیز الحکیم کا ساتھ باعثِ عزت ہوتا ہے، اور اس سے حکمت عطا ہوتی ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ
وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ
بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲

بے شک اسلام ہی اللہ کے نزدیک دین ہے۔ اور جنہیں کتاب عطا ہوئی اختلاف میں نہ پڑے مگر بعد اس کے کہ انہیں علم ہو چکا، اپنی ضد سے۔ اور جو اللہ کی آیات کا انکار کرے، تو بے شک اللہ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔

اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔ پہلے بھی اللہ کے نزدیک یہی دین تھا۔ اس لئے کہ اللہ کے کلمات بدلتے نہیں۔ اسلام کی حقیقت سلامتی ہے۔ جو اپنے ساتھ سلامت رہے، اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ سلامت رہے، وہ اسلام میں داخل ہے۔ اپنے ساتھ سلامت رہنا خلوت میں پاک رہنا ہے، اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ سلامت رہنا جلوت میں پاک رہنا ہے۔ بندہ اپنی خواہش کو اللہ کے رسول کی رضا پر قربان کرے تو اس پر اسلام کا دروازہ کھلتا ہے۔ جن لوگوں کو اہلِ کتاب ہونے کا شرف حاصل تھا، انہوں نے جان بوجھ کر اپنے حسد اور ضد کی بدولت اختلاف کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار میں لگائے گا، وہ اپنے کئے پر جلد پکڑا جائے گا۔ اور اس سے پورا پورا حساب لیا جائے گا۔

حاصل : اسلام ہی عنداللہ دین ہے، اور دین تھا۔ جو اس میں جان بوجھ کر اختلاف کرے، وہ حاسد اور ضدّی ہے۔ اس سے جلد ہی حساب لیا جائے گا۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ
لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ
فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ ۲
ع ۱۱ ۱۰ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑳ ع

پھر اگر وہ آپ سے جھگڑیں، تو فرما دیجئے : میں اللہ کے رخ کو تسلیم کرتا ہوں اور وہ بھی جو میرا اتباع کرتے ہیں۔ اور کتاب والوں اور امّیوں سے فرمائیے : کیا تم تسلیم کرتے ہو، تو اگر وہ تسلیم کریں تو ہدایت پا گئے۔ اور اگر منہ پھیریں تو آپ پر یہی پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو

دیکھ رہا ہے۔

جو جان بوجھ کر شاہدین سے جھگڑا کرے، وہ اس سے یہی فرماتے ہیں کہ ہم اور ہمارے ساتھی اللہ کے رخ کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اہلِ کتاب اور امیوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تم تسلیم کرتے ہو؟ اگر وہ تسلیم کرنے کا دعویٰ کریں اور اپنی تسلیم کو شاہد کے اتباع سے سچا ثابت کریں تو ہدایت پا جاتے ہیں۔ اور اگر انکار کریں، تو ان کے اعمال کی پوچھ انہی سے ہوگی۔ شاہدین کی شان تو حق کے پہنچا دینے سے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اس کے بندے اس کی رضا کے لئے لوگوں کی بھلائی کا کس قدر اہتمام کرتے ہیں۔

حاصل : جھگڑے والوں کے سامنے اپنا رخ تسلیم رکھنا چاہئے، اور پھر ان کا حال معلوم کرنا چاہئے۔ ماننے والے بامراد ہوتے ہیں، نہ ماننے والے نامراد ہوتے ہیں۔ اللہ اپنے عبادِ مخلصین سے راضی ہے، عبادِ مخلصین اس سے راضی ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا۟ أَنَّهُۥ مَن يُحَادِدِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَأَنَّ لَهُۥ نَارَ جَهَنَّمَ خَٰلِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْخِزْىُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

[کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرے، تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ یہی بڑی رسوائی ہے۔]

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَيَقْتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ ٱلَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِٱلْقِسْطِ مِنَ ٱلنَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں، اور نبیوں سے ناحق قتال کرتے ہیں، اور لوگوں میں سے انصاف کا امر کرنے والوں سے قتال کرتے ہیں، تو انہیں عذابِ الیم کی بشارت دو۔

اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر فرمانِ خداوندی کا قول سے انکار ہے۔ اور شاہدین سے ناحق لڑنا فرمانِ خداوندی کا عمل سے انکار ہے۔ اسے سورۃ الممتحنہ میں فرمایا گیا ہے : قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ۔۔۔ (۶۰ : ۹) : شاہدین کی طریقت کے مطابق انصاف کا امر کرنے والوں سے لڑنا بھی فرمانِ خداوندی کا عملاً انکار ہے۔ جو لوگ عملاً فرمانِ خداوندی کا انکار کرنے لگتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کا دشمن فرمایا گیا ہے۔ فلاح کا عملاً منکر عذابِ الیم کی بشارت کا مستحق ہوتا ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کا قول سے انکار، حق کے انکار کا پہلا درجہ ہے۔ شاہدین سے عملاً جنگ حق کا عملاً انکار ہے۔ یہ اللہ سے دشمنی ہے۔ اللہ کے دشمن کا مقام عذابِ الیم ہو گا۔ حق کا عملاً انکار کرنے والوں کو ان کے عبرتناک انجام کی بشارت دینی چاہئے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ز وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

یہ ہیں وہ جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہوئے۔ اور ان کا کوئی نصرت دینے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی اعمال پسندیدہ ہوتے ہیں جو اس کی رضا کے لئے ہوں، اور اس کے محبوب کے اتباع میں ہوں۔ جو لوگ اللہ کے پسندیدہ معیار کے حوالے سے عمل کرتے ہیں، ان کا عمل مقبول ہوتا ہے۔ جو لوگ من مانی کرتے ہوئے شاہدین سے لڑنے لگتے ہیں، ان کا کیا دھرا دنیا، آخرت میں اکارت چلا جاتا ہے۔ جس کی شہادت سے فلاح عطا ہوتی ہے، جب اسی کے ساتھ لڑائی ہو تو نصرت کہاں سے ہو سکتی ہے۔

حاصل : اعمال جن پر اللہ کے محبوب کی شہادت نہ ہو، بے حقیقت ہوتے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ نصرت تو ناصحین کے محبین کی ہی ہوگی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ عطا ہوا، کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ وہ ان کے مابین حکم کرے، پھر ان کا ایک فریق منہ پھیرتا ہے اور وہ اعراض کرتے ہیں۔

جو کتابِ خداوندی کو قول سے مانتے ہیں، انہیں کتاب کا ایک حصہ تو عطا ہوتا ہے۔ جب انہیں حال کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ منہ پھیر جاتے ہیں، اور حق سے اعراض کرنے لگتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ حکم اللہ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو۔ حکمِ خداوندی کو سن کر اپنی مرضی کرنا، منہ پھیرنا اور اعراض کرنا ہی تو ہے۔

حاصل : حکمِ خداوندی کو سن کر من مانی کرنے کی حقیقت حق سے منہ پھیرنا اور اعراض کرنا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ص وَّغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں : ہمیں آگ مس نہیں کرے گی، مگر گنتی کے دن۔ اور بہکے ہیں اپنے دین میں اپنے ہی افتراء پر۔

جو فرمانِ خداوندی کو قول سے مانتے ہیں اور عملاً اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں، یہ ان کا قول ہے کہ انہیں آگ چند دن ہی مس کرے گی۔ وہ اپنے آپ کو راہِ راست پر سمجھتے رہتے ہیں، اور بے سند باتوں سے افتریٰ باندھتے رہتے ہیں۔ قول وہ حق ہے، جس کی شہادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائے گئے حق میں موجود ہو۔ عمل وہ سچا ہے، جس کی شہادت مخلصین کے اتباع سے دی جائے۔ اور جن کے نزدیک ان کا افتریٰ ہی معیار ہو، ان کا راہِ راست سے بھٹکتے جانا بالکل واضح ہے۔

حاصل : وہ قول حق ہے، جس کی شہادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائے گئے حق میں موجود ہو۔ عمل وہ درست ہے، جس کی شہادت مخلصین کے اتباع سے دی جائے۔ افتریٰ کی حقیقت بے سند بات ہے، اور بھٹکنا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

تو کیا کیفیت ہو گی، جب ہم اس دن انہیں جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر نفس کو اس کی کمائی پوری پوری دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا ثبوت ہے۔ اجلِ مسمّٰی تک دی گئی مہلت پوری ہو جائے گی، تو ایک دن سب کو جمع کیا جائے گا، اور ہر ایک نفس کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ اس دن افتریٰ باندھنے والوں کا حال کیسا ہو گا۔ کوئی قیاس مفید نہ ہو گا۔ خسارہ ان کا احاطہ کر لے گا۔ ان کا کیا ہی انہیں پکڑ لے گا اور ان پر ان کا اپنا ظلم ہی مسلط ہو گا۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے اور جزا دینے والا ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

حاصل : جزا کے دن کا آنا یقینی ہے۔ افتریٰ باندھنے والوں کا اس دن برا حال ہو گا۔ کہ کسی کا قیاس اسے حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾

فرما دیجئے، اے اللہ، ملک کے مالک، تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے۔ اور جسے چاہے عزت دے، اور جسے چاہے ذلّت دے۔ خیر تیرے ہاتھ ہے۔ بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

حکم عام کے لئے ہو یا خاص اور خاص الخاص کے لئے۔ آتا اسی پر ہے جو اس حکم کی ادائگی اور عدم ادائگی کے ساتھ بشارت و انذار کا پورا علم رکھتا ہو۔ یہ شان ہے شاہدین کی، جس کا کوئی بدل نہیں۔ یہ حضرات عرض کرتے ہیں : ملک کا مالک تو ہی ہے۔ جسے تو دینا چاہے دے دیتا ہے، اور جس سے چھیننا چاہے چھین لیتا ہے۔ سب اسباب تیرے ہاتھ ہیں۔ اسباب کا رخ متعین کرنے والا تو ہی ہے۔ عزت سب اللہ کی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے، اور اس کے محبوب کے حوالے سے مانتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت عطا کی جاتی ہے۔ جو نفسِ امارہ کے امر کو ماننے لگتا ہے وہ ذلت کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ خیر اللہ کے ہاتھ ہے۔ اور اللہ ہی عطا فرمانے والا ہے۔ اور خیر صرف خیر کی راہ پر رہنے والوں ہی کو عطا ہوتی ہے۔ اگر کسی مقام پر مشکل پیش آئے، تو قادرِ مطلق سے بڑا کوئی مشکل کشا ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : خیر کے حصول کے لئے راہِ خیر پر رہنا ضروری ہے۔ راستے میں کوئی مشکل مقام آئے، تو اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ اس سے بڑا مشکل کشا کوئی ہو نہیں سکتا۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور مردے سے زندہ کو نکالتا ہے، اور زندہ سے مردے کو نکالتا ہے۔ اور تو جسے چاہے بغیر حساب رزق دے۔

مشاہدات سے دعوتِ فکر و نظر دی جا رہی ہے۔ رات کی حقیقت خلوت ہے، اور دن کی حقیقت جلوت ہے۔ رات کو دن میں داخل کرنا اور دن کو رات میں داخل کرنا شانِ خداوندی ہے، عدم سے وجود اور وجود سے عدم کرنا بھی شانِ خداوندی ہے، اور انہی دو مقامات کے درمیان زندگی کے سب مدارج آ جاتے ہیں۔ جو سب مدارج پر اللہ تعالیٰ کا ساتھ رکھے، اور ساتھ رکھنے کی توفیق کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی حساب کتاب نہیں رکھتا۔ ایسے باحقیقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی کوئی حساب نہیں رکھتا۔ جو امین ثابت ہو جائے، پھر اس پر نعمتوں کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حاصل : جو اللہ تعالیٰ کا ساتھ رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب نہیں کرتا، اس کو اللہ تعالیٰ بے حساب رزق دیتا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ

مومن، مومنین کے مقابل کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا، تو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہ رہا، مگر یہ کہ تم ان سے بچنا چاہو۔ اور اللہ تمہیں

اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾

اپنے سے ڈراتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھرنا ہے۔

مومنین کی مومنین کے ساتھ دوستی کی بنیاد تقویٰ پر ہوتی ہے۔ یہ دوستی رضائے خداوندی کے لئے ہوتی ہے، اس لئے ارشادِ خداوندی کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی دوستی کو دوام حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام دوستیوں کا انجام دشمنی ہی ہوتا ہے۔ کافروں کی اس قسم سے بھلائی اور انصاف جائز ہے، جس نے مومنین کے ساتھ جنگ نہ کی ہو، اور انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالا ہو۔ جن لوگوں نے مومنین سے عملاً دشمنی کی ہو، ان سے دوستی کرنا ظلم ہے۔ قادرِ مطلق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر کافروں سے دوستی کا منشا کسی شے کا حصول ہو تو یہ 'بیدک الخیر' کا انکار کرنے والی بات ہے۔ ہوتا تو وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے، پھر غیر کا راستہ اختیار کرنے سے بری بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے لئے جواب وہ ہونا بھی یقینی ہے۔

حاصل : مومنین کے مقابل کافروں کو دوست بنانا خسارے کو دعوت دینا ہے۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

فرما دیجئے، کہ اگر تم اپنے سینوں کی بات کو چھپاؤ، یا ظاہر کرو، اللہ کو اس کا علم ہے۔ اور اسے علم ہے جو آسمانوں میں ہے، اور جو زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے، چاہے وہ کسی مقام پر ہو، اور کسی صورت میں ہو۔ اس لئے جو چھپایا اور ظاہر کیا جائے، سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ کے علم میں ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔ اب اگر کوئی نفس کی خواہش کا اتباع لباسِ شرعی میں بھی کرے، تو اس کا ہر حال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ نتیجے پر بھی قدرت اسی مالکِ حقیقی کو ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے فرمان کو ادب سے ماننا یہ ہے، کہ خلوت و جلوت میں کہیں اپنی مرضی نہ کی جائے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖۛ وَّ مَا عَمِلَتْ

جس دن ہر نفس حاضر پائے گا جو اس نے بھلا عمل کیا اور جو برا عمل کیا، اور چاہے گا کہ مجھ میں اور اس میں دور کا فاصلہ ہوتا۔

مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع ۱۰

اور اللہ تمہیں اپنے سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

ہر نفس کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ جس نے بھلا کیا، وہ بھلائی کے انجام کو پہنچے گا۔ اس لیے کہ اس نے اس راہ کو اختیار کیا تھا، جس کے انجام کی بشارت شاہدین نے بصورت جنت دی تھی۔ اور جس نے برا کیا، وہ اپنے عمل کے انجام سے بعد چاہے گا مگر اس وقت اصلاح کو قبول کرنا مفید نہیں ہو گا۔ شاہدین نے اس کو غیر کے انجام سے پوری طرح آگاہ کیا تھا، اور اس نے بھی ان کی تکذیب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، اس لئے اس کا کیا ہی اس پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑی شان والا ہے۔ بندوں پر مہربان ہے، اس لئے انہیں انجام سے آگاہ فرماتا ہے، مثالیں بیان فرماتا ہے، ہدایت اور گمراہی کی نشانیاں بیان فرماتا ہے، تاکہ لوگ اپنے حال کو دیکھیں اور اس حال کے مستقبل کو بھی دیکھیں۔

حاصل : اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ اس لئے بھلے انجام کو پہنچنے کے لئے بھلے راہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا میں فرمایا ہے :

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

[فرما دیجئے، ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہم میں سچا فیصلہ فرما دے گا، اور وہی ہے بڑا فیصلہ کرنے والا علم والا۔]

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

فرما دیجئے، اگر تم اللہ کی حُبّ رکھتے ہو، تو میرا اتباع کرو، اللہ تمہیں حبیب بنا لے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ کی حبّ رکھنے کی حقیقت اپنے نفس کی پسند کو رضائے الٰہی پر قربان کرنا ہے۔ اور یہ قول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ حضور کے اتباع کے ساتھ جاننے کا جو مقام آئے گا، وہ جاننا حقیقی ہو گا۔ اتباع سے پہلے جاننا قول کی حد تک تو ہو سکتا ہے، علم نہیں کہلا سکتا۔ جاننا ہمیشہ ماننے کے بعد آتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کو اپنا محبوب بنا لے، اللہ اس کو اپنا حبیب بنا لیتا ہے۔ اس حبیب کا ماضی حال سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور اس ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اس طرح اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ بخشش کا راستہ روشن فرما کر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر بہت بڑی مہربانی فرمائی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی حبّ کا دعویٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعین کے اتباع سے سچا

ثابت ہوتا ہے۔ بخشش کا راستہ یہی ہے۔

قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ‌ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾

فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو اللہ کافروں کی محبت نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے جو بھی فرمایا ہے، ماننے والوں کی اس میں بھلائی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی معیارِ عمل ہے۔ اس معیارِ عمل کو مانا جائے تو عمل معیاری ہو گا۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے شاہد کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ اور آپ شاہدین کے امام ہیں۔ حضور کے تابعین مخلصین بھی آپ کی نسبت سے اپنے اپنے حال پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور یہ سلسلۂ شاہدین قیامت تک جاری رہے گا۔ اگر حال کا انکار ہو گا، تو ناصحین سے عدمِ محبت کی بناء پر ہو گا، اور یہی کفر ہے۔ کافر اللہ کا حبیب نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت حال پر ہونی چاہئے۔ ناصحین سے عدمِ محبت کفر ہے، اور کافر اللہ کا حبیب نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَۙ ﴿۳۳﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) اور نوح (علیہ السلام) اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو عالمین سے چن لیا۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر سب سے بڑی مہربانی یہ ہے کہ وہ ان کے سامنے اپنے چنے ہوئے بندے کو معیار بنا کر رکھ دیتا ہے۔ منشا یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس چنے ہوئے بندے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مانیں، اس بندے کا اتباع کریں، اور اس طرح انہیں خوف و حزن سے نجات حاصل ہو۔ آدم علیہ السلام چنے ہوئے تھے۔ نوح علیہ السلام چنے ہوئے تھے۔ آل وہ لوگ ہوتے ہیں، جن کا حال اپنے امام کے حال کے مطابق ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل بھی آپ کی بدولت چنی گئی، اور حضرت عمران علیہ السلام کی آل بھی اسی طرح چنی گئی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے کو چن لیا جائے، تو اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور فلاحِ دارین عطا ہوتی ہے۔

ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ‌ۚ ﴿۳۴﴾

جو ایک دوسرے کی ذرّیت تھے۔ اور اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام پہلے چنے ہوئے بندے ہیں۔ ان کی آل سے ہی حضرت نوح علیہ السلام کو چنا گیا۔ حضرت نوح

علیہ السلام کی آل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام چنے گئے، اور آپ کی آل بھی چنی گئی۔ اس کے بعد حضرت عمران علیہ السلام چنے گئے، اور آپ کی آل بھی چنی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا چناؤ ہر زمانے میں لوگوں کے لئے ظلمات سے نور کی طرف آنے کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی دعائیں سنتا ہے، اور جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔

حاصل : خیر والے خیر والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ غیر والے غیر والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمیع علیم کی بندگی کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ سنی سب کی جائے، کیا وہی جائے جس میں علیم مطلق کی رضا ہو۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾

جب عمران کی بی بی نے عرض کی : اے رب میں تیری نذر کرتی ہوں جو میرے بطن میں ہے، سب سے آزاد رکھ کر، تو مجھ سے قبول فرما۔ بے شک تو ہی سننے والا علم والا ہے۔

حضرت عمران کی بیوی نے اپنے بطن کے بچے کو اپنے رب کے لئے وقف کر دیا، اور یہ عہد کیا کہ اس سے کوئی ذاتی غرض و غایت پوری نہیں کروائی جائے گی۔ دعا کی : اے میرے رب میری اس پیشکش کو قبول فرما۔ قبول فرمانے والا قبول فرمائے تو بات بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل : قیادت کا حق انہی لوگوں کو ہے، جو اللہ کی راہ میں قبول ہو چکے ہیں۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

پھر جب اسے جنا، عرض کرنے لگی : اے رب یہ تو میرے لڑکی ہوئی ہے۔ اور اللہ کو بڑا علم ہے جو کچھ اس نے جنا۔ اور بیٹا اس بیٹی جیسا نہیں۔ اور میں نے اس کا نام مریم رکھا۔ اور میں اسے اور اس کی ذرّیت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطانِ رجیم سے۔

حضرت عمران کی بی بی کے ہاں نذر ماننے کے بعد جب بیٹی پیدا ہوئی، تو مائی صاحبہ کو بڑی حیرت ہوئی اور اپنی نذر کے قبول ہونے کے بارے میں شک ہوا، کہ اس سے قبل اللہ والے مرد ہی ہوتے تھے، اور خدمتِ دین کا شرف کسی عورت کو نہیں ہوتا

تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی رحم میں صورت بناتا ہے۔ اس لئے سب سے بڑا علم تو اسی کو ہوتا ہے کہ کس نے کیا جنا ہے۔ عطائے خداوندی بندے کی طلب سے ہمیشہ بہتر ہوتی ہے۔ مائی صاحبہ نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا، اور اسے اور اس کی ذرّیت کو اللہ کی پناہ میں دیا۔ جسے رب کی نذر کرنا ہو، جیسے ہی وہ دودھ پینے کی مدت پوری کرے، اسے کفالت کرنے والے بزرگانِ دین کی خدمت میں پیش کر دینا چاہیے۔

حاصل : عطائے خداوندی سب سے بڑے علم پر مبنی ہوتی ہے، اس لئے اس سے بہتر کا تصور بھی بے ادبی ہے۔ اپنی اولاد میں سے کسی کو اللہ کی راہ پر لگایا جائے، تو اولاد کی نعمت کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّ أَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا۔ اسے اچھی اٹھان دی۔ اور زکریا (علیہ السلام) کی کفالت میں دیا۔ جس وقت زکریا (علیہ السلام) اس کے محراب میں داخل ہوتے، اس کے پاس کچھ رزق پاتے۔ آپ فرماتے: اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا۔ وہ عرض کرتی: وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دے۔

حضرت مریم بی بی کو رب العالمین کی طرف سے شرفِ قبولیت بخشا گیا۔ اور بی بی صاحبہ کو صحت و تندرستی سے نوازا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں رکھا گیا۔ حضرت نے بی بی صاحبہ کے لئے عبادت کی جگہ مقرر کر دی اور کفیل ہونے کے حقوق کو بطریقِ احسن پورا کیا۔ آپ جب کبھی بی بی صاحبہ کی خبر لینے آتے، تو ان کے پاس موجود رزق کو دیکھ کر پوچھتے : یہ کہاں سے آیا ہے۔ بی بی صاحبہ عرض کرتیں : اللہ کے پاس سے۔ جو رزق بندے کو بغیر مشقت کے ملے، وہ عنداللہ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب نہیں کرتے اور اس کی رضا پر اپنی خواہشات کو قربان کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں بے حساب رزق دیتا ہے۔

حاصل : جو اللہ کی راہ میں قبول ہو جائے، اس سے بڑا کوئی بامراد نہیں۔ جو اللہ کی رضا کو مقصود بنا لے، اور اپنی خواہشات کے اتباع سے پاک رہے، تو اسے عنداللہ رزق دیا جاتا ہے، اور بے حساب دیا جاتا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ

زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

وہیں دعا کی: اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد عطا فرما۔ بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت بی بی مریم کے حال کو دیکھ کر یہ دعا کی: اے رب مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد عطا فرما۔ بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔ وہ اولاد پاک ہے، جو ہر حال پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مطلوب رکھے۔ پیدا تو سب ہی پاک ہوتے ہیں۔ جب خواہشات کے اتباع کے مقام پر نفس کی شح سے بچنے کا ثبوت ہو، تو پاکی کی روشنی پھیلتی ہے۔ کمی کو پورا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس سے دعا کرنے کی حقیقت اظہار بندگی ہے، ورنہ علیم مطلق سے بڑا کوئی جاننے والا ہو نہیں سکتا۔

حاصل: نیک اولاد کے لئے دعا کرنا بھی نیکی ہے۔ دعا اللہ ہی سے کرنی چاہئے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۳۹﴾

تو ملائکہ نے آپ کو ندا دی، اور آپ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ (علیہ السلام) کی بشارت دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کے مصدق ہوں گے، اور سردار، اور عورتوں سے بچنے والے، اور نبی ہوں گے صالحین سے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو اسی حال پر شرفِ قبولیت بخشا گیا۔ اور آپ کو حالتِ نماز میں ندا دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی جاتی ہے۔ شان یہ ہے ان کی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کی تصدیق کریں گے، سردار ہوں گے، عورتوں سے بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے صالحین سے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کا حق آپ نے ادا کیا۔ سردار وہ ہوتا ہے، جو اپنے ساتھیوں کی حفاظت اور فلاح کے لئے ہمہ تن مصروف رہے۔ عورت دنیا کی مرغوب ترین شے ہے۔ اللہ والوں کی یہ شان رہی ہے، اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گی کہ وہ عورتوں سے بچتے رہتے ہیں۔ نامحرم سے اگر ملنا ناگزیر ہو تو جلوت میں ملتے ہیں۔ لیکن بقاء نسل کو منشاء ایزدی جانتے ہوئے نکاح بھی کرتے ہیں، اور اولاد کو خدائی مہمان سمجھ کر پرورش بھی کرتے ہیں۔ صالح کی شان یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس کے قرب میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔

حاصل: پاک لوگوں کی دعا پاک ہوتی ہے، قدرت کاملہ کے مشاہدے سے ترتیب پاتی ہے۔ اور اسی حال پر اسے شرفِ قبولیت کی بشارت سے نواز دیا جاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ

عرض کی: اے رب میرے لڑکا کہاں

بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

سے ہو گا، میں بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ اسی طرح کرتا ہے، جیسے چاہتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنا حال اور اپنی بیوی کا حال اس لئے بیان کیا، کہ قدرتِ خداوندی کی عظمت روشن ہو۔ ورنہ دعا کرتے وقت بھی یہ سب آپ کے سامنے تھا کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں، اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی بانجھ ہو چکی ہیں۔ اگر اسباب کی حد تک ہی دیکھنے کی بات ہوتی، تو پاک اولاد کے لئے دعا کرنا ہی ممکن نہ تھا۔ آپ کا یہ عرض کرنا کہ میرے لڑکا کیسے ہو گا، اپنا حال بیان کرنے کے لئے ہے اور قدرتِ خداوندی کی صورت جاننے کے لئے ہے۔

حاصل : انعام کا ذکر سن کر اپنے حال کو بیان کرنا اور انعام دینے والے کی قدر کرنا بھلے لوگوں کی شان ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۱۲

عرض کی: اے رب میرے لئے کوئی نشانی ٹھہرا دے۔ فرمایا: نشانی آپ کے لئے یہ ہے کہ آپ لوگوں سے تین دن بات نہ کریں مگر رمز سے۔ اور اپنے رب کا بہت ذکر کریں، اور صبح و شام اس کی تسبیح کریں۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اس نشانی کے لئے گزارش کی جو ان کے لئے ان کی بیوی کے استقرارِ حمل سے تعلق رکھتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نشانی عطا ہوئی کہ آپ تین دن لوگوں سے بات نہیں کریں گے، مگر اشارے سے۔ اس عرصے میں اپنے رب کا کثیر ذکر کریں گے، اور صبح و شام اس کی تسبیح کریں۔ ذکر صرف زبان ہی سے تعلق نہیں رکھتا، دل سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ جب قول ساکن ہو جائے تو پھر زبانی ذکر ساکن ہو جاتا ہے، اور قلبی ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ تسبیح کا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عملاً قدر کی جائے، جیسے اس کی قدر کا حق ہے، تاکہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے میں آسانی ہو۔

حاصل : زبان سے بھی ذکر کرتے رہنا چاہئے، اور جب زبان سے ذکر کرنے کا محل نہ ہو، تو دل سے ذکر کرتے رہنا چاہئے، عملاً ارشادِ خداوندی کی تعمیل ہو اور بڑے ادب سے ہو، تو تسبیح کا حق ادا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں فرمایا ہے :

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

[اور جو توبہ کرے اور صالح عمل کرے تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لایا جیسے چاہئے تھا۔]

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور جب ملائکہ نے کہا: اے مریم (علیہا السلام) بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا۔ اور آپ کو طاہر کیا اور نساء العالمین پر آپ کو چن لیا۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام کی والدہ محترمہ نے بطن کے بچے کو اپنے رب کی نذر کر دیا، اور اس کی قبولیت کی دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا، طہارت سے نوازا اور اس حال پر سارے عالم کی عورتوں کے لئے آپ کو معیار بنایا۔ اللہ کے چنے ہوئے کو مانا جائے، تو راحت حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کے چنے ہوئے کے حوالے سے مانا جائے، تو ہدایت عطا ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا چناؤ اس لئے ہوتا ہے، کہ لوگوں کو اس کی رضا کے حصول کا راستہ ملے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے چنے ہوئے بندے کے حوالے سے مانا جائے تو ہدایت عطا ہوتی ہے۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اے مریم (علیہا السلام) اپنے رب کی بندگی کیجئے، اور سجدہ کیجئے، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیجئے۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔ آپ کا قیام جس جگہ تھا، وہیں نماز ادا ہوتی تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے وہاں نماز پڑھنے کا ذکر ہو چکا ہے۔ بی بی صاحبہ اپنے محراب میں بھی سجدہ کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ سجدہ اور رکوع کرتی تھیں۔ اللہ کے چنے ہوئے کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہاں عمل پہلے ہو رہا ہوتا ہے، حکم بعد میں آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے لئے حکم پہلے آتا ہے، عمل بعد میں ہوتا ہے۔

حاصل : چنے ہوئے بندے پر حکم بعد میں آتا ہے، عمل پہلے ہی ہو رہا ہوتا ہے۔ اس حکم سے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ

یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہ تھے، جب انہوں نے اپنے قلم ڈالے، کہ کون مریم کی کفالت کرے۔ اور آپ ان

مَرْيَمَ ۝ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۴

کے پاس نہ تھے، جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

ماضی کے واقعات غیب کی خبریں ہیں، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خارجی ذریعے سے ان امور کو نہیں جانا۔ جس یقین کے ساتھ آپ نے یہ واقعات بیان فرمائے ہیں وہ آپ کی صداقت کا روشن ثبوت ہے۔ آپ نے جو بھی فرمایا، علمِ الٰہی سے فرمایا۔ آپ اس وقت ان حضرات کے پاس تو نہ تھے، جب یہ لوگ حضرت بی بی مریم علیہا السلام کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی کر رہے تھے، اور جھگڑ رہے تھے۔ قرعہ اندازی قلموں سے ہو یا کسی دوسری شے سے ہو، اس وقت ہوتی ہے، جب کسی مقام پر مقدم و مؤخر کا فیصلہ کرنے کے لئے موجود علم کو طالب اپنے لئے کافی نہ جانیں اور کسی ایسی صورت پر متفق ہو جائیں، جو مقدم و مؤخر کا واضح فیصلہ کر دے۔ ایسے مواقع پر بھی زبردست لوگ جھگڑا کرتے ہیں۔ ان کی مشکل یہ ہوتی ہے، کہ ان کے مقابلے میں کم وسعت و توفیق کا حامل ان سے آگے آ رہا ہوتا ہے۔ جس طریقِ قرعہ اندازی پر یہ متفق ہو چکے ہوتے ہیں، اس سے حاصل ہونے والے نتیجے کو ماننے میں ان کی پسند آڑے آنے لگتی ہے۔ اور جب یہ قرعہ بار بار ایک ہی نتیجے کی تصدیق کرے، تو ماننا بھی پڑتا ہے۔

حاصل : ماضی کے واقعات غیب کی خبریں ہیں۔ ان کے بیان کا حاصل لوگوں کے سامنے ضرور آنا چاہئے۔ مقدم و مؤخر کا فیصلہ علم یقین سے کرنا چاہئے، اور سند سے کرنا چاہئے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۴۵

اور جب ملائکہ نے کہا: اے مریم (علیہا السلام) بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے، جس کا اسم شریف عیسیٰ ابن مریم ہے۔ دنیا و آخرت میں وجیہ اور مقربین میں سے ہے۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دی گئی۔ جس کا اسم شریف عیسیٰ بن مریم بتایا گیا۔ شان اور مقام بھی بیان کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عام سلسلۂ اسباب سے نہیں ہوئی۔ اسی لئے آپ کو کلمۃ اللہ فرمایا گیا ہے۔ نام و مقام بتانے میں ہی یہ حکمت بیان کر دی گئی کہ بچہ عام اسباب عادیہ سے نہیں ہو گا، اور دنیا و آخرت میں قدر و منزلت پائے گا، اور مقربینِ الٰہی میں شمار ہو گا۔

حاصل : مقربینِ الٰہی کی قدر و منزلت زندہ معاشرے کی نشانی ہے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا

اور لوگوں سے پالنے میں کلام کرے گا

وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور کہولت میں بھی، اور صالحین سے ہو گا۔

پالنے میں آپ کا کلام کرنا ایک معجزہ ہے۔ اور کہولت میں کلام کرنا بھی معجزہ ہو گا۔ پالنے میں آپ نے جو کلام فرمایا، وہ بھی لوگوں کو شکوک و شبہات سے پاک کرنے کے لئے سند کا درجہ رکھتا تھا۔ کہولت میں بھی جو کلام آپ فرمائیں گے، وہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی دعوت دے گا۔ صالحین کی شان یہی ہوتی ہے۔ ان کی جماعت صاحب حال کا ساتھ رکھتی ہے۔

حاصل : معجزہ صالحین کی شان کے لائق ہوتا ہے، اور لوگوں کو شکوک و شبہات سے پاک کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

عرض کرنے لگی : اے میرے رب میرے بچہ کہاں سے ہو گا۔ مجھے تو کسی بشر نے مس نہیں کیا۔ فرمایا : اللہ تعالیٰ اسی طرح خلق فرماتا ہے، جو چاہے۔ جب کسی امر کا فیصلہ فرما دیتا ہے، تو اسے فرماتا ہے : ہو، سو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام نے عرض کی اے میرے رب، میرے بچہ کہاں سے ہو گا، مجھے تو کسی بشر نے مس نہیں کیا۔ بی بی صاحبہ کا یہ عرض کرنا قدرتی تھا، اور ان کے علم میں تھا کہ بچہ عورت و مرد کے میل سے ہوتا ہے۔ اور انہیں تو کسی بشر نے مس نہیں کیا تھا۔ یہ طریق پیدائش عمومی نہ تھا۔ بچے کی شان اور مقام سے بھی آگاہی ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ روشن فرمایا کہ وہی قادرِ مطلق ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ ہمیشہ حکمت و علم پر مبنی ہوتا ہے۔ اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرما دیتا ہے، تو اس امر سے متعلق ارکان وہاں جمع ہو جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے عنوان کے مطابق صورت بنتی ہے۔

حاصل : عطائے خداوندی کو اپنے حال کی نسبت سے دیکھنا اور شکریہ ادا کرنا پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کا عنوان رکھ دیا جاتا ہے، تو ارکان جمع ہونے لگتے ہیں، اور صورت بننے لگتی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

اور اسے کتاب و حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دے گا۔

استاد کے علم کی عظمت شاگرد کے احساسِ حفاظت کا باعث ہوتی ہے، پھر استاد کے لئے اس کے استاد کی علمی فضیلت

باعثِ استقامت و فلاح ہوتی ہے۔ یہ سلسلۂ معلمین جہاں ختم ہو جائے۔ وہ بندہ اور سب سے بڑا معلم، علیم مطلق کی تعلیم سے متحرک ہوتا ہے۔ اسے احکام اور ان کی حکمت کا علم عطا کیا جاتا ہے۔ ماضی کے علم سے بھی نوازا جاتا ہے، اور حال پر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل کرنے کے لئے جو جو علم درکار ہوتا ہے، وہ بھی عطا کیا جاتا ہے۔

حاصل : علم کی زندگی ان مقربینِ الٰہی کی بدولت ہوتی ہے، جو علم الٰہی کے حامل ہوتے ہیں۔

وَرَسُولًا اِلٰی بَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ ۙ۬ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۹﴾

اور بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا۔ بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں، کہ میں تمہیں مٹی سے پرند کی ہیئت بنا کر دیتا ہوں، پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے پرند ہو جاتا ہے۔ اور اندھے اور برص والے کو اچھا کرتا ہوں۔ اور اللہ کے اذن سے مردے زندہ کرتا ہوں۔ اور تمہیں خبر دیتا ہوں، جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں رکھ چھوڑتے ہو۔ بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے، اگر تم مومن ہو۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ کو ان کے مرتبے سے آگاہ فرما دیا گیا۔ آپ نے اپنی رسالت کے اعلان کے ساتھ یہ فرمایا، کہ میں تمہیں مٹی سے پرند کی ہیئت بنا کر دیتا ہوں، پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے پرند ہو جاتا ہے۔ اور اندھے اور برص والے کو اچھا کرتا ہوں۔ اور اللہ کے اذن سے مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ اور تمہیں خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں رکھ چھوڑتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مقربین کو معجزات اس لئے عطا کئے جاتے ہیں، کہ وہ اس حال پر موجود علم کسب کی مایہ ناز صورت پر علم الٰہی کا تفوق ثابت کر دیں، اور لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی راہ ملے۔ اپنی ایجادات پر ناز کرنے والوں کے لئے مٹی سے پرندکی صورت بنا کر اس میں پھونک کر اسے باذن اللہ اڑا دینا یقیناً انہیں عاجز کرنے والی بات ہے۔ اندھے اور برص والے کو اچھا کر دینا علم العلاج میں ید طولیٰ کے دعویداروں کو عاجز کرنے والی بات ہے۔ مردوں کو باذن اللہ زندہ کرنا حیات بعد الموت کا مشاہدہ کروانے والی بات ہے، اور آخرت کے منکرین کو عاجز کرنے والی بات ہے۔ کھائے ہوئے کی خبر دینا اور رکھے ہوئے کی خبر دینا جسم انسان کے اندر اور باہر کے کیمیائی تغیرات کا پورا علم رکھنے کی سند ہے، اور قیاس سے بات کرنے والوں کو عاجز کرنے والی بات ہے۔ ماننے والوں

کے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔ اگر کسی کا رخ نور سے ظلمات کی طرف ہو جائے، تو وہ اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

حاصل : معجزے کی حقیقت علمِ کسب کی مایہ ناز صورت پر علمِ الٰہی کا تفوق ہے، تاکہ لوگ امن کی راہ اختیار کریں۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

اور اپنے سے پہلی کتاب تورات کا مصدّق ہوں۔ اور اس لئے کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں حلال کر دوں۔ اور میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

تمام بزرگانِ دین کا مقصود ایک ہے، اور وہ ہے اس کے بندوں کو اس کے ساتھ واصل کرنا۔ اس لئے بزرگانِ دین میں نہ تضاد ہوا، نہ ہو سکتا ہے۔ ان کا منصب اپنے ماضی کی تصدیق، اور حال پر آسانی عطا کرنا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بعض چیزیں بنی اسرائیل پر حرام تھیں، آپ نے اللہ کے حکم سے انہیں حلال ٹھہرایا، اور بنی اسرائیل کو اس سے آسانی حاصل ہوئی۔ آپ کی صداقت کا روشن ثبوت ان کے سامنے تھا۔ اپنی فضیلت کی سند کے ساتھ آپ نے دعوتِ خیر دی۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس مالکِ کل کی پسند کو پسند کیا جائے، اور اس کی ناپسند کو ناپسند کیا جائے۔ اس لئے کہ اس کا ہر فرمان بندوں کی فلاح کے لئے ہے، اور وہ وحدہٗ لاشریک احتیاج سے پاک ہے۔ اللہ سے ڈرنا بہت بڑا علم ہے، اور حال پر صاحبِ علم سے عطا ہوتا ہے۔ اس لئے اس علم کے قاسم کی اطاعت لازم ہے۔

حاصل : بزرگانِ دین میں تضاد نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ ان کا منشاء لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ حال پر آسانی عطا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا علم ان کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ تو اسی کی عبادت کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوتِ خیر کو پورا کرتے ہوئے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، تو اسی کی عبادت کرو، یہی صراط مستقیم ہے۔ بندے کا منشاء عبودیتِ الٰہی ہے۔ بزرگانِ دین کی طریقت یہی ہے کہ وہ اپنا حال لوگوں کے سامنے رکھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی دعوت دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو ان صاحبِ حال حضرات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو

ماننے میں عافیت نظر آتی ہے۔ صراطِ مستقیم مخلصین کے نقشِ قدم سے بنتا ہے۔ اس لئے کہ مخلصین پر شیطان کا اغواء ممکن نہیں۔

حاصل : دعوتِ خیر کو اس طرح پورا کرنا چاہئے کہ بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، اور اسی کی عبودیت باعثِ فلاح ہے۔ صراطِ مستقیم مخلصین کے قدم سے بنتا ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کے کفر کا احساس ہوا، فرمایا : کون اللہ تعالیٰ کی طرف میرے ساتھ ہیں۔ حواریوں نے عرض کیا : ہم ہیں اللہ کے ساتھ۔ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ اور آپ شاہد رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت کے روشن اور کھلے ہوئے ثبوت بنی اسرائیل کے سامنے رکھے۔ اور جب لوگوں نے آپ کی اطاعت کی بجائے نفسِ امارہ کی اطاعت کی، تو آپ نے ان کے کفر کو محسوس کیا، اور ماننے والوں کی ملت کو دیکھنے کے لئے فرمایا : کون ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف میرے ساتھ ہیں۔ حواری حضرات نے عرض کیا : "ہم ہیں اللہ کے ساتھ۔" جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کی نصرت کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے۔ ان حضرات نے اپنے دعوئ ایمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شاہد بنایا، اور اپنے مسلمان ہونے کی تصدیق چاہی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی رہا ہے، اور اسلام ہی رہے گا کہ اس کے کلمات بدلتے نہیں۔ اور ماننے والے پہلے بھی مسلمان ہی کہلاتے رہے ہیں، اب بھی مسلمان کہلاتے ہیں، اور آئندہ بھی مسلمان ہی کہلائیں گے۔

حاصل : جب لوگوں کی اکثریت کا جھکاؤ خواہشاتِ نفس کے اتباع کا ہو جائے تو مخلصین اپنی ملت کو مجتمع کرتے ہیں۔ اور یہ پاک ملت اپنے مطاع کو شاہد بنا کر اللہ تعالیٰ کو ماننے کا اظہار کرتی ہے۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا، اور رسول کے تابع ہوئے، تو ہمیں شاہدین کے ساتھ لکھ لے۔

حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مسلمان ہونے پر شاہد بنا کر رب العالمین سے دعا کی. کہ اے ہمارے رب

جو کچھ تیری طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور تیرے رسول کے تابع ہوئے، تو ہمیں شاہدین کے ساتھ لکھ لے۔ حیاتِ دنیا میں شاہدین کے ساتھ سے بڑا اور کوئی انعام نہیں۔ جو حال پر شاہدین کے ساتھ ہے، وہ آخرت میں بھی ساتھ ہو گا۔ اسی ساتھ میں دوام موجود ہے۔ جس کا میل جول ہو شاہدین کے ساتھ، اس کا قول پاک ہو جاتا ہے۔ جس کا قول پاک ہو جائے، اسے شاہدین سے محبت ہو جاتی ہے، اور اس کے عمل صالح ہو جاتے ہیں۔ جس کے عمل صالح ہو جائیں، اسے علمِ خیر عطا ہوتا ہے۔ جو ان مقامات پر تضاد اور اختلاف سے پاک رہے، وہ مخلص ہو جاتا ہے، اور مخلصین میں شمار ہو جاتا ہے۔

حاصل : شاہدین کا ساتھ سب سے بڑا انعام ہے، اور اسی ساتھ میں دوام موجود ہے۔

3/4 ع ۱۲ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۵۴

اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے مخفی تدبیر فرمائی، اور اللہ سب سے بہتر تدبیر والا ہے۔

کفارِ بنی اسرائیل نے اللہ کے رسول کا اتباع کرنے والوں کی ملت کو اپنے لئے خطرہ جانا۔ علمِ الٰہی سے مقابلہ کرنا تو محال ہوتا ہے۔ اس لئے کافر ایسے مواقع پر جب کہ وہ لوگوں کو شاہدین کی ملت میں شامل ہونے سے روکنے پر ناکام ہو چکے ہوں تو شاہدین کو ان تابعین سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ خفیہ تدبیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تو کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ کسی کی تدبیر کو کامیاب نہ ہونے دے، یا کسی کی تدبیر کو اسی پر لوٹا دے، اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ لوگ جلد باز ہوتے ہیں، اس لئے ان کا مکر کوتاہ نظری سے تعلق رکھتا ہے۔ قابلِ اصلاح، اور حدِ اصلاح سے گزرے ہوؤں کے ساتھ ایک سا سلوک نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بہتر تدبیر کرنے والے کی شان ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

حاصل : مکر برے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، اچھے معنوں میں بھی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰

[اور جب کافر آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے، کہ آپ کو بند کر دیں یا آپ سے لڑیں یا آپ کو نکال دیں، اور وہ اپنی خفیہ تدبیر کرتے تھے، اور اللہ نے بھی مخفی تدبیر فرمائی، اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔]

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے عیسیٰ علیہ السلام بے شک میں آپ کو سنبھال لوں گا، اور اپنی طرف اٹھا لوں گا، اور کافروں سے آپ کو پاک کروں گا، اور آپ کے تابعین کو یومِ قیامت تک منکرین پر فوقیت

اِتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

دوں گا۔ پھر تم سب میری طرف مراجعت کرو گے، تو میں تمہارے مابین فیصلہ کر دوں گا جس میں اختلاف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ نصرت حال پر ہوتی ہے، اور علم سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی علیم نہیں ہے۔ اس لئے اس کی نصرت سے بڑی کوئی نصرت ہو نہیں سکتی۔ اس نے ہر رسول کی نصرت فرمائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ خیر کا انکار کرنے والوں نے آپ سے مکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حال کا مستقبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر روشن کر دیا کہ آپ کو سنبھال لوں گا، یہ ناپاک لوگ آپ کے جسد مبارک کو چھو بھی نہ سکیں گے، اور آپ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو اس کا انکار کرنے والے اور عملاً اس کے ساتھ لڑنے والے ہمیشہ نامراد رہتے ہیں۔ کافروں سے آپ کو پاک کر دینے کی حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اب آپ سے فیضیاب ہونے کے اہل ہی نہیں رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے وہی تھے، جنہوں نے آپ کو اپنے مسلمان ہونے پر شاہد بنایا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا لازم ہے۔ جو لوگ خاتم النبیین کا انکار کرتے ہیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی منکر ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے، ان پر خاتم النبیین کا اتباع بھی بشرطِ حیات لازم ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی فوقیت کی یہ بشارت بڑی روشن ہے۔ اور یہ فوقیت قیامت سے پہلے اظہر من الشمس ہوگی۔ جب ساری دنیا انسانی خواہشات کے تحت جنم لینے والے علوم سے تاریک ہو جائے گی، تو لوگوں کو حق کی جستجو ہوگی۔ اس وقت حق جلوت میں آئے گا۔ اور اس وقت ساری کائنات میں سوائے مومنین کے اور کوئی نہیں ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ فرمایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینا اختلاف کا بیج بونا ہے۔ جہاں یہ بیج بویا جائے گا، اس کا درخت بن جائے گا اور لوگ یکسوئی کی نعمت سے محروم ہوتے جائیں گے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نصرت فرماتا ہے۔ اس کا علم سب سے بڑا ہے، اس لئے اس کی نصرت بھی سب سے بڑی ہے۔ قیامت سے پہلے مسلمانوں کی فوقیت اظہر من الشمس ہوگی۔ اختلاف اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینے سے پیدا ہوتا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

تو جنہوں نے کفر کیا، میں انہیں عذاب کروں گا دنیا و آخرت میں، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں، ان کافروں کے اعمال کا حاصل عذاب کہلاتا ہے۔ برے اعمال کا حاصل آسمان پر جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور پھر لوگوں کے حدِ اصلاح سے گزر جانے پر آسمان سے نازل کیا جاتا ہے۔ انکارِ حق میں جس کا رویہ شدید ہو

گا۔ اسے عذاب بھی شدید ہو گا۔ دنیا میں بھی ہو گا اور آخرت میں بھی ہو گا۔ دنیا میں عذاب خوف و حزن کی صورت سے ان پر مسلّط رہے گا۔ آخرت میں ان کو ان کے کئے کی پوری جزا دی جائے گی۔ غرض و غایت پر قائم ہونے والی دوستی بے حقیقت ہوتی ہے۔ اور شاہدین کی نسبت سے قائم ہونے والی دوستی باحقیقت ہوتی ہے۔ انسانی تجاویز نہ دنیا میں کسی کو مشقت سے بچا سکتی ہیں، نہ آخرت میں کسی کو چھڑا سکیں گی۔

حاصل : حق کے انکار کا حاصل عذاب ہوتا ہے دنیا و آخرت میں۔ منکر کی تجویز اس کے کسی کام نہیں آتی۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور وہ جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے تو اللہ انہیں ان کے اجر پورے دے گا۔ اور ظالم اللہ تعالیٰ کو نہیں بھاتے۔

دعوئ ایمان، صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ صالح اعمال شاہد کے اتباع کا نام ہے۔ منشاء رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ لوگوں کو دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ ایسے خالص اعمال کی شان عنداللہ یہ ہوتی ہے کہ قطرہ سمندر اور ذرہ پہاڑ ہوتا ہے۔ پورا اجر دینے والے علیم مطلق کی عطا کا شمار ہو نہیں سکتا۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے مساوی نہیں ہوتے۔ اللہ کے شاہدین کو دوست بنانے والے اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ دوست کا دشمن، دشمن ہوتا ہے۔ جیسے دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے۔

حاصل : صالح اعمال سے دعوئ ایمان سچا ثابت ہوتا ہے۔ پورا اجر دینے والے کی عطا کا شمار نہیں ہو سکتا۔ دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے۔ اور دوست کا دشمن، دشمن ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

یہ ہم تم پر آیات سے پڑھتے ہیں۔ اور یہ حکمت والا ذکر ہے۔

حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ وہ عام کے لئے ہو، یا خاص اور خاص الخاص کے لئے۔ نازل اسی پر ہوتا ہے جس کا مقام بشیر و نذیر ہو۔ فرمانِ خداوندی میں ماننے والوں کی بھلائی کی ضمانت موجود ہے۔ حکمت کا پتہ راستہ چلنے سے لگتا ہے، راستے کی باتیں کرنے سے نہیں لگتا۔

حاصل : حکم کا نزول بشیر و نذیر پر ہوتا ہے۔ حکمت کا پتہ، راستہ چلنے سے لگتا ہے، راستے کی باتیں کرنے سے نہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ

بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام)

اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

کی مثال کی طرح ہے۔ آپ کو مٹی سے خلق فرمایا، پھر فرمایا: ہو، وہ ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر لوگوں نے جس طرح حیرت کا اظہار کیا، اور جس طرح آپ کے متعلق بے سند باتیں کیں، یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے اصولِ تخلیق پر نظر ہی نہیں کی گئی۔ مالکِ کل کی شان ہے، کہ وہ سبب سے بھی پیدا کرتا ہے، اور بے سبب بھی پیدا کرتا ہے۔ اگر ماں باپ کے بغیر پیدائش محال ہو، تو حضرت آدم علیہ السلام کی سب سے پہلے بندے کی حیثیت سے پیدائش کیسے ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے خلق فرمایا۔ پھر فرمایا: "ہو" وہ ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے مقابل یہ بڑی بات ہے۔ جس قادرِ مطلق کے "کن" کہنے سے "فیکون" ہو جاتا ہے، وہ حکیمِ مطلق ہے اور علیمِ مطلق ہے۔ اس کا منشا لوگوں کو آسانی عطا کرنا ہے۔ لوگ اپنی خواہشات کے تحت مشقتوں سے چھوٹتے ہی نہیں۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کے "کن" کہنے سے "فیکون" ہو جاتا ہے۔ علمِ الٰہی ہر مقام پر ماننے والوں کے لئے باعثِ رحمت ہوتا ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ تو شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔

حق وہ ہے جو رب العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اللہ سے بڑا بھی خواہ کوئی ہو نہیں سکتا۔ اگر اس کے فرمان کو کسی خواہشات کے تحت بولنے والے کی بات کی طرح جانا جائے، تو یہ شک کرنے والی بات ہوگی، اور ایسا کرنے والے اپنے شک میں ہی ڈوب جاتے ہیں۔

حاصل: جس کی بات سننے والوں کی بھلائی کے لئے ہو، اس کی بات کی قدر نہ کرنا، شک کرنے والوں کا کام ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

تو جو تم سے اس میں حجت کریں، بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا، تو ان سے کہئے: آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے، اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں، اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلا کریں تو کاذبین پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

جب کوئی ضد پر اڑ جائے، اور اس کے پاس اس کی صداقت کی کوئی سند نہ ہو، تو اس کی حجت کو رفع کرنے کی صورت بیان فرمائی گئی ہے، کہ ایسی صورت میں فریقین اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اور اپنے آپ کو بھی جمع کریں اور مباہلہ کریں۔ مباہلہ کا منشا صداقت و کذب کا فیصلہ اللہ تعالیٰ سے کروانا ہے۔ اس میں فریقین اپنے اپنے مقام پر حق کو بیان کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور کاذبین پر لعنت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب وہ حق کو باطل پر پھینک کر مارتا ہے، تو باطل کا بھیجہ نکال کر رکھ دیتا ہے، جبھی وہ مٹ جاتا ہے۔

حاصل : جو استدلال کرتے کرتے ضد سے حجت تک آ جائے، اسے مع اس کے متعلقین کے دعوتِ مباہلہ دینی چاہئے۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾

بے شک یہ بیان حق ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور بے شک اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

مباہلے میں ہر ایک فریق کے امام کو یہ کہنا ضروری ہے کہ اس کا بیان حق ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔ اور کاذبین پر اللہ کی لعنت ہو۔ امام کے پیچھے اس کے ساتھ والے بلند آواز سے آمین کہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہوتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : مباہلے کی زبان واضح اور ایک ہونی چاہئے۔ الفاظ بلند آواز سے کہے جائیں۔ آخر میں یہی کہا جائے، بے شک یہ بیان حق ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور بے شک اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

ع ۶ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ مفسدین کو جانتا ہے۔

جب حجت کرنے والے اپنی ذات کو اور اپنے قرب والوں کو عدم یقین کی وجہ سے بے پناہ خطرات میں گھرتا ہوا دیکھیں تو وہ مباہلے سے منہ پھیر جاتے ہیں۔ یہی ان کے مفسد ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ بڑے علم سے مہلت دیتا ہے، اور اس کی پکڑ ہی سب سے بڑی پکڑ ہے۔

حاصل : مفسدین جب اپنے تئیں خطرے میں محسوس کریں تو منہ پھیر جاتے ہیں۔ علیم مطلق مہلت بھی دیتا ہے، اور منکرین کو پکڑتا بھی ضرور ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾

[بے شک سب جانداروں میں اللہ کے نزدیک شر والے وہ ہیں جو کفر کرتے ہیں، اور ایمان نہیں لاتے۔]

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

فرما دیجئے: اے اہل کتاب ایسے کلمہ کی طرف آؤ، جو ہم میں اور تم میں برابر ہے۔ یہ کہ عبودیت نہ کریں مگر اللہ کی۔ اور کسی شے کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے مقابل رب نہ بنا لے۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دو، گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

جس سے بات کی جائے، اس کے مقام اور علم کا لحاظ ضروری ہے۔ اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے اعتبار سے مسلمانوں کے مساوی ہیں۔ قدرِ مشترک سے بات چلائی جائے، تو راستہ آسان ہو جاتا ہے اور تضاد کی بنیاد بھی چھپی نہیں رہتی۔ اگر اہلِ کتاب اس سے بھی منہ پھیریں تو ان سے یہ کہنا "گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں" لازم ہے۔

حاصل: قدرِ مشترک سے بات چلائی جائے تو تضاد کی بنیاد چھپی نہیں رہتی۔ حق سے منہ پھیرنے والے کو یہ کہنا چاہئے، گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾

اے اہل کتاب: ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ تورات اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئیں۔ کیا عقل نہیں کرتے۔

اہلِ کتاب اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تورات اور انجیل کے حوالے سے بات کریں، جن کا نزول ان کے بعد ہوا ہے، تو اہلِ کتاب کی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال کے متعلق محض گمان پر مبنی ہو گی، اور خلافِ عقل ہو گی۔

حاصل: بے سند بات عقل والے نہیں کرتے۔

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

سنتے ہو، یہ جو تم جھگڑے جس کا تمہیں علم تھا، تو اس میں کیوں جھگڑتے ہو، جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔ اور اللہ کو علم ہے، اور تمہیں علم نہیں۔

اہلِ کتاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طرح پہچانتے تھے، کہ ان کی کتابوں میں آپ کے متعلق بشارتیں موجود تھیں۔ ان لوگوں نے حضور کو تسلیم کرنے کی بجائے ان سے جھگڑا کیا، اور علم ہونے کے باوجود انکار کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ان کا جھگڑنا تو محض بے علمی پر مبنی تھا۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ معلم ٹھہرائے، اس کو ماننا باعثِ فلاح اور اس کا انکار باعث خسارہ ہوتا ہے۔ علم وہی ہے، جو علمِ الٰہی کے حوالے سے ہو۔

حاصل : علم وہی ہے، جو علمِ الٰہی کے حوالے سے ہو۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ ولیکن حنیف مسلم تھے۔ اور مشرکین سے نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ اس لئے یہود و نصاریٰ اگر آپ سے نسبت کا دعویٰ کریں تو وہ درست نہیں ہو گا۔ یہود و نصاریٰ تو اپنے تشخص کو اوّلیت دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یک سوتھے۔ ماننے والے تھے۔ مشرکین سے نہ تھے۔ حنیف وہ ہوتا ہے، جو سیدھا ہو اور تضاد سے پاک ہو۔ مسلم وہ ہوتا ہے، جو ایک بار مان لے اور پھر اس کی تسلیم بڑھتی رہے۔ مشرک وہ ہوتا ہے، جس کے سامنے ایک سے زائد معیار ہوں، اتباع کے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کو دعوت دی گئی ہے کہ حنیف بنو، مسلم بنو اور مشرک نہ بنو۔

حاصل : حنیف مسلم کبھی مشرک نہیں ہوتا۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

بے شک سب لوگوں سے اولیٰ مناسبت ابراہیم (علیہ السلام) سے انہیں تھی جنہوں نے ان کا اتباع کیا، اور یہ نبی (علیہ السلام) اور ایمان والے۔ اور اللہ مومنین کا ولی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے، اور مسلم تھے۔ جن حضرات نے ان کا اتباع کیا، ان کا تعلق آپ سے ثابت ہے۔

اولیٰ تعلق ساتھ سے ہوتا ہے، اور علم سے ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے آپ کا اتباع کیا، وہ آپ کے ساتھ والے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حنیف اور مسلم ہیں اور ان پر ایمان لانے والے بھی ان کے اتباع کی بدولت اولیٰ عمل والے ہیں۔ اس طرح ایک ہی علم ماضی و حال میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین کا ولی ہے، اس لئے انہیں خوف و حزن سے بچاتا ہے، اور نورِ ہدایت سے نوازتا ہے۔

حاصل : اولیٰ نسبت کا ثبوت حال پر اتباع سے ملتا ہے۔ بعد میں علم سے ملتا ہے۔ مومنین کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتا ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اہلِ کتاب کا گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کریں۔ اور وہ اپنے آپکو ہی گمراہ کرتے ہیں، اور انہیں شعور نہیں۔

اہلِ کتاب سے وہ لوگ جو مومنین کو خوف و حزن سے پاک دیکھ کر پریشان ہوتے ہیں، چاہتے ہیں کہ مومنین کو بھی پریشانی میں مبتلا کیا جائے۔ مومنین کسی بھی حال میں شان سے پرے نہیں ہوتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو شاہدین کے حوالے سے مانتے ہیں، اس لئے ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنے والے تضاد میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں اور گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔

حاصل : شان والا کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ اسے پریشان کرنے کی کوشش کرنے والا خود مزید پریشان ہوتا رہتا ہے۔ اور اسے اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اے اہلِ کتاب، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے کیوں کفر کرتے ہو، اور تم گواہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے شاہدین کی جماعت کی بڑی شان رکھی ہے، کہ ان کے نقشِ قدم سے صراطِ مستقیم بنتا ہے۔ جیسے چراغ سے چراغ جلتا ہے، ویسے ہی شاہد سے شاہد کی تصدیق ہوتی ہے، اور یہ سلسلۂ خیر لوگوں کے ظلمات سے نور کی طرف آنے کا باعث ہوتا ہے۔ نشانی کو حال پر دیکھ کر اس کا انکار کیا جائے، تو یہ کفر ہے، اور ناشکری ہے۔ بھلے لوگوں کا طریقِ زندگی یہ ہے کہ وہ حق و صداقت کی نشانی کو دیکھ کر مانتے ہیں اور دوسروں کا راستہ آسان کرتے ہیں۔

حاصل : حق و صداقت کی نشانی کو ماننا اور دوسروں کو آسانی عطا کرنا بھلے لوگوں کا طریقِ زندگی ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ

اے اہلِ کتاب، حق میں باطل کیوں ملاتے

البقرہ (42) مسیں میں باطل...

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾ ع ۸ ۱۵

ہو، اور حق کو کیوں چھپاتے ہو، اور تمہیں معلوم ہے۔

حق وہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ اور باطل وہ ہے جس میں ہوائے نفس کا اتباع ہو، چاہے کسی لبادے میں ہو۔ حق کو چھپانا ہمیشہ غرض و غایت کے تحت ہوتا ہے۔ نتائج تو باذن اللہ ہوتے ہیں، اس لئے کسی کا غیر رخ اختیار کرنا اس کے لئے صریحاً خسارے کا باعث ہوتا ہے۔ اپنے حال کا علم بھی ہو جاتا ہے، اس کے باوجود اگر نفس کی خواہشات کا ہی اتباع کیا جائے، تو پھر نور سے ظلمات کی طرف بڑھنا قدرتی بات ہے۔

حاصل : حق وہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ باطل وہ ہے، جس میں خواہشاتِ نفس کا اتباع ہو۔ حق کو جانتے ہوئے چھپانا ناقابلِ تلافی خسارے کو دعوت دینا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ میں فرمایا ہے :

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٥﴾

[ہماری آیتوں پر ایمان وہی لاتے ہیں، کہ جب انہیں یاد دلائی جاتی ہیں، سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد سے تسبیح کرتے ہیں، اور تکبر نہیں کرتے۔]

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٧٢﴾

اور اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہا : جو کچھ ایمان والوں پر نازل ہوا، اس پر دن چڑھے ایمان لاؤ، اور آخر دن میں منکر ہو جاؤ، تاکہ یہ پھر جائیں۔

اہلِ کتاب کے گروہ نے مومنین کو راہِ راست سے پھیرنے کی ایک صورت یہ سوچی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں پر نازل ہوا ہے، اس پر دن چڑھے ایمان لایا جائے، اور اس طرح ایمان والوں کو ان کے ساتھ کا پتہ چلے۔ شام کو اس کا انکار کر دیا جائے، تو ایمان والوں سے وہ لوگ ضرور متاثر ہوں گے جو ان اہلِ کتاب کو صاحبِ علم مانتے ہیں۔ جو ایمان والے بھی تضاد ثابت کرنے والے اہلِ کتاب کی مان لیں گے، وہ ضرور تضاد میں مبتلا ہو جائیں گے۔

حاصل : جو اپنی صبح کی تسلیم کو شام کے انکار سے بدل دے، اس سے تعلق رکھنا بڑی خطرناک بات ہے۔

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَى اللَّهِ أَنْ

اور مانو نہ مگر اسی کی جو تمہارے دین کے تابع ہو۔ فرما دیجئے : بے شک ہدایت ،

يُؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ ﴿۷۳﴾

اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اس لئے کسی اور کو کیوں عطا ہو جو تمہیں عطا ہوا تھا، یا وہ تم پر تمہارے رب کے نزدیک حجت لائے۔ فرما دیجئے: بے شک فضل اللہ کے ہاتھ ہے۔ جسے چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اہلِ کتاب کے گروہ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ مانو اسی کی جو تمہارے دین کے تابع ہو۔ جہاں حق اپنی پسند کا نام ہو، وہاں ہدایت کیسے ہو سکتی ہے۔ ہدایت تو وہی ہے، جو اللہ تعالٰی کی طرف سے عطا ہو۔ اہلِ کتاب کے یہ لوگ اس بات پر ناراض ہوئے کہ کسی اور کو ان کی مثل کیوں عطا ہو، اور وہ ان پر حجت لائے۔ حق کو تسلیم کرنے میں جب بھی کسی شرط کو عائد کیا جائے گا، تسلیم بے معنی ہو جائے گی۔ اللہ تعالٰی علیم مطلق ہے، وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اس کا نوازنا کسی کے شرف کی بڑی سند ہے۔ اللہ تعالٰی کی شان ہے کہ اس کے علم کی وسعت سے لوگ آگاہ ہوتے جا رہے ہیں۔ جب ساری دنیا میں اس علم کی روشنی سے لوگ فیضیاب ہوں گے، تب بھی علمِ الٰہی کی وسعت کا تعین محال ہو گا۔

حاصل: عطائے خداوندی کسی کے صاحبِ شرف ہونے کی بڑی سند ہے۔ ماننے والوں کو مزید آسانیاں عطا ہوتی رہتی ہیں۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

جسے چاہے اپنی رحمت سے مختص فرماتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

کسی کا اللہ تعالٰی کی رحمت کے لئے اختصاص اس کے مرتبے کا عنداللہ بڑا روشن ثبوت ہوتا ہے۔ اس رحمت سے حال پر ماننے والے لوگوں کو اللہ کا مزید فضل عطا ہوتا ہے، مزید آسانیاں عطا ہوتی ہیں، اور علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی تو بے بہا ہے۔ کوئی اگر لینے سے ہی انکار کر دے، تو اس کا اپنا قصور ہے۔

حاصل: عطائے خداوندی بے بہا ہے۔ اللہ تعالٰی کا فضل ختم ہونے والا نہیں۔ رحمتِ خداوندی کو طلب کرتے رہنا چاہئے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ

اور اہلِ کتاب میں کوئی وہ ہے کہ تم اس کے پاس ایک ڈھیر امانت رکھو تو وہ تمہیں ادا کر دے گا۔ اور ان میں کوئی وہ ہے کہ اگر اس کے پاس ایک دینار امانت رکھو تو

اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِی الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

تمہیں لوٹائے گا نہیں، مگر یہ کہ اس پر کھڑے رہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں کے معاملہ میں ہم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہے۔

اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ ان کے پاس امانت رکھے ہوئے مال کی کثرت بھی ان کے دل میلے نہیں کرتی۔ وہ امانت میں بالکل خیانت نہیں کرتے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ ان کے پاس ایک دینار امانت رکھا ہو، تو وہ تقاضے سے سر پر کھڑا ہو جانے والے کو چاہے لوٹا دیں، ان کا دل لوٹانے کو نہیں چاہتا۔ ایسے لوگوں کا کہنا ہے کہ امیوں کے مال سے لینے میں ان پر کچھ گناہ نہیں، کہ یہ لوگ اہل کتاب میں شمار نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر ایسی بات اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں، جو اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔ اور پھر خود ان کے اہلِ کتاب میں بھی امین لوگ موجود ہیں، جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ خیانت فرمانِ خداوندی کے خلاف ہے۔

حاصل : جو لوگ کسی بری بات کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں، ان کے قریب ہی ان کے جھوٹ کو ثابت کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔

بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

ہاں کیوں نہیں۔ جس نے اپنا عہد وفا کیا، اور تقویٰ کیا، تو بے شک اللہ تعالیٰ متقین کی حُبّ رکھتا ہے۔

عہد کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا متقی کی نشانیاں ہیں۔ متقی کا عہد رضائے الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔ متقی ڈرتا اس بات سے ہے کہ معیارِ وفا جو شاہدین کے قدم سے روشن ہے اس کو حال بنانے میں کوتاہی نہ ہو، کہ یہ کوتاہی دعویٰ معیتِ شاہدین کو متاثر کرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب لوگوں کی شان ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب کی حُبّ رکھے۔ وہ عہد کا وفا کرنے والا ہو جاتا ہے اور متقی ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے۔

حاصل : عہد کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا متقی کی نشانیاں ہیں۔ متقی اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو قلیل داموں بیچ دیتے ہیں،

أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۷۷

آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا، اور نہ ان کی طرف نظر کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنے کا عہد بندے کی شان ہے۔ جو لوگ ایفائے عہد کی قسم کھاتے ہیں، اور پھر وقتی فائدے کے لئے دائمی فائدے کو نظر انداز بھی کر دیتے ہیں، یہی حق کو قلیل داموں بیچنے والے لوگ ہیں۔ جو آخرت کو ملحوظ ہی نہیں رکھتے، ان کا آخرت میں کیا حصہ ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام فرمائے گا، نہ ان کی طرف نظر کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو بیچنے والوں کے لئے المناک عذاب ہو گا۔

حاصل : وقتی فائدے کے لئے دائمی فائدے کو نظر انداز کرنا المناک عذاب کی طرف بڑھنا ہے۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝۷۸

اور ان میں ایک فریق ہے کہ کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں، تاکہ تم سمجھو کہ وہ کتاب میں ہے۔ اور وہ کتاب میں نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں : یہ عنداللہ ہے اور وہ عنداللہ نہیں۔ اور اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہے۔

جو لوگ وقتی فائدے کو ہی مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں، وہ لوگوں کی کمیٔ علم کا فائدہ اٹھانے کی مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کبھی زبان کو اس طرح مروڑ کر تکلف سے پڑھتے ہیں کہ سننے والوں کو کتابِ الٰہی کا حصہ معلوم ہو، حالانکہ وہ کتابِ الٰہی سے نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پسند کی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حالانکہ اس بات کے جھوٹ ہونے کا انہیں پتہ ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ پاک ہی اس کی بات کرنے کا اہل ہوتا ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ

کسی بشر کی شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے، پھر وہ لوگوں سے کہے : اللہ کے مقابل میرے بندے بنو۔ ولیکن رب والے ہو جاؤ۔ اس لئے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو اور اس لئے کہ تم درس دیتے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ چنتا ہے، وہی لوگوں میں چنے جانے کے لائق ہوتا ہے۔ اس کا قول، عمل، علم اور اخلاص لوگوں کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ بھی کسی غیربات کا تعلق ثابت کرنے کی کوشش کی جائے، تو معیارِ اخلاق کا تعین محال ہو جاتا ہے۔ اللہ کے مخلص بندے کبھی اللہ کے فرمان کے مقابل اپنی بات نہیں کرتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے اعتبار سے معیار ہوتے ہیں اس لئے ان کے اتباع سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ شاہدین لوگوں کو ربانی ہونے کی تاکید ضرور کرتے ہیں۔ ربانی وہ ہوتا ہے، جو لوگوں کی پالن کرے ہر طرح سے، کہ وہ تضاد سے پاک رہیں۔ کتاب پڑھانا قول کی تعلیم ہے، اور درس عمل کی تعلیم ہے۔ معلم، مدرس کو ربّانی ہونا لازم ہے۔

حاصل : اللہ کے چنے ہوئے بندے مخلص ہوتے ہیں۔ ان پر شیطان کا اغواء محال ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے دور نہیں کرتے، قریب کرتے ہیں۔ ربانی لوگوں کی پالن کرتا ہے، اور انہیں تضاد میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے۔ معلم، مدرس کا ربانی ہونا ضروری ہے۔

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع ۸ / ۱۶

اور نہ تمہیں یہ امر دے گا کہ ملائکہ اور نبیوں کو رب ٹھہرا لو۔ کیا تمہیں کفر کا امر دے گا، بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے۔

اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے کی شان کے لائق ہی نہیں، کہ وہ لوگوں کو ملائکہ اور انبیاء کے رب ٹھہرا لینے کا امر دے، کہ یہ علامتِ کفر ہے۔ رب العالمین وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے مقابل کسی کو رب ٹھہرا لینا معصیت ہے۔ رب العالمین معطیٔ مطلق ہے۔ باقی سب لینے والے ہیں۔ عبادِ مخلصین تو لوگوں کو تضاد سے پاک کرنے والے ہوتے ہیں، اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی کی تسلیم کے بعد اسے انکار کا امر دیں۔

حاصل : عبادِ مخلصین کبھی کفر کا امر نہیں کرتے۔ بری باتیں تو برے لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف میں فرمایا ہے :

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

[فرما دیجئے : کیا ہم بتا دیں سب سے بڑھ کر ناقص اعمال کن کے ہیں۔
ان کے جن کی ساری کوشش حیاتِ دنیا میں گم ہو گئی، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔]

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے میثاق لیا۔ جو کتاب اور حکمت میں تمہیں عطا کروں، پھر رسول تمہارے پاس تشریف لائے کہ جو تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق فرمائے، تو تم ضرور آپ پر ایمان لانا اور ضرور آپ کی نصرت کرنا۔ فرمایا : کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی : ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا : تو شاہد رہو، اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہدین سے ہوں۔

ہر وجود سے پہلے اس کا منشاء ہونا ضروری ہے۔ ساری کائنات ایک وجود ہے، اور اسے جس محبوبِ اکرم کے لئے بنایا گیا ہے، وہ رحمۃٌ للعالمین ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے بٹتے رہے ہیں، بٹ رہے ہیں، اور بٹتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے میثاق لیا، کہ جو کتاب و حکمت تمہیں عطا ہو، اس کی تقسیم کرو، مگر جب تمہارے پاس مقصودِ کائنات آ جائے اور تمہاری تصدیق کرے، تو تم آپ کے پیچھے ہو جاؤ، آپ پر ایمان لاؤ، آپ کی نصرت کرو۔ امام الانبیاء سے تعلق ایسا ہو کہ ان کے ارشادِ گرامی کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو۔ اور ماضی کے علم کو چھوڑ دو، الا یہ کہ حضور اس کا امر دیں۔ انبیاء کرام سے فرمایا گیا : کیا تم نے اقرار کیا اور اس کا ذمہ لیا۔ انبیاء کرام نے عرض کی : ہم نے اقرار کیا۔ انبیائے کرام نے اس حق کو ایسے ادا کیا، کہ اپنی اپنی امتوں کو یہ ہدایت بخشی کہ جب انہیں رحمۃٌ للعالمین کی زیارت کا شرف ہو، تو ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کو اللہ کا فضل جانیں، اور ادب سے ان کی مانیں، اور ماضی کی کسی بات کو ان کے اتباع میں حائل نہ ہونے دیں۔ انبیائے کرام کے اقرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : شاہد رہو، میں بھی شاہدین سے ہوں۔ ہر نبی نے یہ حق اپنی امت تک پہنچایا۔ اس طرح تمام انبیائے کرام نے رحمۃٌ للعالمین کے ذکرِ خیر کو حصولِ رحمت کا ذریعہ جانا۔

حاصل : موجود بغیر مقصود محال ہوتا ہے۔ رحمۃٌ للعالمین مقصودِ کائنات ہیں۔ آپ کے صدقے بٹتے رہے ہیں، اب بٹ رہے ہیں اور قیامت تک بٹتے رہیں گے۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

تو پھر جو اس کے بعد پھر جاوے، تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

انبیائے کرام نے میثاق کو پورا کرنے کا حق پوری طرح ادا کیا ہے۔ جس زمانے میں رحمۃ للعالمین کو مبعوث فرمایا گیا، اس سے پہلے جس بات کا ہر زمانے میں ہر نبی پاک کی زبان سے اعادہ ہوتا رہا، وہ یہی تھی کہ جس وقت رحمۃ للعالمین کی بعثت ہو، اور تم انہیں پہچان لو، تو ان پر ایمان لانے میں اور ان کے ساتھ ہونے میں دیر نہ کرنا۔ کائنات میں سب سے زیادہ تکرار اسی کلمے کا ہوا ہے۔ اور سب سے زیادہ تاکید بھی اسی بات کی کی گئی ہے۔ اس کے باوجود لوگ رضائے الٰہی سے پھرتے ہیں تو وہ یقیناً فاسق ہیں۔

حاصل : جو حق کو جان کر من مانی کرنے لگے وہ فاسق ہوتا ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

تو کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں۔ اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، طوعاً و کرہاً اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اسی کی طرف مراجعت کریں گے۔

حیات "الحق" کے امر 'کن' سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ اختیار کرتے ہیں، ان کی حیات میں حسن و خوبی اور راحت و بہجت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف راہ اختیار کرتے ہیں، ان کی زندگی میں خوف و حزن اور انشقاق و انتشار مشاہدے میں آتا ہے۔ طوعاً ماننے والے آسانی سے رہتے ہیں، کہ ان کی تسلیم بندھی ہوئی نہیں ہوتی۔ کرہاً ماننے والے مشقت اٹھاتے رہتے ہیں۔ ان کی پسند انہیں بکھرنے سے بچا نہیں سکتی۔ اس لئے زندگی کے عمل میں تعطل دیکھ کر یہ بھی کرہاً الحق کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھر مراجعت بھی اسی کی طرف ہوگی، اور اس سے مفر بھی ممکن نہیں۔ اس سے روشن ہوا کہ اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہنے میں دونوں جہان کا خسارہ ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین چاہنے میں دونوں جہان کا خسارہ ہے۔ جو تسلیم ہمارے لئے باعثِ فلاح ہو، اس میں کوتاہی کے تصور سے بھی بچنا چاہئے۔ یہ طوعاً تسلیم ہے۔ اور جب سعی راحت کے لئے ہو رہی ہو، اور احاطہ خوف و حزن کا ہو جائے، تو یہ کرہاً تسلیم ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

فرما دیجئے : ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہم پر نازل ہوا، اور جو نازل ہوا ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) اور یعقوب

وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسٰی وَالنَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۫ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۴﴾

(علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اور جو عطا ہوا موسیٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو، اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان میں تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے قولِ حق عطا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ ہے، کہ اس کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ اس کے فرمان حال پر ایمان لانا یہ ہے کہ شاہد کے حوالے سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اس حال کے ماضی پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، کہ وہ ماضی اس حال کا شاہد ہے، اور یہ حال اس ماضی کا مصدق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام، اور حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کی اولاد علیہم السلام، یہ سب پاک لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنے گئے تھے۔ ان کے اتباع سے لوگوں کو خوف و حزن سے نجات ملی۔ قریب کی دو مثالیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہیں۔ ان حضرات کو جو شرف اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا یہ اس سے اللہ کی مخلوق کو نوازتے رہے۔ ان کے اتباع سے بھی لوگوں کے لئے راحت کے چشمے ابلے۔ اور دوسرے انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنے اپنے حال پر رحمت خداوندی کو خوب خوب تقسیم کیا۔ مسلمان ان سب کو نہایت ادب سے مانتے ہیں۔ مقصد کا اختلاف باعثِ تفریق ہوتا ہے۔ جمیع انبیائے کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین اور جمیع بزرگانِ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا منشا لوگوں کو پاک کر کے اللہ تعالیٰ سے واصل کرنا ہے اس لئے ان میں تفریق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ معزز حضرات اللہ تعالیٰ کو ماننے میں اپنے اپنے حال پر معیار ہوئے ہیں۔ حال پر اور قیامت تک حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے محبین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سلسلۂ رحمت جاری ہے۔ مسلمان ان کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے ماننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر مزید فضل فرمائے، کہ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

حاصل : بزرگانِ دین کا وجود واحد ہے، اس لئے کہ ان کا مقصود واحد ہے۔ اس لئے ان میں تفریق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ماننے والوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے چنے ہوئے معیار کے حوالے سے مانا جائے، تو تسلیم حقیقی ہوتی ہے۔

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ وَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾

اور جو اسلام کے سوا دین چاہے گا، تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خاسرین سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو اکمل فرما دیا ہے اور نبوت کو ختم فرما دیا ہے۔ یہ دین کی کلی صورت ہے۔ کل کے مقابل جو

جزو کو چاہے گا. جب کہ کل اس کے سامنے حال پر موجود ہو، تو یہ حال کا انکار ہو گا۔ اور ماضی کا بھی انکار ہو گا. کہ ماضی میں اس حال پر ایمان لانے کا اور اس کی نصرت کرنے کا امر مسلسل دیا جاتا رہا ہے۔ جب جزو آخرت میں کل کے ساتھ ہو گا، تو جزو کو کل کے مقابل جاننے والے کے لئے صریحا خسارہ ہو گا۔

حاصل : کل کے مقابل محض جزو کو چاہنا. جب کہ جزو کل سے الگ نہ ہو، صریحا خسارہ ہے۔

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۶

اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے کیونکر ہدایت دے گا۔ اور شہادت دے چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں۔ اور انہیں روشن نشانیاں مل چکی تھیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جو لوگ اپنی تسلیم کو خود ہی کاٹ دیں، اور تضاد میں مبتلا ہو جائیں، انہیں کیونکر ہدایت ہو سکتی ہے۔ جو روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی حق کا انکار کر دے. وہ رضائے الٰہی کے مقابل اپنے نفس کے امر کو مانتا ہے۔ یہ ظلم ہے، اور ظالم ہدایت کا مستحق نہیں ہوتا۔

حاصل : رضائے الٰہی کے مقابل نفس کے امر کو ماننا ظلم ہے۔ اور ظالم کو ہدایت نہیں ہوتی۔

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۷

ان کی جزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے، اللہ تعالیٰ کی اور ملائکہ کی، اور لوگوں کی، سب کی۔

جو لوگ حق میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ کاذب ہیں۔ اور ان پر اللہ کی لعنت ہے، اور ملائکہ کی لعنت ہے۔ اور لوگوں کی بھی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت کسی پر ہدایت کے اعتبار سے اس کے عدم استحقاق کو ثابت کرتی ہے۔ ملائکہ کی لعنت سے یہ ثابت ہوتا ہے. کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت بھی لعنتی کو اس کے انجام کے قریب کرتی ہے۔ لوگوں کی لعنت سے یہ ثابت ہوتا ہے. کہ لوگ لعنتی سے دور ہونے میں عافیت جانتے ہیں۔

حاصل : جو حق میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کرے. اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، ملائکہ کی لعنت ہے. اور لوگوں کی بھی لعنت ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

ہمیشہ اس میں رہیں. نہ ان پر عذاب کی

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾

تخفیف ہو اور نہ انہیں مہلت دی جائے۔

جو حق میں تضاد ثابت کرنے کو منشائے حیات بنا لیتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔ ان کو دائمی عذاب ہو گا۔ اس عذاب میں تخفیف بھی نہ ہو گی، اور ان لوگوں کو مہلت بھی نہیں دی جائے گی۔ عذاب کا یہ تسلسل حق میں تضاد ثابت کرنے کی سعیٔ مسلسل کا حاصل ہو گا۔

حاصل : حق میں تضاد ثابت کرنے کی سعیٔ مسلسل عذابِ مسلسل پر منتج ہو گی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح لی۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

عمل کے لیے دی گئی مہلت کے اندر جو لوگ تائب ہو جائیں، اور شاہد سے اصلاح لے لیں، اس سے رشتۂ محبت استوار کر لیں، ان کا حال شاہدین کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور ان کے منفی ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بخش بھی دیتا ہے، اور اپنی رحمت سے نوازتا بھی رہتا ہے۔

حاصل : عمل کے لئے دی گئی مہلت کے اندر توبہ و اصلاح باعثِ مغفرت و رحمت ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

بے شک وہ لوگ جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہوئے، پھر کفر میں بڑھے، ان کی توبہ ہر گز قبول نہ ہو گی۔ اور وہی بھٹکے ہوئے ہیں۔

جن لوگوں نے حق کو ماننے کے دعوے کے بعد اس کا انکار کر دیا ہو، اور پھر انکار میں بڑھتے جائیں، ان کی توبہ قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ جو اصول سے جڑ جائے، اور صاحبِ اصول کے مقابل اپنے نفس کے امر کو مانے، وہ ناصح سے عدم محبت کی بدولت کفر میں بڑھتا رہتا ہے۔ جس شاہد کی محبت باعثِ ہدایت ہو، اس سے لڑنے والے کی توبہ بے حقیقت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو شاہدین کے حوالے سے نہیں مانتے، براہِ راست اس سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہی ان کے بھٹکنے کی سند ہے۔

حاصل : جو ایمان شاہد کی محبت کا ثبوت نہ رکھتا ہو، وہ اصول پسندی کی حد تک ہوتا ہے۔ اس لئے محکم نہیں ہوتا۔ ناصح سے عدم محبت کا حاصل ہی گمراہی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾ ع ۱۱ ۱۷

بے شک جو کافر ہوئے اور کافر ہی مرے، ان سے اگرچہ وہ اپنی خلاصی کے لئے زمین بھر سونا دیں، قبول نہ کیا جائے گا۔ ان کے لئے عذابِ الیم ہے اور ان کا کوئی ناصر نہیں۔

سونا بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق علم سے استعمال کیا جائے تو لوگوں کو آسانیاں عطا ہوتی ہیں۔ جب لوگ اسی کو باعثِ راحت و طمانیت جان کر اکٹھا کرنے لگیں تو دوسروں کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ سونا جمع کرنے والے جو حالتِ کفر پر ہی مرجائیں، اگر اپنی ساری پونجی جس کی انتہا زمین بھر ہو سکتی ہے، بطور فدیہ پیش کر دیں، تو یہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا، کہ اصلاح کو قبول کرنے کی مہلت ختم ہو چکی ہو گی۔ ان کے لئے المناک عذاب ہو گا، اور کوئی ان کی مدد کرنے والا بھی نہ ہو گا۔

حاصل : عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لینے کے بعد عذابِ الیم سے بچ جانا ناممکن ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾

[اے ایمان والو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔]

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٩٢﴾

تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچو گے حتیٰ کہ خرچ کرو جس سے تمہیں پیار ہو۔ اور تم جو شے خرچ کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

نیکی کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی پسند تک پہنچنے کے لئے اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی پسند پر قربان کرنا ضروری ہے۔ جو شے پیاری ہو، اس کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیا جائے تو ساتھیوں میں کدورت پیدا ہونے لگتی ہے، جماعت کمزور ہونے لگتی ہے۔ جہاں ایسی شے کا انفاق نہ ہو وہاں نفاق ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو بھی خرچ کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ خرچ کرنے کے پیچھے کارفرما نیت، خرچ کرنے کا طریقہ، خرچ کی جانے والی شے کا درجہ اور محل استعمال سب علیم مطلق کے علم میں ہوتا ہے۔ اس لئے ان تمام مقامات پر خیر کا رخ رکھنا ضروری ہے۔

حاصل : شے سے پیار اس کی افادیت کے علم اور تجربے پر مبنی ہوتا ہے۔ پیاری شے خرچ کی جائے تو مسبب الاسباب سے میل ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے، اسی کا عمل نیکی ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

سب طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے، مگر وہ جو اسرائیل (علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا نزولِ تورات سے قبل۔ تورات لا کر پڑھو اگر تم صادق ہو۔

حضرت اسرائیل علیہ السلام نے نزولِ تورات سے قبل اپنی قوم کے حال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کچھ چیزیں کھانی ترک کر دی تھیں۔ منشائے اسرائیل کو ان کے استعمال سے روکنا تھا۔ بڑے علم والے پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے اجسام کی بھی حفاظت کرے، ان کی ارواح کی بھی حفاظت کرے، تاکہ انھیں نفس کے شح سے بچنے سے آسانی ہو۔ مخلص کا عمل قبل از نزولِ حکمِ الٰہی بھی حکمت و علم پر مبنی ہوتا ہے، اور بعد از نزولِ حکمِ الٰہی بھی۔ ایک علم ماضی ہو گا، دوسرا حال ہو گا۔ پھر حال پر عطا ہونے والے فرمان کی عملی صورت کا تعین بھی تو صاحبِ نزول ہی کر سکتا ہے۔ حکم آ جانے کے بعد اس کی تعمیل لازم ہے، اور حکم کی تنزیل سے پہلے کے حالات کو جواز بنا کر استدلال کرنا بے جا ہے، کہ حکم علیمِ مطلق کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ صداقت کا ثبوت طلب کرتے ہوئے، بے جا استدلال کرنے والوں سے کہنا چاہئے: لاؤ دکھاؤ وہ سند جو تمہارے دعوے پر شاہد ہے۔

حاصل : مخلصین کا ہر عمل مقبول ہوتا ہے۔ جب کوئی حکم نازل ہو تو اس کی تعمیل کی صورت کا تعین بھی انھیں کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ حکم کی تنزیل سے پہلے کے حال کو جواز بنانا بے جا ہوتا ہے۔ ایسے بے جا استدلال کرنے والوں سے ان کی صداقت کی سند طلب کرنی چاہئے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

تو اس کے بعد جو اللہ پر کذب سے افترا باندھے، تو وہی ظالم ہیں۔

جس کی بات بے سند ہو، اور بے جا ہو، اور وہ اسے اللہ تعالیٰ سے منسوب کر رہا ہو، تو یہ اللہ تعالیٰ پر کذب سے افترا باندھنے والی بات ہو گی۔ ایسی باتیں کرنے والے ظالم ہوتے ہیں۔

حاصل : علمِ الٰہی کے حاملین میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے ظالم ہوتے ہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

فرما دیجئے: اللہ تعالیٰ سچا ہے، تو ملتِ ابراہیم حنیف کا اتباع کرو۔ اور وہ

حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٥﴾

مشرکین سے نہ تھے۔

مخلص کی شہادت افضل ہوتی ہے، اور مخلص کے مخالف کی بات بے سند ہوتی ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحریک کا دعویدار بھی ہو، اور من مانی بھی کرتا ہو، اسے ملتِ ابراہیم حنیف کے اتباع کی دعوت دینی چاہئے جو دین اسلام ہے۔ جس کے سامنے ایک ہی وقت پر ایک سے زائد مطاع ہوں، وہ مشرک ہوتا ہے، اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت کیسے ہو سکتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا فرمان، ماننے والوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ ملتِ ابراہیم حنیف کا اتباع کرنے والے ہی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾

بے شک بیتِ اوّل جو لوگوں کے لئے وضع ہوا، وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ مبارک اور عالمین کے لئے ہدایت۔

جب لوگ زمین میں بسنے لگے تو ان کے لئے ایک مرکز کا وضع کرنا بھی ضروری تھا، جس کی طرف عبادت میں رخ کیا جائے، اور اس مرکز سے عطا ہونے والی تعلیمات کو اپنی زندگی کا معمول بنا لیا جائے۔ اس مقام کو بیت اول کعبۂ معظم کہتے ہیں۔ یہ مکہ شریف میں ہے۔ یہ برکت والا مقام ہے، اور عالمین کے لئے مرکزِ ہدایت ہے۔ برکت کا اعجاز یہ ہے کہ وہاں کتنے ہی حضرات تشریف لے جائیں، کسی کو کسی شے کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔ اور جو وہاں عطا ہوتا ہے، اس سے بہتر کسی نے دیکھا بھی نہیں ہوتا۔ بے حساب لوگوں کے لئے یہ حسنِ اہتمام برکت کی روشن نشانی ہے۔ عالمین کے لئے یہ پاک جگہ مرکزِ ہدایت ہے، اور رہے گی۔

حاصل : مومنین کے گھر کو اللہ تعالیٰ کے گھر سے نسبت ہونی چاہئے، رخ کے اعتبار سے۔ اس میں حصولِ برکت و ہدایت کی طلب کا ثبوت ملتا ہے۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾

اس میں روشن نشانیاں ہیں۔ مقامِ ابراہیم (علیہ السلام)، اور جو اس میں داخل ہو امان پائے۔ اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج ہے، جو اس کی طرف راہ کی استطاعت رکھتا ہو۔ اور جو کفر کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ عالمین سے بے نیاز ہے۔

مکہ شریف عالمی معیشت کو کنٹرول کرنے کا مرکز رہا ہے اور رہے گا۔ مقامی طور پر اس وادی میں زراعت کا مشاہدہ بھی عام نہیں ہے اس کے باوجود پھلوں کی کثرت وعمدگی کا جواب نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے جب اس جگہ قیام فرمایا، تو آپ نے اسباب پر نظر نہیں فرمائی۔ یہ یقین ہی باعثِ اطمینان ہوتا ہے کہ اسباب کو مخلصین کی تلاش ہوتی ہے، مخلصین کو اسباب کی تلاش نہیں ہوتی۔ یہ جگہ اس قدر امان والی ہے کہ یہاں دشمن کا قرب کسی کو خوفزدہ نہیں کرتا۔ لوگوں پر اس گھر کا حج حسبِ استطاعت فرض ہے۔ جو اس کا انکار کرے، وہ خود ہی نامراد رہے گا۔ اللہ تعالیٰ تو سارے عالمین سے بے نیاز ہے۔

حاصل : مکہ شریف میں دیکھنے والوں کے لئے روشن نشانیاں ہیں۔ حج کی استطاعت ہو تو حج فرض ہے۔ اس کی طلب رکھنی چاہئے۔ فرمانِ خداوندی میں ماننے والے کا ہی بھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالمین سے بے نیاز ہے۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٨﴾

فرما دیجئے : اے اہلِ کتاب، اللہ کی آیات سے کیوں کفر کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار ناشکری ہے۔ اہلِ کتاب کو جو ہدایات مل چکی تھیں ان کی روشنی میں انہیں تسلیم کرنے والوں کے آگے ہونا چاہئے تھا۔ تسلیم کے خلاف جہاں انکار پر کمر باندھ لی جائے، تو بھی نتیجہ تو اللہ کے اذن سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ مگر منکر کے عمل کو اللہ تعالیٰ ضرور دیکھتا ہے۔ اور اسی کے عمل کی اسے جزا ملے گی۔

حاصل : آیاتِ الٰہی کا انکار ناشکری ہے، اور باعثِ عذاب ہے۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٩﴾

فرما دیجئے : اے اہلِ کتاب، اسے اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے۔ اس میں کجی چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو۔ اور اللہ تمہارے عملوں سے غافل نہیں۔

اہلِ کتاب حق کا اقرار کرنے والے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ ایمان والوں کو تضاد میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی فلاح میں حائل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اپنے علم اور پہچان کے اعتبار سے گواہ ہیں کہ جس ذاتِ بابرکات کا یہ انکار کر رہے ہیں، اسی رسولِ امین پر ایمان لانے کا انہیں حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ اس لئے اگر منکر یہ سمجھیں کہ ان کے اعمال جزا دینے والے کی نظر میں نہیں، تو یہ منکرین کی بھول ہے۔

حاصل : اہلِ کتاب سے منکرینِ حق، ماننے والوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے قول کی برائی کو بھی جانتے ہیں، حال کی برائی کو بھی جانتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ﴿١٠٠﴾

اے ایمان والو، اگر تم ان اہلِ کتاب کی اطاعت کرو گے، تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر دیں گے۔

اہلِ کتاب کا جو فریق حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے، اور ماننے والوں کا راستہ روکتا ہے، اس کی جب بھی اطاعت کی جائے گی، کفر کا ارتکاب ہو گا۔ ایمان والوں کے لئے لازم ہے کہ ان کا مطاع ایک ہو۔ وہ خواہش کے اتباع سے پاک ہو، خوف و حزن سے نجات دلانے کا محکم علم رکھتا ہو، اور اجر کے سوال سے بھی پاک ہو۔ پھر اس کے مقابل کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔

حاصل : جہاں اپنی سمجھ سے فیصلہ کرنے کی کوشش کی جائے گی، بعد اس کے کہ ہم کسی شاہد و ناصح کو مطاع مان چکے ہوں تو تضاد بھی پیدا ہو گا، خسارہ بھی ہو گا۔ مطیع پر لازم ہے کہ وہ مطاع کے علم کی روشنی میں چلتا رہے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾ ع

اور تم کیونکر کفر کرو گے۔ اور تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اور تم میں اس کا رسول ہے۔ تو جس نے اللہ کا سہارا لیا تو اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت ہوئی۔

فرمانِ خداوندی بھی موجود ہو، اور دعوتِ فلاح دینے والا بھی موجود ہو، تو ہدایت کے طالب کے لئے انکار محال ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب کو حال پر مانتا ہے، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا سہارا لیتا ہے۔ اور اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت بھی یقیناً ہوتی ہے۔ اس کی زندگی میں راحت جاری و ساری ہو جاتی ہے۔

حاصل : ہدایت کی طلب ہو تو فلاح کا یقینی علم رکھنے والے کا انکار محال ہے۔ ہدایت کے قاسم سے محبت ہو تو صراطِ مستقیم حاصل ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا :

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾

[اور اللہ کو علم ہے جو چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔]

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو جیسے اس سے

تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر تم مسلمان ہو۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ ہر کام میں اپنی نیت کو دیکھا جائے۔ مقصود رضائے الٰہی کے علاوہ بھی کچھ ہو، تو ایمان کا دعویٰ سچا نہیں ہوگا۔ ڈرنے کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے کہ کسی متقی ناصح سے محبت ہو جائے۔ جو دعویٰ تسلیم پر شاہد ہو۔ انجام بخیر ہونا بڑی رحمت کی بات ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ متقی ناصح سے محبت ہو جائے۔ محب کا انجام بخیر ہوتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور سب جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو، اور تفرقہ نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اپنے اوپر یاد کرو۔ جب تم دشمن تھے، اس نے تمہارے قلوب کے مابین الفت ڈال دی، تو تم اس کی نعمت سے بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، تو اس نے تمہیں اس سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تم سے اپنی آیات بیان فرماتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

مومنین کی جماعت میں تفرقہ خلافِ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا یہ ہے کہ تسلیم سب شاہدین کی ہو، اور اتباع ایک کا ہو اور حال پر ہو۔ شاہد کی مان کر اس کو اپنی منوانے کی کوشش حق سے پھٹنے پر منتج ہوتی ہے۔ چھوٹی قیادت اجتماع کے وقت اپنے آپ کو بڑی قیادت کے پیچھے رکھے، تو جماعت کی شان برقرار رہتی ہے۔ اور اگر ذکرِ استحقاق باعثِ تفرقہ معلوم ہو، تو ایسے مقام پر خاموش رہنا حق ہے۔ جب لوگوں کو اس فضیلت کا علم ہو گا، تو ماننے کی بڑی اعلیٰ صورت بنے گی، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہونے لگے گی۔ جب تک انسان اپنی چاہت سے بندھا رہتا ہے، وہ کسی کا وقتی مصلحت کے تحت تو دوست ہو سکتا ہے، دائمی دوست نہیں ہو سکتا۔ اس دوستی کا انجام دشمنی ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کرتے رہنا باعثِ فلاح ہے کہ اس نے ہمیں اپنے کرم سے اس ذاتِ اقدس کے گرد طوافِ محبت کا شرف بخشا، جو اللہ تعالیٰ کی بھی محبوب ذاتِ بابرکات ہے۔ الفت کا سرچشمہ شاہد ہی ہوتا ہے۔ اسی سرچشمۂ الفت سے لوگ دشمنی کے داغ دھو سکتے ہیں۔ الفت والے پاک لوگ اپنے حال پر اس قدر نظر رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے ماحول میں جو نقص نظر آئے، اس کا سبب اپنے اندر تلاش کرتے ہیں، اور دوسروں پر

زبانِ طعن دراز نہیں کرتے۔ تفرقے کی حقیقت آگ کے گڑھے کا کنارہ ہے۔ تفرقے کا انجام یہی ہوتا ہے کہ زندگی اور توفیق راکھ کا ڈھیر ہو جاتی ہے۔ بچاؤ الفت میں ہے۔ جو اللہ کے نزدیک اکرم ہو، اس کی تکریم کی جائے تو معاشرے میں حسن و خوبی کی بہار آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ لوگ ان سے ہدایت پائیں۔

حاصل : مومنین میں تفرقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ الفت کا سرچشمہ شاہد ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہو، اس کی تکریم ہی باعثِ فلاحِ دارین ہوتی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٠٤

اور تم میں ایک اُمّت ہو جو خیر کی طرف بلائیں، اور بھلائی کا امر دیں اور منکر سے منع کریں۔ اور وہ فلاح پانے والے ہیں۔

بھلائی کی طرف بلانا یہ ہے کہ جس چشمۂ فیض سے ہدایت ہو، اس کی طرف طالبانِ ہدایت کو دعوت دی جائے۔ پھر انہیں معروف کا امر دیا جائے، اور منکر سے منع کیا جائے۔ معروف وہ ہوتا ہے جس کے عرفان کی بدولت امر دینے والے کو راحت حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ اور منکر وہ مقام ہوتا ہے، جہاں سے اس کا پاؤں پھسلا ہوتا ہے۔ یا اسے اس کا بالواسطہ علم ہو چکا ہوتا ہے۔ ایسے مقام سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہ فلاح کے ارکان ہیں۔

حاصل : دعوتِ خیر، معروف کا امر، اور منکر سے روکنا، یہ فلاح کے ارکان ہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠٥ۙ

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آ چکی تھیں، اختلاف میں پڑ گئے۔ اور ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔

روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد جو لوگ اپنی خواہشات کے تحت کسی بات کو مانتے ہیں، وہ ضرور پھٹ جاتے ہیں۔ جو ان جیسا ہو گا، وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ بھلائی کا امر دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے کی بات میں ماننے والے کے لئے فلاح ہوتی ہے۔ اس کا انکار کرنے والا جب کہ وہ روشن نشانیوں کا مشاہدہ بھی کر چکا ہو، بڑے عذاب کا ہی مستحق ہوتا ہے۔

حاصل : حق کی روشن نشانیاں دیکھ کر بھلائی کا امر کرنے والے اور برائی سے منع کرنے والے سے اختلاف باعثِ عذابِ عظیم ہوتا ہے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ

جس دن منہ سفید ہوں گے، اور کالے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۚ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

منہ بھی ہوں گے۔ تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے، کیا تم نے ایمان کے بعد کفر کیا، تو عذاب چکھو اس لئے کہ تم کفر کرتے تھے۔

جن کا رخ خیر کا ہوتا ہے حال پر ان کا منہ سفید ہوتا ہے، اس نور کی بدولت جسے وہ تسلیم کر کے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں، اور اس روشن عمل کی بدولت جس کی ابتدا شاہد کے قدم کو بوسہ دینے سے ہوتی ہے۔ جن کا رخ غیر ہوتا ہے۔ ان کی زندگی میں بھی وہ مقام آتا ضرور ہے کہ دعوتِ فلاح دینے والا ان کے سامنے ہوتا ہے، اور یہ اس کے فضل و شرف کو مانتے بھی ہیں۔ مگر عملاً اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں۔ اس لئے نورِ ہدایت سے خالی رہتے ہیں، اور رنگِ شہودی ان پر نہیں چڑھتا۔ وہ تو اسی پر چڑھتا ہے، جس کے قول کی صداقت کا ثبوت اس کے عمل سے ملے۔ جو کفر کرے، اس کو اس کے کئے کا بدلہ ضرور ملے گا۔

حاصل : جس پر رنگِ شہودی چڑھے اس کا منہ سفید، جس پر شاہد کا رنگ نہ چڑھے اس کا منہ کالا ہوتا ہے۔ کالے منہ والے کو عذاب گھیرتا ہے، اور گھیرے گا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور وہ جن کے منہ سفید ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

جن لوگوں پر شاہد کا رنگ چڑھ جاتا ہے، ان کے منہ سفید ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں پر نورِ ہدایت جلوہ گر نظر آتا ہے۔ وہ اپنی پسند سے چھوٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کا احاطہ کئے رکھتی ہے۔ آخرت میں بھی ان پر رحمتِ خداوندی کا ہی احاطہ ہو گا۔ ان لوگوں کو دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

حاصل : جو اللہ کے دوست کے رنگ میں رنگا جائے، اس کا منہ سفید ہوتا ہے۔ رحمتِ خداوندی ہمیشہ اس کو گھیرے رکھتی ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں کہ ہم تم پر حق سے تلاوت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ عالمین پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں لوگوں کو فلاح کی راہ دکھانے کے لئے ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب لوگوں پر ان کی تلاوت کرتے ہیں۔ جو لوگ تضاد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ ظالم ہوتے ہیں۔ ان کے عمل کا نتیجہ بصورتِ عذاب ان پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالمین کو پالنے والا ہے۔ وہ کبھی ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ جب لوگ پیغامِ انذار کو نظر انداز کر دیتے ہیں، تو وہ خود اپنے آپ

پر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ لوگ پیغامِ انذار کو نظرانداز کر کے خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ ع ۸

اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور امور کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔

مالکِ کل اور خالقِ کل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لئے سب کچھ اسی کا ہے، اور سب کچھ اسی کی طرف جا رہا ہے۔ جو کسی شے سے چمٹ جائے گا، وہ باعزت واپسی کی بجائے اس شے کے ساتھ گھسٹتا ہوا جائے گا۔ اشیاء کا استعمال اللہ کے محبوب کی طریقت کے مطابق ہو، تو بندے کی عزت برقرار رہتی ہے۔

حاصل : اشیاء کا استعمال تمام امور میں اللہ کے محبوب کی طریقت کے مطابق ہو تو بندے کی عزت برقرار رہتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں فرمایا ہے :

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٤﴾

[سن لو بے شک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اسے علم ہے جس حال پر تم ہو۔ اور اس دن جس میں اس کی طرف مراجعت ہو گی، وہ انہیں بتا دے گا جو عمل انہوں نے کئے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔]

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾

تم بہتر اُمّت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر ہوئی۔ معروف کا امر کرتے ہو، اور منکر سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا۔ ان میں سے کچھ مومن ہیں، اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔

بہترامت کی شان یہ ہے کہ وہ اصلاح یافتہ حضرات کی قدر کرے اور قابلِ اصلاح لوگوں کی حفاظت کرے، انہیں آسانی عطا کرے، اور انہیں ظلمات سے نور کی طرف آنے میں سہارا دے۔ جو لوگ اپنے محاسن کو دیکھ کر شوکتِ نفس میں مبتلا ہو جائیں اور کمزور عمل والوں کو نظرِ تحقیر سے دیکھیں، وہ بہترامت سے الگ ہو جاتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کا ثبوت یہی ہے کہ لوگوں کے برے اعمال کو ان کی لاعلمی پر محمول کیا جائے، بھلائی کا امر کیا جائے، برائی سے منع کیا جائے۔ جب اپنے تجربے کی بنا پر لوگوں کو ان کے فائدے کی بات بتائی جائے، اور ان کے خسارے سے انہیں اچھی طرح آگاہ کیا جائے، تو لوگ اپنے محسن کو پہچان لیتے ہیں۔ پھر محسن کے معبودِ لاشریک کو بھی جان لیتے ہیں۔ اہلِ کتاب سابقہ علوم و معارف کے حامل تھے۔ حق کو ماننے میں ان کی بھلائی تھی کہ وہ فلاح کو پہنچتے، اور ان کے مدارج میں رفعت آتی۔ لیکن ان میں ماننے والے کم اور منوانے کی چاہت میں مبتلا زیادہ ہیں۔

حاصل : بہترامت کی شان لوگوں پر چوٹ مارنا نہیں، ان کو سہارا دینا ہے۔ لوگوں کے فائدے کی بات بھلائی کا امر ہے، اور انہیں خسارے سے روکنا منکر سے روکنا ہے۔ جو خود واجب الاحترام ہے، اسی کا طریقِ زندگی واجب التسلیم ہے۔ حق کو پہچان کر ماننے میں سبقت کرنا بہتر ہے۔ حق کو پہچان کر انکار کرنے والا فاسق ہو جاتا ہے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾

وہ تمہیں ضرر نہ دیں گے سوائے ایذا کے۔ اور اگر تم سے لڑیں تو پیٹھ پھیر جائیں گے۔ پھر ان کی نصرت نہ ہو گی۔

فاسق کمزور ہوتا ہے۔ اس کی قوت کسی ایک رخ پر استعمال نہیں ہوتی۔ وہ تضادات کا مجموعہ ہونے کی بدولت یکسو لوگوں کو ضرر دینے کے اہل ہی نہیں ہوتا۔ قول کی حد تک ایذا دے سکتا ہے۔ اور اگر وہ ایمان والوں سے لڑے یا لڑیں، تو اس کا یا ان کا پیٹھ پھیر جانا یقینی ہے۔ فاسقین تو اپنے مفادات کے لئے لڑتے ہیں، اور مفادات کی صورت بدلتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس مومنین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے لڑتے ہیں۔ اس میں تغیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فاسقین کی مدد نہیں ہوتی۔ وہ بظاہر تو جماعت نظر آتے ہیں، لیکن اندر سے پھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے دل الگ الگ ہوتے ہیں۔ قیادت سے دلی تعلق ہو تو جماعت بنتی ہے، اور اسی جماعت کی نصرت ہوتی ہے۔

حاصل : فاسق قول کی حد تک ایذا دے سکتا ہے، لڑے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔ اس کی نصرت نہیں ہوا کرتی۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

ان پر ذلّت ماری گئی جہاں بھی پائے جائیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ کی ڈور اور لوگوں کی ڈور کے۔ اور انہوں نے اللہ کا غضب

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾

کمایا، اور ان پر مسکنت ماری گئی۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے ہیں، اور انبیاء سے ناحق لڑتے رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھ گئے۔

مذکورہ فاسق لوگوں کے متعلق یہ ارشاد ربانی ہے کہ جہاں بھی ہوں گے، ذلت ان پر محیط ہو گی۔ اگر یہ حق کو تسلیم کر کے مومنین کی صف میں آ جائیں، تو پھر ذلت سے انھیں نجات ہو سکتی ہے۔ ورنہ انھیں لوگوں کے سہارے اور پناہ لینی پڑے گی۔ ان لوگوں نے منشائے ایزدی کو جانتے ہوئے من مانی کی۔ اس لئے اللہ کے غضب کے سزاوار ہوئے۔ ان پر مسکنت ماری گئی۔ انھیں سکون میسر نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے رہے ہیں اور انبیاء سے ناحق لڑتے رہے ہیں۔ یہ نافرمان اور سرکش لوگ تھے۔ ان پر ذلت و مسکنت ان کے اپنے اعمال کی بدولت ہی پڑی ہے۔

حاصل : فاسق پر ذلت و مسکنت ضرور آتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا سزاوار ہوتا ہے۔ آیاتِ خداوندی کا انکار، ماضی میں انبیاء سے لڑائی، حال پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی ان کے دائمی خسارے کا پیش خیمہ ہے۔

لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿١١٣﴾

سب برابر نہیں اہلِ کتاب سے۔ ایک اُمّت قائم ہے، اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں رات کی گھڑیوں میں، اور سجدہ کرتے ہیں۔

سب اہلِ کتاب ایک سے نہیں ہیں۔ سبھی فاسق نہیں ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں۔ جو فرمانِ خداوندی پر قائم ہیں۔ ان کا ایمان بالکل متزلزل نہیں ہوا۔ یہ حق کو پہچان کر اسے ماننے والے ہیں۔ یہ رات کی گھڑیوں میں آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

حاصل : حق پر قائم رہنے والے اہل کتاب رات کو آیات الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں، اور سجدہ بھی کرتے ہیں۔ یہ حال کو تسلیم کرنے کی سند ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں، اور معروف کا امر کرتے ہیں، اور منکر سے روکتے ہیں۔ اور خیرات میں سرعت کرتے

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۴

ہیں۔ اور وہی لوگ صالحین سے ہیں۔

اہل کتاب کی امتِ قائمہ کے لوگ رات کو آیات کی تلاوت اور سجدے کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں، بھلائی کا امر کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور بھلائیوں کو سرعت سے قبول کرتے ہیں۔ ایمان لانے میں ان کی ہی بھلائی ہوتی ہے، اور یہ اس بھلائی کو قبول کرنے میں تامّل نہیں کرتے۔ وقتی مفاد ان کے لئے سدِ راہ نہیں بنتا۔ یہ حال کو مانتے ہیں۔ ماضی کے علم کے حامل ہونے کی بدولت، حال کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور شاہد کی محبت کی بدولت صالحین کی صف میں شمار ہو جاتے ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ پر ایمان، یوم آخر پر ایمان، بھلائی کا امر کرنا، برائی سے روکنا اور بھلائی کے قبول کرنے میں سرعت کا ثبوت دینا صالحین کی نشانیاں ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۱۱۵

اور جو وہ بھلائی کا کام کریں تو اس کی نفی نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ متقین کا علم رکھنے والا ہے۔

اہل کتاب کے لئے بھلائی کا کام یہ ہے کہ وہ ماضی کے حوالے سے حال پر حق کی شہادت دیں، اس پر ایمان لائیں اور حق کی نصرت کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کی قدر و منزلت بڑھے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ متقین کی حسب رکھتا ہے۔ اس سے بڑا قدر دان کوئی ہو نہیں سکتا۔

حاصل : جو حق کو ادا کرے جیسے ادا کرنے کا حق ہو، تو اس کی قدر و منزلت عند اللہ بڑھتی ہے۔ اس لئے لوگوں میں بھی بڑھتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱۶

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے اموال اور ان کی اولاد انہیں اللہ تعالیٰ سے کچھ بچا نہ سکیں گے۔ وہ آگ والے ہیں، انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں، ان کے اموال و اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں، اور وہ خود بھی۔ توفیق یہ دیکھنے کے لئے دی جاتی ہے کہ اس کو استعمال کیسے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معطیٔ مطلق ہے۔ اس کو کسی شے کی حاجت نہیں۔ اسی لئے اس جزا دینے والے کی دی ہوئی جزا سے بچ جانا ناممکن ہے۔ جس نعمت کی ناشکری کی جائے گی، وہ ناشکرے کے لئے آگ بن جائے گی۔ جہاں دائمی ناشکری ہو، وہاں عذاب بھی دائمی ہوگا۔

حاصل : معطیٔ مطلق کسی شے کی حاجت نہیں رکھتا۔ اس کی دی ہوئی جزا سے بچنا محال ہوتا ہے۔ ناشکری دائمی ہو تو عذاب بھی دائمی ہو گا۔

مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

مثال ان کی جو حیاتِ دنیا میں خرچ کرتے ہیں، مثل ہوا ہے جس میں پالا ہو، ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پڑے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے، تو وہ اسے ہلاک کر دے۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا، ولیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

اموال و اولاد کو اگر اپنی پسند کے مطابق تصرف میں لایا جائے، تو آخرت کا انکار یقینی ہو گا۔ یہ توفیق کو ضائع کر دینے والی بات ہوگی۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے ایک قوم کی کھیتی کو نہایت سرد ہوا ہلاک کر دے۔ جس نے کھیتی کی حفاظت کا اہتمام نہ کیا ہو، اس کی کھیتی کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔ حیاتِ دنیا میں خرچ اگر کفر پر کیا جائے گا تو وہ خرچ کفر سے ہلاک ہو جائے گا۔ وہ کھیتی برباد ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جو اپنے اعمال کو ضائع کرنے پر کمربستہ ہوتے ہیں، وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

حاصل : جو اپنے اعمال کی اور اپنے مال کی حفاظت نہ کرے، اس کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ اس کا اپنا ظلم ہی اسے ختم کر دیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

اے ایمان والو، اپنے مقابل والوں کو بھیدی نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے۔ تم کو جس قدر مشقت ہو، انہیں خوشی ہے۔ بے شک بغض ان کی باتوں سے جھلک رہا ہے، اور جو ان کے سینوں میں مخفی ہے، بڑا ہے۔ ہم نے نشانیاں تمہارے لئے روشن کر دیں، اگر تم عقل کرتے ہو۔

ایمان والوں کو لازم ہے کہ ایمان والوں کو دوست بنائیں، انہیں اپنا رازدار بنائیں، تاکہ دینِ حق تمام ادیان پر غالب ہو۔

اگر مخالفین کو اپنا راز دار بنائیں گے، تو یہ خرابی کو دعوت دینے والی بات ہوگی۔ جس قدر ایمان والوں کو تکلیف ہوگی، اسی قدر مخالفین کو خوشی ہوگی۔ مخالف کبھی ایمان والوں کی بھلائی میں خوش نہیں ہوسکتے۔ ان سے جب بھی مشورہ لیا جائے گا اس کے مشورے کا حاصل خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ ان کا بغض تو ان کی باتوں سے ہی واضح ہو رہا ہے، اور جو ان کے سینوں میں چھپا ہے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ مخالفین کو اپنا راز دار نہ بنایا جائے۔

حاصل : عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ مومنین مخالفین کو اپنا راز دار نہ بنائیں۔ مخالفین کا بغض مومنین کے لئے باعث مشقت نہیں ہونا چاہئے۔

هَاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ ښ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

سن لو تم انہیں پسند کرتے ہو، اور وہ تمہیں پسند نہیں کرتے۔ اور تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو۔ اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے، اور جب خلوت میں ہوتے ہیں، تم پر غیظ سے انگلیاں چباتے ہیں۔ فرما دیجئے : مرو اپنے غیظ میں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

مومنین ولا و محبت والے لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں لوگوں کی بھلائی عزیز ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ایسے لوگوں کو بھی پسند کرتے ہیں جو اہلِ کتاب ہوتے ہیں۔ فاسق اہلِ کتاب مومنین کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ وہ تو مومنین سے بغض رکھتے ہیں۔ مومنین سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ انبیائے کرام میں تفریق نہیں کرتے۔ اہلِ کتاب میں سے نہ ماننے والوں کا حال اس کے خلاف ہوتا ہے۔ وہ جلوت میں مومنین سے اپنے ایمان کا ذکر کرتے ہیں، اور خلوت میں ان پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں۔ مومنین کی کامیابی میں انہیں اپنی نظریاتی قوت ختم ہوتی نظر آتی ہے۔ مومنین اگر ان کو اپنا راز دار نہ بنائیں تو یہ اپنے ہی غیظ میں مر جائیں۔ اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل : مومنین کے مخالفین پر مومنین کی کامیابی اتنی گراں ہوتی ہے کہ وہ اسے دیکھ کر اپنے ہی غیظ میں مر جاتے ہیں۔ جلوت میں مومنین کی حمایت اور خلوت میں ان کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی کوئی کیفیت مخفی نہیں ہے۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ز وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا

تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے، اور تمہیں کوئی برائی پہنچے تو انہیں فرحت ہوتی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ

بِهَا ۭ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا
لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔـا ۭ
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ع ۝۱۲۰ ۱۲ ع ۱۱ ۱۲

کرو تو ان کا داؤ تمہیں کچھ ضرر نہ دے گا۔ بے شک ان کے عمل اللہ تعالیٰ کے احاطے میں ہیں۔

مذکورہ لوگوں کے حال کو بیان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہیں فائدہ پہنچے تو یہ انہیں برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں نقصان ہو تو انہیں فرحت ہوتی ہے۔ یہ دشمنی کی واضح نشانیاں ہیں۔ اگر ان کے اسباب و وسائل کو دیکھ کر کوئی مرعوب ہو جائے، تو اس پر ان کا داؤ چل سکتا ہے۔ وگرنہ صبر اور تقویٰ ان کے داؤ کو ناکام کرنے کی بہترین تدبیر ہے۔ صبر یہ ہے کہ عطائے خداوندی کو حال پر حق کی ادائیگی کے لئے پورا جاتا جائے۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ اسے پوری طرح اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگا دیا جائے، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑی قوت والا ہے۔ وہ یقیناً آسانی کی صورت پیدا کر دے گا۔ مخالفین کے عمل کی کوئی صورت ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے باہر تو نہیں ہو سکتی۔ جب اس کا یقین ہو، تو پھر پورے اطمینان سے کسی بھی وسعت کے حامل داؤ کو ناکام بنایا جا سکتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت کا یقین ہو تو کسی بھی توفیق اور کسی بھی وسعت کے حامل منکرِ حق کے داؤ کو صبر و تقویٰ سے ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ جسے ہماری بھلائی میں خوشی ہو، وہ ہمارا دوست ہے۔ جسے ہماری تکلیف میں فرحت ہو، وہ ہمارا دشمن ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں فرمایا ہے :

وَاَنِيۡبُوۡۤا اِلٰى رَبِّكُمۡ وَاَسۡلِمُوۡا لَهٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ۝۵۴

[اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ، اور اسے تسلیم کرو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے۔ پھر تمہاری نصرت نہ ہو۔]

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ
وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۱۲۱

اور جب آپ صبح کو اپنے اہل سے نکل کر مومنین کو لڑائی کی جگہ بٹھانے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

مومنین کی طرف سے جنگ قیامِ امن کے لئے اور استحکامِ امن کے لئے ہوتی ہے، صاحبِ امر کے امر کے مطابق ہوتی ہے اور اس یقین کے ساتھ ہوتی ہے کہ جو کچھ پاس ہے، پورا ہے، اور جو مزید درکار ہو گا، اللہ تعالیٰ عطا فرما دے گا۔ جنگِ بدر کے بعد اس جنگ میں مومنین پر روشن ہوا کہ حکم کا ماننا ضروری ہے، جاننا ضروری نہیں۔ اور حکم میں جہاں اپنی سمجھ کو داخل کیا جائے گا، مشقت گلے پڑ جائے گی۔ جس کا علم عطائے الٰہی ہو، اس کے امر کو محبت سے ماننا چاہئے۔ جہاں وہ بٹھائے وہاں بیٹھے رہنا چاہئے، اور جب تک وہ نہ اٹھائے، وہاں سے اٹھنا نہیں چاہئے۔ حالات کوئی رخ اختیار کر لیں، جس کو جو حکم ملا ہو اسے اس پر پورا رہنا چاہئے، اور اعلم کے امر کے مقابل اپنے علم کو پست رکھنا چاہئے۔

حاصل : لڑائی میں مومنین کو جو امر ان کے امیر سے ملے، ادب سے ماننا چاہئے۔ اور امیر کے مقابل اپنے علم کو پست رکھنا چاہئے۔

إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٢﴾

جب تم میں سے دو گروہوں نے چاہا کہ نامردی کریں۔ اور اللہ ان کا ولی تھا۔ اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہئے۔

جو لوگ اسباب کی وسعت و کثرت کو باعثِ اطمینان جانتے ہیں، ان کے سامنے غیر متوقع طور پر جب کم اسباب مزید کم ہو جائیں، تو ان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ اس وقت وہ اپنے مقام سے ہٹ جانے میں بھلائی دیکھتے ہیں۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے اور نظر اس حال کو دیکھتی ہے کہ جو کچھ نظر آ رہا ہے، نتیجہ تو اس سے بندھا ہوا نہیں۔ پھر حق یہ ہے کہ ٹوٹ جائے جس نے ٹوٹنا ہو، اور جڑ جائے جس نے جڑنا ہو، ہم حق پر رہیں۔ اس طرح توکل کا شرف ہو جاتا ہے۔ اور آسانی عطا ہو جاتی ہے۔

حاصل : مومنین کو اسباب کی وسعت و کثرت میں اطمینان تلاش نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا ولی جاننا چاہئے۔ اسی پر توکل کرنا چاہئے کہ اس سے بڑا قوت والا اور کوئی نہیں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری نصرت فرمائی، اور تم کمزور تھے۔ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تشکر کرو۔

حال پر جس مقام پر خوف سے قدم لڑکھڑا رہے ہوں، دیکھنا چاہئے کیا ماضی میں اس سے بڑے مشکل مقام سے اللہ تعالیٰ نے بحفاظت نہیں گزارا۔ جنگِ بدر میں مومنین کے پاس سامان کی کمی تھی۔ ان کی تعداد بھی کم تھی۔ مگر تائیدِ ایزدی سے غلبہ مومنین کو ہی حاصل ہوا۔ منکرین کے اسباب کی کثرت سے مرعوب ہونا اور اپنے اسباب کی کثرت سے فرحت پانا مومن کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔ مومنین تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑتے ہیں، اور باوضو ہو کر لڑتے ہیں۔ اور شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کی زندگی میں جہاد کا مقام آیا ہے۔ شاکر کبھی شکایت نہیں کرتا۔

حاصل : مومنین کو رضائے الٰہی پر نظر رکھنی چاہئے۔ جو انتہائی کمزور کو غالب کر سکتا ہے، اس قادرِ مطلق سے کچھ بعید نہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے شاکر ہوتے ہیں۔

إِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ

جب آپ مومنین سے فرماتے تھے، کیا تمہارا رب تمہاری مدد کو کافی نہیں کہ تین ہزار

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؁۱۲۴ فرشتے اتار دے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے بڑی قوت کسی کے پاس نہیں۔ اس لئے اس سے بڑا مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑا علیم بھی کوئی نہیں۔ اس لئے علم سے مدد کرنے میں اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔ دشمن کو مغلوب کرنے میں مومنین کو جس طرح کی مدد درکار ہو، چاہے مومنین کو اس کا پتہ ہو یا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرماتا ہے۔ اسے فرشتے بھیجتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ سے بڑا علیم اور مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ مومنین کے غلبے کے سب ارکان اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوڑے جاتے ہیں۔ اسے فرشتے بھیجتے بھی دیر نہیں لگتی۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ؁۱۲۵

ہاں اگر تم صبر کرو، اور تقویٰ کرو، اور وہ تم پر فوری آ پڑیں، تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان والے تمہاری مدد کو بھیجے گا۔

اگر مومنین صبر و تقویٰ سے رہیں، اور کافر اچانک ان پر آ پڑیں، تو اللہ تعالیٰ مومنین کی پوری پوری نصرت فرماتا ہے۔ اور انہیں جیسی اور جتنی مدد درکار ہوتی ہے، دیتا ہے۔ صبر کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ مومنین کافروں کی تعداد اور ان کے سامانِ حرب سے مرعوب نہ ہوں۔ اور تقویٰ کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ جان قربان کرنے کے شوق میں خطرے کے مقام پر آگے رہنے کی کوشش کریں۔

حاصل : مومنین یہ یقین رکھتے ہیں کہ صبر و تقویٰ موجود ہو تو کافروں کے اچانک حملے کو اللہ تعالیٰ کی اچانک مدد سے دفع کر دیا جاتا ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ؁۱۲۶

اور یہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خوشی کے لئے رکھا ہے، اور تاکہ تمہارے قلوب کو اطمینان ہو۔ اور نصرت نہیں مگر عزت والے حکمت والے اللہ کی طرف سے۔

یہ تین ہزار اور پانچ ہزار ملائکہ سے مومنین کی مدد کرنے والی بات مومنین کی خوشی، اور اطمینانِ قلب کے لئے ارشاد فرمائی گئی ہے کہ مومنین کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے عددی برتری کا احساس ہو، اور ان کے دل مطمئن رہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے ساتھ ہے۔ اور نصرت تو وہی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو کہ وہ سب سے بڑا زبردست اور سب سے بڑا حکمت والا ہے۔ وہ

جانتا ہے کہ کسی نصرت میں کس قدر عزت اور کس قدر حکمت ہے۔ اور وہ حال کے مطابق مومنین کی نصرت فرماتا ہے، اور بے حساب فرماتا ہے۔

حاصل : تعداد کا ذکر باعثِ اطمینان ہوتا ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ مومنین کی بے حساب مدد کرنے والا ہے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَآئِبِينَ ﴿١٢٧﴾

تاکہ کافروں کی ایک طرف قطع کر دے، یا انہیں ذلیل کر دے تو وہ نامراد پھر جائیں۔

مومنین نصرتِ ایزدی سے فیضیاب ہوتے ہیں، اور اس طرح کافروں کی حدِ اصلاح سے گزری ہوئی طرف کٹ جاتی ہے۔ جو کسی حد تک قابلِ اصلاح ہوتے ہیں، وہ ذلیل و نامراد ہو کر لوٹتے ہیں کہ انہیں حق کو ماننے کا ایک موقع اور فراہم کر دیا جاتا ہے۔

حاصل : مومنین کے ساتھ جنگ میں کافروں کا ناقابلِ اصلاح حصہ کٹ جاتا ہے۔ جو کسی حد تک قابلِ اصلاح ہوتے ہیں، انہیں مہلت مل جاتی ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿١٢٨﴾

آپ پر کچھ نہیں، کہ وہ ان پر توجہ فرمائے یا انہیں عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں۔

جو لوگ مومنین کے ساتھ جنگ کے بعد بچ جاتے ہیں، اور انہیں کچھ مہلت مل جاتی ہے، ان کے بارے میں شاہد سے کوئی پوچھ نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کے حال کو دیکھتا ہے۔ اگر عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی پر لگاتے کی راہ لیں، تو اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق دے دیتا ہے۔ اور اگر یہ لوگ نامراد ہونے کے بعد پھر حق سے مقابلے کی تیاری شروع کر دیں، تو عذاب کے گھیرے میں آ جاتے ہیں۔ اور ان کے ظلم کا تسلسل ہی ان کو مٹا دیتا ہے۔

حاصل : ظالم اگر حال پر ملی ہوئی مہلت سے استفادہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصود بنا لے، تو اس پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے، اور وہ شاہد سے محبت کی بدولت فلاح پا لیتا ہے۔ ورنہ اس کا ظلم ہی اسے مٹا دیتا ہے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن

اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے

ع ۱۳ يَشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ۴ — والا رحم فرمانے والا ہے۔

مالک تو سب کا اللہ تعالیٰ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو مالک مان کر اس کے محبوب کے قدم بہ قدم ہو جائے، اسے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے چاہے ہوئے کو چاہتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو شاہدین کے حوالے سے متعارف کرانے کی بجائے زینت حیات دنیا سے چمٹ جائے، وہ سکھ کے مقابل دکھ اور عذاب کی راہ لیتا ہے۔ جو اپنی حیثیت کو جان کر حق کی طرف لوٹ آئے، اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے، اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

حاصل : جو اللہ کے محبوب کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے چاہتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے۔ جو اس کے خلاف راہ لے، وہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو اپنی حیثیت کو جان کر حق کی طرف لوٹ آئے، اسے بخش دیا جاتا ہے اور اس پر رحم مسلسل ہونے لگتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ میں ارشاد فرمایا ہے :

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

[اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا۔ بے شک ہم مجرمین سے انتقام لینے والے ہیں۔]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ ۚ

اے ایمان والو، مت کھاؤ سود، دونے پر دونا، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ایمان والوں کو فرمایا گیا ہے، کہ سود نہ کھاؤ، دونے پر دونا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ کم کھاؤ۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے، کہ سود کا منشا مال کو دونے پر دونا کرنا ہے اس یقین کے ساتھ کہ اس میں نقصان نہ ہو۔ تو کاروبار کی ایسی تمام صورتیں جن میں نقصان کا احتمال نہ ہو اور سرمایہ بھی مسلسل بڑھتا رہے، اس حکم کی رو سے منع ہیں، کہ وہ سب ربو میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اس طرح ہے، کہ جس طرح کاروبار میں اس کے شاہدین پاک رہے ہیں، اسی طرح پاک رہا جائے۔ اسی میں فلاح ہے۔

حاصل : کاروبار کی تمام صورتیں جن میں نقصان کا احتمال نہ ہو، اور سرمائے میں اضافہ بھی مسلسل ہوتا رہے، منع ہیں۔ کاروبار اسی طرح کرنا چاہئے، جس طرح شاہدین کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں، کہ اسی میں فلاح ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ ۚ

اور بچو اس آگ سے جو کافروں کے لئے تیار پڑی ہے۔

جو لوگ فرمان خداوندی کا انکار کرتے ہیں وہ حق کے انکار کی بدولت اپنے لئے عذاب کا سامان کرتے رہتے ہیں۔ ان کے اعمال کا حاصل جمع ہوتا رہتا ہے۔ یہی آگ ہے۔ جو ان کے لئے تیار پڑی ہے۔

حاصل : منکرین کے اعمال کا حاصل جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس آگ سے بچنے کے لئے ایسے اعمال سے بچنا ضروری ہے جن کے نتیجے میں وہ آگ تیار ہوتی ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، تاکہ تم پر رحم ہو۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہ ہے کہ اس کے احکام کو مانا جائے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت یہ ہے کہ ان کا اتباع کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو شاہد کے حوالے سے مانا جائے۔ جس پر رحمت ہو رہی ہو، اس کا اتباع یقیناً باعث رحمت ہوتا ہے۔ رحمت یہ ہے کہ اپنی تجویز کردہ راہ سے نجات ہو جائے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت باعث رحمت ہوتی ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنّت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین۔ تیار رکھی ہے متّقین کے لئے۔

اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑنے کی حقیقت بھلائی میں سبقت کرنا ہے۔ اور یہی راستہ جنت کی طرف جاتا ہے۔ جنت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ آسمان اور زمین اس کے عرض میں آتے ہیں۔ آسمان اور زمین تعین سے تعلق رکھتے ہیں، اور انسانی مشاہدے میں وسعت کے سب سے بڑے معیار ہیں۔ جنت اتنی بڑی ہے کہ ازل سے ابد تک کے سب لوگ بھی اس میں آ جائیں، تو بھی اس میں وسعت کا احساس ہر ایک کو ہو گا۔ اس کے مقابل دوزخ اس قدر چھوٹی ہے کہ تنگی کا احساس ہر ایک کو ہو گا، جو بھی اس میں جائے گا۔ ہر دوزخی اپنے ہی اعمال میں گھرا ہوا ہو گا۔ اس لئے دوزخ کی وسعت درکار ہی نہ تھی۔ متقین اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اور ہر حرکت میں اپنی آپ حفاظت کرتے ہیں۔ یہ جنتی لوگوں کی نشانی ہے۔

حاصل : بھلائی میں سبقت کرنا اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑنا ہے۔ اور جب بھی کوئی اس طرف دوڑے، جنت اسے وسیع ہی ملے گی۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں، خوشی میں اور رنج میں، اور دبا لیتے ہیں غیظ کو اور لوگوں

الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

کو عافیت دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ محسنین کی محبت رکھتا ہے۔

جن پیاروں کے لئے جنت تیار رکھی ہے، وہ حال پر ان اوصاف کی بدولت محسنین کی صف میں شمار ہیں۔ وہ خوشی میں بھی مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور رنج میں بھی کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ ہونے کے مقام پر پورے رہیں اور نہ ہونے کے مقام پر پورے نہ رہیں۔ یہ شرف شاہد سے کامل محبت کی بدولت ہوتا ہے۔ اس میں ان خرچ کرنے والوں کے سامنے صورت یہ رہتی ہے کہ حال پر حق کی ادائیگی کے لئے جو درکار ہے، وہ یقیناً موجود ہے۔ اس لئے یہ لوگ بے چین نہیں ہوتے۔ جب کسی کی بے چینی سے ان کا غیظ بڑھ جاتا ہے، تو یہ اپنے غیظ کو دبا لیتے ہیں اور اسے معاف کر دیتے ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ معاف کرنے والوں کو ہی معاف کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے کی عملی صورت ہے۔ ایسے محسنین کی اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے۔

حاصل : اللہ کے پیارے خوشی میں بھی اس کی رضا پر خرچ کرتے ہیں، غم میں بھی۔ جب کسی کے ناقص عمل سے ان کا غیظ بڑھتا ہے تو اسے دبا لیتے ہیں اور ناقص عمل والے کو معاف کر دیتے ہیں، اس یقین سے کہ معاف کرنے والوں کو ہی معاف کیا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور وہ لوگ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں، اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں۔ اور گناہ کون بخشے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور اپنے فعل پر اصرار نہ کریں اور انہیں معلوم بھی ہو۔

جس برائی سے ماحول متاثر ہو وہ فاحشی ہے۔ اور جس برائی سے اپنی ذات کو نقصان پہنچے وہ ظلم ہے۔ جب ایسے لوگ اپنے دعویٰ ایمان پر نظر کرتے ہیں، تو انہیں اپنے حال کو دیکھ کر سخت ندامت ہوتی ہے۔ پھر وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں۔ گناہ سے استغفار یہ ہے کہ اگر اپنی ذات سے اس کا تعلق ہو، تو اس سے توبہ کی جائے، اور اپنی حفاظت کے لئے حدود اللہ کا پورا پورا احترام کیا جائے، اور خواہش نفس کے خلاف رہنے کا پختہ عزم کیا جائے۔ اگر ماحول بھی گناہ سے متاثر ہوا ہو، تو ماحول کو پاک کرنے کا علم بھی شاہدین سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ گناہ بخشتا ہے۔ مگر جب کوئی جان لینے کے بعد بھی اپنے ناقص عمل پر اصرار ہی کرے تو اس کی استغفار بے معنی ہو جاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ جس کام میں گناہ کا شائبہ بھی ہو، اس سے بھی اجتناب کیا جائے۔

حاصل : ہماری ذات کو بھی پاک رہنا چاہئے۔ اور ہمیں ماحول کو بھی پاک رکھنا چاہئے۔ فاحشی یا ظلم کے ارتکاب کے بعد ذکر اور استغفار باعث مغفرت ہوتا ہے۔ گناہ پر اصرار نہیں ہونا چاہئے۔ گناہ کے شائبے سے بچنا چاہئے۔

أُولَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَٰمِلِينَ ﴿١٣٦﴾

ان کی جزا ان کے رب کی مغفرت ہے، اور جنّتیں جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور عاملین کا کیا اچھا اجر ہے۔

جو لوگ فاحشی اور ظلم سے تائب ہو کر استغفار کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ ان پیاروں کی بدولت جن کے وہ قدم بہ قدم ہو جاتے ہیں، بخش دیتا ہے۔ انہیں جنتیں عطا ہوں گی، جو سدا بہار ہوں گی، کہ ان کے نیچے نہریں جاری رہیں گی۔ اچھا عمل ہے ہی ترک عادت کا نام۔ اور عاملین کو اللہ تعالیٰ اجر دے گا، اور یہ کیسا اچھا اجر ہو گا۔

حاصل : جو غیر سے تائب ہو کر خیر کے در پر رہے، اسے بخش بھی دیا جاتا ہے، اور انعام سے بھی نوازا جاتا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ فَٱنظُرُوا۟ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾

تم سے قبل سنن ہو چکے ہیں۔ تو زمین میں سیر کرو، پھر نظر کرو مکذبین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

پہلے لوگوں نے بھی ایک طریق پر زندگی گزاری ہے۔ ایک رخ حق کے ماننے والوں کا تھا، اور ایک تکذیب کرنے والوں کا تھا۔ حق کے ماننے والے ہمیشہ سرفراز رہے ہیں، اور حق کے منکر ہمیشہ خاسرین سے ہوئے ہیں۔ زمین میں مکذبین حق کے انجام کے آثار موجود ہیں اور درس عبرت دے رہے ہیں۔ جن لوگوں نے حق کی تکذیب کی راہ اختیار کی، ان کی تجاویز نے ہی انہیں مٹا دیا۔

حاصل : طریقہ وہی درست ہے، جس کے ساتھ مخلصین کی شہادت ہو۔ غلط طریقہ اختیار کرنے والوں کا انجام باعث عبرت ہوتا ہے، رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾

یہ لوگوں کے لئے بیان اور ہدایت ہے، اور متقین کے لئے موعظت۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہی ایک ہی ہے۔ لوگ اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ عام لوگوں کے لئے یہ ارشاد بیان ہے۔ اور اس میں ان کے لئے راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں وعظ ہے۔ متقین یہ جانتے ہیں کہ اس ارشاد سے ان پر رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے فرمان سے لوگ اپنے اپنے ظرف اور حال کے مطابق فیض پاتے ہیں۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

اور نہ سستی کرو اور نہ حزن رکھو، اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم مومن ہو۔

کوئی بھی حال ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت میں ہوتا ہے۔ جب پہلے بڑے بڑے مکذبین حق خسارے کو پہنچ چکے ہیں اور ان کے اسباب انہیں عبرتناک انجام سے بچانے میں کسی کام نہیں آئے، تو اب کسی کے برے طریق کو دیکھ کر اور اس کی توفیق کو دیکھ کر سستی کرنے کا جواز کہاں ہے، اور غم کھانے کا مقام کہاں ہے۔ جو مٹنے کی راہ اختیار کرتا ہے، وہ مٹ رہا ہوتا ہے۔ وہ اگر بڑا ہے، تو مٹتے ہوئے کچھ وقت لے گا، لیکن مٹے گا ضرور۔ غلبہ تو حق کا ہی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے جو حق پر ہو گا، وہ یقیناً غالب ہو گا۔ اس میں غلبہ فرد کا نہیں طریق زندگی کا مراد ہے۔

حاصل : مومنانہ طریق زندگی غالب رہا ہے، اور غالب رہتا ہے۔ اس لئے سستی اور حزن سے بچنا مومن پر فرض ہے۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾

اگر تمہیں کوئی زخم پہنچا ہے، تو انہیں بھی اسی کی مثل زخم پہنچ چکا ہے۔ اور یہ ایام ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں۔ اور اس لئے کہ اللہ دیکھے ایمان والوں کو اور تم میں شہدا ٹھہرائے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالمین کو پسند نہیں کرتا۔

غلبے کے حصول تک مومنین کو پہلے بھی زخم پہنچتے رہے ہیں، اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ حق کے مخالفین تو تذلیل اور محرومی سے دوچار ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ان میں سے جو میدان جہاد سے بچ کر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کچھ مہلت دینا منظور ہوتا ہے۔ اس طرح ایام کی باریاں رکھی ہیں اللہ تعالیٰ نے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ حد اصلاح تک مہلت سے استفادہ کرنے کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ اس سے ایمان والوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی پسند کے نتیجے سے جزتو نہیں گئے، اور نتیجے کو واقعتاً باذن اللہ ہی مانتے ہیں۔ اور اس سے کچھ حضرات کو شہادت کا درجہ بھی عطا ہوتا ہے۔ جو لوگ فرمان خداوندی کے خلاف کرتے ہوں، وہ ظالم ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو کبھی پسند نہیں ہوتے۔ ان کو مہلت دی جائے تو اس کی حقیقت کامیابی نہیں ہو جاتی۔

حاصل : منکرین کو حد اصلاح تک مہلت دی جاتی ہے، اور یہ مہلت ان کی کامیابی نہیں ہوتی۔ مومنین کسی نتیجے سے جڑے ہوئے نہیں ہوتے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾

اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو نکھارے اور کافرین کو مٹا دے۔

ایام کی باریاں اس لئے رکھی جاتی ہیں کہ اس سے ایمان والوں میں نکھار آتا ہے، اور کافر مٹ جانے کی راہ لیتے رہتے ہیں۔ نکھار کی حقیقت یہ ہے کہ ایمان والے صبر و استقامت کی روشن مثالیں قائم کرتے ہیں۔ اور مٹ جانا یہ ہے کہ اسباب کی کثرت کے باوجود نامرادی اور تذلیل کافروں کو گھیر لیتی ہے۔ اگر وہ مہلت سے استفادہ نہ کریں تو ان کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

حاصل : ایمان والے صبر و استقامت کی روشن مثالیں قائم کرتے ہیں، اور کافر نامرادی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم جنّت میں داخل ہو جاؤ گے، اور ابھی اللہ تعالیٰ نے نہیں دیکھا تم سے جہاد کرنے والوں کو اور نہیں دیکھا صبر کرنے والوں کو۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما کر دیکھتا ہے کہ توفیق کے استعمال میں اس کی رضا کو ملحوظ رکھا گیا ہے یا نہیں۔ جب تک بندہ سچا نہ ثابت ہو جائے، اس کے جنت میں داخلے کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ اگر کوئی دعویٰ ایمان کو ہی دخول جنت کے لئے کافی سمجھے تو یہ اس کی بھول ہے۔ دعویٰ وہی سچا ثابت ہوتا ہے جس کے ساتھ شہادت موجود ہو۔ صداقت کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا جائے، اور زخم لگنے پر بھی استقامت سے حق کی ادائیگی ہوتی رہے۔

حاصل : جنت میں داخلہ صادق کا ہوگا۔ صداقت کا ثبوت اس طرح ملتا ہے، کہ قول کا عمل شاہد ہو۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾ ع ١٤ ١٣ ٥

اور تم تو موت کی تمنا کرتے تھے، اس کے ملنے سے پہلے، تو اب تم نے دیکھا اور وہ تمہیں نظر آ رہی ہے۔

مومنین شہداء کے مراتب کا بیان سن کر شہادت کی بڑی آرزو رکھتے تھے۔ موت بھی ایک مقام ہے۔ اگر شاہد سے کامل

محبت ہو، تو اس مقام سے گزرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جو زینت حیات دنیا سے کسی قدر بھی بندھا ہوا ہو، وہ ضرور موت کو دیکھ کر کانپتا ہے۔ میدان جہاد میں موت کو دیکھا جاتا ہے۔ اور وہ سامنے نظر آتی ہے۔

حاصل : موت کی تمنا رضائے الٰہی کے لئے عاشق کرتے رہتے ہیں۔ ادب سے یار پر قربان ہونے کا جذبہ ہو تو موت سواری بن جاتی ہے۔ ورنہ اس سے مرعوب ہونا قدرتی بات ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل میں حضرت صالح علیہ السلام کے مخالفین کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾

تو نظر کرو ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا۔ ہم نے انہیں اور ان کی ساری قوم کو برباد کر دیا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں۔ ان سے قبل رسل ہو چکے۔ تو کیا اگر ان کا وصال ہو یا وہ شہید ہو جائیں، تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا، تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ شاکرین کو جلد ہی جزا دے گا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے تبلیغ وحجت کا اتمام ہوا۔ آپ سے قبل بھی رسول تشریف لاتے رہے، اور ان کے بعد ان کے متبعین دین پر استقامت سے رہے۔ شاہد سے جس طریق زندگی کا شرف عطا ہو، اس پر اس کے وصال کے بعد اس کے ارشاد کے مطابق پورے رہنا تابعین پر لازم ہوتا ہے۔ اور یہی اکمل اتباع کی سند ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کو صراطِ مستقیم ماننے والوں کی شان تو یہی ہے کہ وہ استقامت سے اس صراطِ مستقیم پر رہیں۔ اگر شاہد کے وصال کے بعد کوئی اس کی راہ سے پھر جائے، تو پھر جانے والے کی تسلیم باطل ہو جائے گی۔ اور اس سے اسی کو نقصان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تو احتیاج سے پاک ہے، اسے کچھ ضرر نہ ہو گا۔ اس کے عبادِ مخلصین کی نصرت میں تابعین کی فلاح ہوتی ہے۔ قادرِ مطلق نے صداقت کے ثبوت کے لئے یہ راہ رکھی ہے۔ جو شاہد کے سامنے بھی اس کے ساتھ ہو اور اس کے پیچھے بھی اس کے ساتھ ہو، وہ شاکرین کی صف میں شمار ہو جاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانیوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حاصل : پورا پورا ساتھ یہ ہے، کہ شاہد کے سامنے بھی اسے مانا جائے، اس کے بعد بھی اسے مانا جائے۔ یہ شاکرین کی صف میں شمار ہونے کی راہ ہے۔ شاکرین پر آسانیوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور کسی نفس کو موت نہیں آتی مگر اللہ کے اِذن سے۔ اجل لکھی ہوئی ہے۔ اور جو دنیا کا ثواب چاہے، ہم اس میں سے اسے عطا کریں گے۔ اور جو ثوابِ آخرت چاہے، ہم اسے اس میں سے عطا کریں گے۔ اور جلد ہی ہم شاکرین کو جزا دیں گے۔

موت تو باذن اللہ ہی آتی ہے اس لئے حق کی ادائیگی میں تائیدِ ایزدی کا یقین شاملِ حال رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو مزید وقت دے دیا جائے، تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جہاں وقت پورا ہو جائے گا، موت ضرور آئے گی کہ وہ لکھی جا چکی ہے۔ موت و حیات کی تخلیق یہ دیکھنے کے لئے ہوئی ہے کہ توفیقِ ایزدی کے استعمال میں رخ خیر کا ہے یا غیر کا ہے۔ جو وقتی فائدہ چاہتا ہے، وہ ثوابِ دنیا کا طالب ہے۔ جو دائمی فائدہ چاہتا ہے، وہ ثوابِ آخرت کا طالب ہے۔ جو وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر قربان کر دیتا ہے، وہ شاکر ہو جاتا ہے۔ شاکر کو رحمتِ خداوندی گھیرے رکھتی ہے۔

حاصل : موت باذن اللہ ہی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو مزید وقت عطا کر دے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جو وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر قربان کر دیتا ہے، وہ شاکر ثابت ہو جاتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور کتنے ہی نبی (صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین) جہاد کرتے رہے۔ ان کے ساتھ کثیر رب والے بھی تھے۔ تو نہ سست پڑے ان مصیبتوں سے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہنچیں، اور نہ ضعیف ہوئے اور نہ دبے۔ اور اللہ تعالیٰ صابرین کی محبت رکھتا ہے۔

انبیائے کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین اپنے اپنے حال پر جہاد کرتے رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے محبّین بھی حق معیت ادا کرتے رہے ہیں۔ انہیں بھی مصائب و آلام سے سابقہ پڑتا رہا ہے۔ انہیں بھی تکالیف پہنچتی رہی ہیں۔ مگر انہوں نے مصائب کو باذن اللہ جانتے ہوئے حق کی ادائیگی میں سستی نہیں کی، اور کبھی ضعف کا اظہار بھی نہیں کیا، اور کبھی مخالفین سے دبے بھی نہیں۔ مخالفین کی کثرت کو دیکھا جائے، تو سستی وارد ہو جاتی ہے۔ ان کے اسباب کو دیکھا جائے، تو اپنے ضعف کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اور جب اسباب کو نتیجہ پیدا کرنے والی قوت مانا جائے تو مخالفینِ حق سے دب جانا بھی قدرتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو، اور یہ یقین ہو کہ نصرتِ خداوندی سے بڑی مدد اور کوئی نہیں، تو پھر نہ مخالفین کی کوئی تعداد سستی کا باعث بنتی ہے۔ نہ ان کے اسباب

مومنین کے لئے باعثِ ضعف ہوتے ہیں۔ مومنین اللہ تعالیٰ کے شاہدین کے فرمان کو سند مانتے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے مومنین ان مقامات سے گزر جاتے ہیں اور انہیں تھکن بھی نہیں ہوتی۔ صبر کرنے والے یہ جانتے ہیں کہ اسباب مسبّب کے ماتحت ہیں، اور مسبّب الاسباب ان کے ساتھ ہے۔ اس لئے کسی بھی مقام پر وہ مخالفین سے دبتے نہیں۔

حاصل : پاک لوگ مخالفین کی کثرت کو دیکھ کر سست نہیں ہوتے، ان کے اسباب کو دیکھ کر ضعیف نہیں ہوتے۔ ان کے اسباب کو نتیجہ پیدا کرنے والی قوت سمجھ کر دبتے نہیں۔ یہ صابرین کے اوصافِ حسنہ ہیں۔ اور صابرین اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتے ہیں۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور وہ کچھ بھی نہ کہتے تھے سوائے اس کے کہ اے ہمارے رب، ہمارے گناہ اور جو اپنے کام میں ہم سے اسراف ہوا، بخش دے۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ۔ اور قوم کافرین پر ہماری نصرت فرما۔

صابرین یہی کہتے رہے ہیں، اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے، اور جو ہم سے اسراف ہوا ہے وہ بھی بخش دے، اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوم کافرین پر ہماری نصرت فرما۔ گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی حقیقت اظہارِ عبودیت ہے، کہ یہ ربّانی حضرات کی دعا ہے۔ اتقیاء یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا شکریہ ادا نہیں ہو سکا، اور شاہد کے اتباع میں کوتاہی ہوئی ہے۔ وہ ان دونوں مقامات پر بخشش کے طالب ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی اور نصرت طلب کرتے ہیں۔ ثابت قدمی کی حقیقت شاہد کے قدم سے لگنا ہے اور نصرت کی حقیقت تائیدِ ایزدی ہے۔

حاصل : پاک لوگوں کے لئے اطاعتِ حق اور اتباعِ شاہد میں اپنی کوتاہی کو دیکھنا اور اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کرنا حق ہے۔ ثابت قدمی اور نصرت کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع ۱۵ ۵ ۶

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ثوابِ دنیا عطا فرمایا۔ اور ثوابِ آخرت بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ محسنین کی حُبّ رکھتا ہے۔

جو حق کی ادائیگی کے باوجود عجز و انکسار کو اصولِ زندگی بناتے ہیں، ان کے اعمال احسن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان محسنین کو پسند فرماتا ہے۔ انہیں دنیا میں بھی نوازا جاتا ہے، آخرت میں بہت نوازا جائے گا۔

حاصل : حق کی ادائیگی کے ساتھ عجز و انکسار محسنین کا امتیاز ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے :

وَالَّذِي جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِۦٓ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٣٣﴾ لَهُم مَّا يَشَآءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾

[اور جو اس سچ کے ساتھ تشریف لائے، اور جنھوں نے اس کی تصدیق کی، وہی متقی ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے نزدیک ہے، جو وہ چاہیں۔ یہی محسنین کی جزا ہے۔]

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَٰسِرِينَ ﴿١٤٩﴾

اے ایمان والو، اگر تم کافروں کی مانو گے، تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر دیں گے۔ پھر خسارے میں جا پڑو گے۔

کافروں کا رخ ہر مقام پر حق کے انکار کا ہوتا ہے۔ جو ان کی کسی بھی مقام پر مانے گا، وہ ان کے علم سے متاثر ضرور ہو گا۔ اور ان کے علم کا حاصل خسارہ ہے۔ مخلص کی مانی جائے تو راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور مخلص کے مخالف کی مانی جائے، تو خسارے سے بچنا محال ہو جاتا ہے۔

حاصل : کافروں کی ماننے میں صریحاً خسارہ ہے۔ جس بات کی تصدیق مخلصین نہ کریں وہ ماننے کے لائق نہیں ہوتی۔

بَلِ اللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّٰصِرِينَ ﴿١٥٠﴾

بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے۔ اور وہ سب سے بہتر نصرت دینے والا ہے۔

ایمان والوں کا مولیٰ ہر شے کا مالک ہے۔ اس لئے کسی بھی ضرورت کے تحت کافروں کی طرف جھکنا تضاد میں مبتلا ہونے والی بات ہے۔ کمی کو پورا کرنے کا سب سے بڑا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس لئے سب سے بہتر نصرت دینے والا بھی وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مولیٰ ماننے کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ مخلصین کی اطاعت کی جائے، اور وقتی مفاد کو ہی سب کچھ نہ سمجھ لیا جائے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کو مولیٰ اور خیر النّاصرین ماننے کا ثبوت مخلصین کی اطاعت سے ملتا ہے۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا ۖ وَمَأْوَىٰهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّٰلِمِينَ ﴿١٥١﴾

جلد ہی ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے۔ اس لئے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا، جس کی اس نے کوئی سند نازل نہ فرمائی۔ اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور کیا بُرا ٹھکانہ ہے ظالمین کا۔

اللہ تعالیٰ کو مولیٰ مان لینے سے تائیدِ ایزدی شاملِ حال ہو جاتی ہے، اور مشرکین کے دلوں میں رعب بیٹھ جاتا ہے۔ شرک کرنے والے بے سند باتیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق اور مالک ہے۔ مشرک اس کی اطاعت کے مقابل اپنی خواہشات سے جنم لینے والی صورتوں کو مانتے ہیں، حالانکہ معبودِ لاشریک کو ماننے میں انھیں یک سوئی کی نعمت مل جاتی اور ان کا کیا ان کے لئے باعثِ خسارہ نہ ہوتا اور ان کا ٹھکانا آگ نہ ہوتا۔ ظالم برے راہ کو اختیار کرتا ہے، اس لئے برے ٹھکانے پر پہنچتا ہے۔

حاصل : خیر کی راہ پر رہنے والے کا رعب اللہ تعالیٰ منکرین کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ جو برائی کا راستہ اختیار کرے گا، وہ برے ٹھکانے پر ضرور پہنچے گا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا، جب تم اس کے اذن سے انھیں مارتے تھے۔ حتیٰ کہ جب تم نے نامردی کی اور امر میں تنازعہ کیا اور نافرمانی کی، بعد اس کے کہ تمہیں دکھا چکا جو تمہیں پسند تھا۔ تم میں کوئی دنیا چاہتا تھا اور کوئی تم میں آخرت چاہتا تھا۔ پھر تمہارا منہ ان سے پھیر دیا، کہ تمہیں دیکھے۔ اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے، مومنین پر۔

جنگِ احد میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی نصرت فرمائی جیسے اس کا وعدہ ہے نصرت فرمانے کا۔ اور مومنین کو ابتداءً کافروں پر زبردست غلبہ حاصل ہوا، اور بہت کافر مارے گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقام پر قائم رہنے کا حکم فرمایا تھا جب اس مقام پر قائم رہنے کے حکم میں انھوں نے اپنی سمجھ کو بھی داخل کیا، تو ان کی خواہش نے انھیں نامرد بنا دیا۔ اور وہ اس مقام پر قائم رہنے کی تاکید کرنے والوں سے تنازعہ کرنے لگے۔ اور نافرمانی کرنے لگے۔ حالانکہ جو نتیجہ انھیں پسند تھا وہ یہ لوگ دیکھ چکے تھے۔ کچھ لوگ وقتی فائدے اور دنیا کو دیکھ رہے تھے، اور کچھ دائمی فائدے اور آخرت کو دیکھ رہے تھے۔ جب آپس میں کامل اتحاد نہ رہا، تو اللہ تعالیٰ نے غلبے کی صورت بدل دی۔ منشا یہ دیکھنا تھا کہ کون صاحبِ امر کے کس قدر ساتھ ہے۔ بعض لوگ بے حوصلہ ہو گئے اور بعض لوگوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کو محکم پکڑا۔ جو لوگ ناپسندیدہ خبروں سے ست پڑ گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی معاف فرما دیا، کہ کمیٔ علم کی بناء پر ان سے کوتاہی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ مومنین پر بڑا فضل فرماتا ہے۔ بڑا فضل یہ ہے، کہ تجربے کے بعد سچے ثابت ہونے کے لئے مہلت بھی دیتا ہے، اور توفیق بھی دیتا ہے۔

حاصل : بہتر جاننے والے کے امر کو اس طرح ماننا چاہیے، کہ اس میں اپنی سمجھ کو دخل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو کسی بھی تجربے کے بعد سچے ثابت ہونے کی مہلت بھی دیتا ہے، توفیق بھی دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِىٓ أُخْرَىٰكُمْ فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا۟ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے، اور پیچھے پھر کر کسی کو نہ دیکھتے تھے، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے۔ تو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا، کہ تم حزن نہ کرو جو ہاتھ سے نکل جاوے اور جو تمہیں پیش آ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

جنگِ احد کے دن کچھ لوگوں نے نامردی کا مظاہرہ کیا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہو جانے کی خبر نے انہیں متزلزل کر دیا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بے آسرا سمجھ کر بھاگے چلے جاتے تھے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ اور پیچھے سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی پکار رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اگر حضور کے فرمان کو مانا جاتا تو یہ صورت نہ ہوتی۔ اور حضور کو غمگین کرنے کے بدلے یہ غم نہ اٹھانا پڑتا۔ اس سے یہ علم عطا کرنا مقصود تھا کہ جو ہاتھ سے نکل جائے اس کا غم نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے۔ وہ تمہیں اس سے بہتر دے سکتا ہے، اور بہتر دے گا۔ اور جو صورتحال پیش آ جائے، اس کو باذن اللہ جانو۔ اور اس یقین کے ساتھ پورے رہو، کہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑا فضل فرماتا ہے۔ اور جو عمل تم کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔

حاصل : حال پر خیر کی طرف ہمیشہ بلایا جا رہا ہوتا ہے، اس دعوتِ خیر کو سننا چاہیے۔ جو ہاتھ سے نکل جائے، اس کا غم نہیں کرنا چاہیے۔ اور مصائب کو باذن اللہ جاننا چاہیے۔ ہمارے اعمال کا مقصود رضائے الٰہی ہونا چاہیے۔

ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنۢ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ

پھر تم پر غم کے بعد امن کو نازل فرمایا۔ کہ وہ اونگھ تھی جس نے تم سے ایک گروہ کو ڈھانپ لیا۔ اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ پر جاہلیت کے گمانِ ناحق کی طرح کے گمان کرتے تھے۔ کہتے

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

تھے: کیا اس کام میں ہمارا کچھ بھی ہے۔ فرما دیجئے: امر تو سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں، جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں: ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ فرما دیجئے: کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے، تب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا، اپنی قتل گاہوں پر نکل آتے۔ اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دیکھے جو تمہارے صدور میں ہے۔ اور اس لئے کہ اسے کھول دے جو تمہارے قلوب میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

ہزیمت کے غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنین پر امن کی نیند نازل فرمائی، جس نے انہیں ڈھانپ لیا۔ یہ ایک راحت تھی، جس سے انہیں جسمانی اور روحانی تسکین عطا ہوئی۔ کچھ لوگ جن کا تعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا نہ تھا، انہیں اپنی جانوں کی پڑی تھی۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مومنین کو نصرتِ ایزدی میسر نہ آئے گی، اور وہ بھاگ کھڑے ہونے میں اپنے آپ کو بے بس ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنی کیفیتِ قلبی کو کیسے چھپا سکتے ہیں۔ وہ تو ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ کمزور تعلق رکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور قتل گاہوں پر آتے۔ اس لئے کہ امر سب اللہ کا ہے۔ یہ صورت اس لئے پیدا ہوئی کہ اخلاص و نفاق کی حدود میں وقف نظر آئے، اور صداقت و کذب ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ صدور کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔ اس بات کی تسلیم کا ثبوت اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ ہمارے سینے میں رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔

حاصل: غم کے بعد امن کی نیند سے جسمانی اور روحانی تسکین ملتی ہے۔ جن کو اپنی جان کی پڑی ہو، وہ اپنے ناقص عمل پر اپنے آپ کو بے بس سمجھتے ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن میں فرق ہوتا ہے۔ موت سے گھبرانا موت سے بھاگ جانے کا امکان پیدا نہیں کرتا۔ کیفیتِ اخلاص ہو یا کیفیتِ نفاق، چھپی نہیں رہتی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ ع ١٦/٧

بے شک وہ جو تم میں سے پھر گئے۔ جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں۔ انہیں شیطان ہی نے متزلزل کیا۔ ان کے بعض کسبوں کی بدولت۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان سے عفو فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا حلم والا ہے۔

جنگِ احد کے دن مومنین میں سے جو لوگ ناپسند خبر کو سن کر متزلزل ہو گئے، ان کو شیطان ہی نے ہلا دیا، اس لئے کہ ان کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پورا نہ تھا۔ اور یہ لوگ اپنی پسند سے پوری طرح فارغ نہیں تھے۔ شاہد سے دوری ہمیشہ خطرناک ہوتی ہے، اور باعثِ مشقت بھی ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے اصلاح کو قبول کیا، اور شاہد سے تعلق کو اس طرح استوار کیا، کہ انہیں خواہشات کے اتباع سے فراغت ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے ان سے عفو فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا حلم فرمانے والا ہے۔ بخشنے کی حقیقت ہے معاف کر دینا، اور حلم کی حقیقت ہے آئندہ پورا رہنے کا شرف عطا کرنا۔

حاصل : شاہد سے پورا تعلق نہ ہو، تو متزلزل ہونے کا خطرہ ضرور رہتا ہے۔ ہمیں لوگوں کو معاف بھی کرنا چاہئے اور انہیں پورا رہنے کا شرف بھی عطا کرنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾

[اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اور تنازعہ نہ کرو، کہ بزدلی کرو گے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

اے ایمان والو، ان کافروں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا، جب وہ زمین میں یا جنگ میں گئے، کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ کہ اللہ ان کے قلوب میں حسرت ڈالے۔ اور اللہ حیات و موت دینے والا ہے۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

ایمان والوں کو مخلصین کی طرح ہونا چاہئے۔ ان لوگوں کی طرح ہونا جو زینت حیات دنیا کو مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں یقیناً خسارے کا باعث ہوتا ہے۔ جو لوگ زمین سے چمٹ جاتے ہیں وہ اپنے رشتے داروں کے بارے میں، جبکہ وہ سفر پر جائیں یا جہاد پر جائیں اور ان کا وصال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں، یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ ان سفہاء کو موت کسی سبب سے لگی ہوئی نظر آتی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب اپنی دانش سے ایمان والوں کو حالتِ امن میں سفر کرنے سے اور حالتِ جنگ میں جہاد سے روکنے میں ناکام ہو جاتے ہیں، تو دونوں مقامات پر مومنین کی کامیابی سے ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ حسرت ڈال دیتا ہے۔ حیات و موت دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اگر حیات کی طلب میں اور موت سے فرار میں کسی کی کوشش نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی، تو لازم ہے کہ عمل میں حیات و موت کو ایک طرف رکھ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔

حاصل : ایمان والوں کو زمین سے چمٹنا نہیں چاہئے۔ موت و حیات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاننا چاہئے۔ مومنین کی کامیابی سے منافقین کے قلوب میں حسرت آتی ہے۔ کسی بھی عمل میں موت و حیات کو اثر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ عمل اللہ کے فرمان کے تحت ہو، اور شاہد کے اتباع میں ہو، تو عمل بولے گا کہ عامل اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر یقین رکھتا ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤ، یا تمہیں موت آ جائے، تو اللہ کی مغفرت اور رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جانے یا کام آ جانے کی حقیقت انجام بخیر ہے، اور اس کا حاصل مغفرت و رحمت ہے۔ طالبِ دنیا جو کچھ جمع کرتے ہیں وہ فانی ہوتا ہے۔ یہ متاعِ قلیل ہے۔ رحمتِ خداوندی سے دائمی راحت عطا ہوتی ہے۔ اور یہ اس جمع سے بہتر ہے، جس کا حاصل خوف و حزن ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کی راہ میں شہید ہو جانا یا کام آ جانا اس جمع سے بہتر ہے، جس کا حاصل خوف حزن اور خسارہ ہے۔

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور اگر تمہیں موت آئے یا تم شہید ہو جاؤ، تو اللہ ہی کی طرف اکٹھے ہو گے۔

جس نے بندے کو حیات دی ہے، موت بھی وہی دیتا ہے۔ اور واپسی بھی اسی کی طرف ہو گی۔ اس سے فرار ناممکن ہے، کہ اس سے کسی کو فرار کی توفیق ہی نہیں دی گئی۔ کامیابی تو یہی ہے، کہ توفیق دینے والے کے سامنے واپسی پر اس کی رضا حاصل زندگی کے طور پر پیش کی جائے۔

حاصل : کامیابی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن اس کی رضا کو حاصلِ زندگی کے طور پر پیش کیا جائے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

تو کیسی اللہ کی رحمت ہے، کہ آپ ان کے لئے نرم ہیں۔ اور اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے گرد سے بکھر جاتے۔ تو انہیں معاف فرمایئے، اور ان کے لئے استغفار فرمایئے، اور امر میں انہیں مشورہ دیجئے۔ پھر جب آپ عزم کر لیں تو اللہ ہی پر توکّل کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ متوکّلین کی حُب رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اور یہ انتہائی شکریئے کا مقام ہے۔ حضور کی نرمی کی بدولت معیتِ حق کے طلبگاروں کو ثابت قدمی کا شرف حاصل ہوا۔ جس ساتھی سے بھی کوتاہی ہوئی، آپ نے جانا کہ اس کی کوتاہی کمیٔ علم کی بدولت ہے۔ اور یہ تجربہ اس کے لئے بھی مفید ہے جس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے، اور ان کے لئے بھی مفید ہے جو استفادہ کرنے کے اہل ہیں۔ شاہد کی شان ہے آسانی عطا کرنا۔ اگر شاہد کے کلام میں ترشی اور سختی ہو، تو کامل محبت والوں کے علاوہ کوئی اس سے فیضیاب نہیں ہو سکتا، اور اگر وہ سخت دل ہو تو اس کا ساتھ کمزور عمل والوں پر بڑا بھاری ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس ماحول کو بوجھل سمجھ کر بکھرنے لگتے ہیں۔ قول کی کوتاہی کو معاف کیا جائے اور عمل کی کمزوری کے لئے استغفار کی جائے، تو مشہود شاہد کے قریب ہو جاتا ہے اور ہر امر میں شاہد کا مشورہ لیتا ہے، اس کی دعا کا طالب ہوتا ہے۔ اور اس طرح صاحبِ استقامت ہو جاتا ہے۔ مشورہ بہتر جاننے والے سے لیا جائے، تو بہتری کی راہ ملتی ہے، اور بہتر جاننے والے کو دیا جائے، تو مشقت گلے پڑ جاتی ہے۔ جب کسی مقام پر حق کی ادائیگی کا راستہ طے کر لیا جائے تو پھر اس پر عزم کے ساتھ اللہ پر توکّل لازم ہے۔ متوکّل کو یقین ہوتا ہے کہ علیم مطلق ہی معطیٔ مطلق ہے، اور جو جو حال پر حق کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے پاک لوگوں کی حب رکھتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی عطا کو علمِ مطلق سے جانتے ہیں اور شکایت نہیں کرتے۔

حاصل : شاہد کا نرم رو اور نرم دل ہونا اللہ کی رحمت ہے۔ رافت و رحمت سے لوگ قریب ہوتے ہیں، اور شدّت و غلظت سے لوگ دور ہو جاتے ہیں۔ ساتھیوں کی خطا معاف کرنا، ان کی کوتاہی کو کمیٔ علم کی بدولت جاننا اور ان کے لئے استغفار کرنا، اور انہیں آسانی عطا کرنے کے لئے مشورہ دینا شاہد کی شان ہوتی ہے۔ جب حق کی ادائیگی کے لئے صورت متعیّن ہو جائے، تو اس یقین سے کام کرنا چاہئے کہ حال کے لمحے کے لئے جو درکار ہے وہ موجود ہے، اور آنے والے لمحات میں جو درکار ہو گا، وہ اللہ تعالیٰ یقیناً بھیجے گا۔ یہی توکّل ہے۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾

اور اگر اللہ تمہاری نصرت فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے، تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری نصرت کرے۔ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکّل کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی نصرت ہے۔ اس کی نصرت ہو، تو غلبہ یقینی ہوتا ہے۔ اور جب کسی کے عدم توکّل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی نصرت چھوڑ دے، تو پھر کوئی دوسرا تو نصرت کرنے والا ہو نہیں سکتا۔ کمی کو پورا کرنے کا علم، علیم مطلق سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا ہے۔ اس لئے مومنین کو اسی پر توکّل کرنا چاہیئے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی غالب کر سکتی ہے۔ اس لئے مومنین کو اسی پر توکّل کرنا چاہیئے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾

اور نبی کی شان نہیں کہ وہ کچھ چھپا رکھے اور جو چھپا رکھے گا، وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی ہوئی لے کر آئے گا۔ پھر ہر نفس کو اس کا کیا پورا دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

نبی عطائے خداوندی کا امین اور قاسم ہوتا ہے، اور عطائے خداوندی ہوتی ہی تقسیم کے لئے ہے۔ نبی کا نطق بھی خواہش کے تحت نہیں ہوتا، عمل بھی خواہش کے تحت نہیں ہوتا۔ اس لئے کسی شے کے چھپا کر رکھنے کا وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کسی شے کو محبوب رکھے، وہ اسے اپنے لئے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات توکّل کے خلاف ہوتی ہے۔ جو بھی رکھا جائے، راہِ خیر پر خرچ کرنے کی نیّت سے رکھا جائے، تو راحت سے زندگی بسر ہوتی ہے۔ اور اگر حال پر عدم توکّل ہے، تو یہ مستقبل میں بھی ظاہر ہو گا۔ وہاں ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اور لوگوں کا اپنا ظلم ہی ان پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں۔

حاصل : صادق اور امین اپنی ذات میں حق کی ادائیگی کا معیار ہوتے ہیں۔ جو عطا کو چھپائے وہ غیر متوکّل ہوتا ہے۔ اسے اس کے کئے کی جزا ضرور ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ

تو کیا جس نے اللہ کے رضوان کا اتباع کیا، اس جیسا ہو جائے گا، جس نے اللہ تعالیٰ کا

بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾

غصہ اوڑھا۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور کیا بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔

جس نے اللہ کے محبوب کا اتباع کیا، اس نے اللہ کی رضا پائی۔ اسے ہدایت عطا ہوئی، راحت عطا ہوئی اور برکت حاصل ہوئی۔ جس نے اپنی خواہشات کا اتباع کیا، وہ گمراہ ہوا، مغضوب ہوا، اور خوف و حزن میں مبتلا ہوا۔ آگے اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ وہ مقام جہاں بُرا رہے، بُرا ہوتا ہے۔ اچھے اور بُرے مساوی نہیں ہو سکتے۔

حاصل : اللہ کی رضا کے طالب اور اللہ کے غصے کو پکارنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ان کے عنداللہ درجات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو عمل وہ کرتے ہیں۔

پاک لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات ہیں۔ اور یہ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے جاتے ہیں، ویسے ہی ان کو رفعتِ درجات سے نوازا جاتا ہے۔ جوں جوں اللہ کے محبوب سے محبت بڑھتی ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب بھی بڑھتا ہے۔ جو لوگ من مانی کرتے ہیں، ان کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔

حاصل : پاک لوگوں کے درجات اللہ کے محبوب کی محبت سے عنداللہ بلند ہوتے رہتے ہیں۔ منکرین کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا، جب انہیں میں سے رسول مبعوث فرمایا۔ ان پر اس کی آیات تلاوت فرماتا ہے، اور انہیں تزکیہ عطا کرتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس سے قبل وہ یقیناً گمراہی میں تھے۔

مومنین پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اُمّی تھے، اور ان میں مبعوث ہونے والا رسول بھی اُمّی ہے۔ اس میں تمام مشکلات کا حل رکھا گیا ہے، جو بھی مومنین کو پیش آ سکتی تھیں یا آ سکتی ہیں۔ حضور سے فیض جس قدر آسانی کے ساتھ محبین کو حاصل ہوا، اس سے بڑا کوئی معیار ہو نہیں سکتا۔ آپ نے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت فرمائیں۔ انہیں تزکیے کی نعمت سے نوازا، کہ پاک ہو تو فلاح ہوتی ہے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ فرمان کا علم اور فرمان سے استفادہ کرنے کی طریقت روشن فرمائی۔ اس سے قبل جو کچھ بھی کیا جاتا تھا، انسانی تجویز سے تعلق رکھتا تھا۔ انسانی تجویز گمراہی ہی پیدا کرتی ہے۔

حاصل : حضور کا اُمّی ہونا مومنین پر بڑا احسان ہے۔ حکم کی تلاوت، تزکیہ اور کتاب و حکمت کی تعلیم شاہدین جاری رکھتے ہیں۔ انسانی تجویز سے گمراہی ہی پیدا ہوتی ہے۔

أَوَلَمَّآ أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ
قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ
أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ
أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے، کہ تم اس کی مثل دوگنی پہنچا چکے ہو، تو کہتے ہو: یہ کہاں سے آئی۔ فرما دیجئے: یہ تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

جب ایمان والوں کو کوئی مصیبت پہنچے تو علم والے اسے باذن اللہ جانتے ہیں۔ اور کم علم یہ کہنے لگتے ہیں کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کو ماننے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نصرتِ مومنین کا وعدہ فرمایا ہے تو پھر یہ مصیبت کہاں سے آگئی۔ جنگِ احد میں مومنین کے مقابل کفار کو زیادہ ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اور ایمان والوں کو جس صورتِ حال سے سابقہ پڑا وہ حکم شاہد کو اپنی سمجھ سے جانچنے کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس لئے یہ مصیبت ایمان والوں کی بلائی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ جو نتیجہ چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حاصل : مصائب باذن اللہ ہوتے ہیں۔ جب بہتر جاننے والے کے امر میں اپنی سمجھ کو داخل کیا جائے، تو مشقت گلے پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جن حالات میں چاہے کوئی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔

وَمَآ أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى
الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾

اور وہ جو تمہیں پہنچی جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں، تو وہ باذنِ اللہ تھی۔ اور اس لئے کہ مومنین دیکھے جائیں۔

جنگِ احد کے دن کی مصیبت بھی باذن اللہ ہی تھی۔ اس سے یہ بھی کھل گیا کہ کون ماننے کے کس درجے میں ہے۔

حاصل : مصائب باذن اللہ ہوتے ہیں، اور صادقین کے لئے رفعتِ درجات کا باعث ہوتے ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ
تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ

اور منافق بھی دیکھے جائیں۔ اور ان سے فرمایا گیا: آؤ اللہ کی راہ میں لڑو، یا مدافعت کرو۔ کہنے لگے: اگر ہمیں لڑائی

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

کا علم ہو تو ضرور تمہارا اتباع کریں۔ وہ لوگ اس دن ایمان کی نسبت کفر کے بہت ہی قریب ہیں۔ اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے قلوب میں نہیں۔ اور اللہ کو بڑا علم ہے جو چھپا رہے ہیں۔

منافق مصائب و آلام میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔ جب انہیں اللہ کی راہ میں لڑنے یا مدافعت کرنے کو کہا جائے، تو اپنی لاعلمی کا بہانہ بناتے ہیں۔ جس دن مومنین غالب نظر نہ آئیں، اس دن منافق کفر کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ مومنین کو زبانی تسلی ضرور دیتے ہیں مگر ان کے دل میں مرض ہوتا ہے، اور ان کو مومنین کے غلبے سے کراہت ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو لوگوں سے چھپالینا بھی آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کیفیت کے چھپانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حاصل : منافق اپنے وقتی منافع کے ساتھ رہتا ہے۔ جب غالب کا مقام بدلتا ہے تو وہ اپنی منافقت کو چھپا نہیں سکتا۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

وہ لوگ جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں اور خود بیٹھ رہے ہیں، اور اگر وہ ہماری مانتے تو مارے نہ جاتے۔ فرما دیجئے : اگر صادق ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دو۔

منافق اپنے بھائیوں کو جن سے ان کی رشتہ داری ہوتی ہے، جنگ پر نہ جانے کو کہتے ہیں، اور جنگ سے بچتے رہنے کو کہتے ہیں، اور خود بھی بیٹھ رہتے ہیں۔ شہید کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہماری مانتے جنگ سے بچتے تو مارے نہ جاتے، جنگ میں گئے تو مارے گئے۔ اگر جنگ میں جانا ہی موت کا باعث ہے، تو جو گھر بیٹھا ہوا ہے وہ کیا موت کو ٹال دے گا۔ جب موت اسے بھی آئے گی، تو پھر موت سے ڈر کر بیٹھ رہنا بڑی حماقت ہوگی۔

حاصل : جب موت بہر صورت آئے گی، تو موت سے ڈر کر حق کی ادائیگی کو چھوڑ دینا بڑی حماقت ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے انہیں مردہ نہ جانو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے رزق پاتے ہیں۔

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کر کے شہید ہو جاتے ہیں، ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول ہو جاتے ہیں۔ جس کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول ہو جائیں، اسے حیاتِ ابدی عطا ہو جاتی ہے۔ موت اس کے لئے وصال کا دروازہ بن جاتی ہے۔ جس کا عمل زندہ ہو وہ خود زندہ ہوتا ہے، اور پائندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے رزق دیتا ہے۔ اور اس کی ذات نصرتِ خداوندی میں اپنا مقام پالیتی ہے اور علمِ الٰہی سے متحرک رہتی ہے۔

حاصل : شہید زندہ ہیں۔ موت کے دروازے سے ان کا گزر باعثِ وصالِ الٰہی ہوتا ہے۔ ان کا عمل زندہ رہتا ہے۔ وہ نصرتِ ایزدی میں اپنا مقام پا لیتے ہیں اور علمِ الٰہی سے متحرک رہتے ہیں۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۘ ﴿١٧٠﴾ ربع

خوش ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے۔ اور خوشیاں منا رہے ہیں پچھلوں کی، جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

شہدا عطائے الٰہی سے خوش ہیں، اور اللہ کے فضل کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے جس مرتبے سے نوازا ہے، وہ اس قربانی کے مقابل بڑا ہے جس کی انہیں توفیق ہوئی تھی۔ یہ مقام و مرتبہ اور فضل و شرف خوشی کا باعث ہے۔ یہ حضرات اپنے پچھلوں کے لئے جو انہی کی راہ پر رضائے الٰہی کو پانے والے ہوتے ہیں، خوشیاں مناتے رہتے ہیں، اور دعائیں کرتے رہتے ہیں، بشارتیں دیتے رہتے ہیں۔ اپنے پیچھے آنے والوں کا راستہ آسان کرتے رہتے ہیں اور روشن کرتے رہتے ہیں، کہ خوف و حزن سے نجات کی راہ اسلام میں پوری طرح داخل ہو جانے کے علاوہ کہیں موجود نہیں۔

حاصل : شہید اللہ کے فضل سے خوش ہوتے ہیں، اور اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے باعثِ راحت ہوتے ہیں۔ پیچھے آنے والوں کو بھی خوف و حزن سے نجات کی بشارت دیتے رہتے ہیں اپنے اعمال سے۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ﴿١٧١﴾ ع ١٧ ١٦ ٨

اللہ کی نعمت اور فضل کی بشارت دیتے ہیں، اور یہ کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

شہادت کی طلب رکھنے والوں کو شہدا سے فائدہ پہنچتا ہے۔ انہیں بشارت ملتی ہے کہ تم فلاح کی راہ پر ہو اور اللہ تعالیٰ کی عطا کو

اس کی رضا پر لگانے میں جلدی کرو، کہ اللہ کی نعمت اور فضل جو تمہیں عطا ہو گا اس سے بہت بڑا ہو گا جو تمہیں حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ ہر ایک کی نیت کو دیکھ رہا ہے۔ خلوص کامل ہو تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں سچے عمل کا قطرہ سمندر اور ذرہ پہاڑ کی حقیقت رکھتا ہے۔

حاصل : شہدا پیچھے آنے والوں کو بشارت سے بھی تقویت دیتے ہیں اور اپنی قدر و منزلت کو پیچھے آنے والے طالبانِ شہادت پر روشن کرتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت میں فرمایا :

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾

[اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی، ضرور ہم انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔ اور بے شک، اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔]

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
مع مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا
اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بلانے پر حاضر ہوئے، بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا، ان احسان اور اتقاء والوں کے لئے اجرِ عظیم ہے۔

جو حالتِ صحت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہو، وہ سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ اور جو زخم کھا چکنے کے باوجود بلاوے پر حاضرِ خدمت ہو جائے جیسے وہ حالتِ صحت میں حاضر ہوا تھا، وہ قطعی سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کے احسان و اتقاء کی روشنی سے عاشقوں کے دل منور ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگوں کے لئے اجرِ عظیم ہے۔

حاصل : حق کی ادائیگی کے لئے بلاوے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاوا جاننا چاہئے، اور ہوش کی موجودگی میں اس یقین سے حاضری کی سعی کرنی چاہئے کہ جس حالت میں بلاوا آیا ہے، یہ حالت حاضر ہونے اور حق ادا کرنے کے قابل ہے۔ اس لئے کہ بلاوا علمِ مطلق سے ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا

وہ جن سے لوگوں نے کہا بے شک تمہارے لئے لوگ جمع ہوئے تو ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان زیادہ ہوا۔ اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے۔ اور کیسا اچھا

اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾

کارساز ہے۔

شاہدین کے محبین کو منتشر کرنے کی نیت سے منافقین یہ کہتے رہتے ہیں کہ تمہارے خلاف لڑنے کو بڑے لوگ جمع ہو گئے ہیں، تو ان سے ڈرو، اور جنگ سے گریز کی راہ اختیار کرو۔ محبین کو نہ اپنی تعداد پر ناز ہوتا ہے، نہ اپنے سامان پر۔ اس لئے وہ اپنی تعداد کے مقابل نہ کسی کی تعداد کو دیکھتے ہیں اور نہ اپنے سامان کے مقابل کسی سامان کو دیکھتے ہیں۔ انہیں انتظار ہوتا ہے کہ جہادِ حق کی ادائیگی کا بلاوا آئے اور وہ حاضر ہوں۔ اس لئے لوگوں کے جمع ہونے کی خبر ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں : اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی نصرت ہے۔ وہی ہمیں کافی ہے۔ اور اس سے اچھا کام بنانے والا کوئی ہو نہیں سکتا۔

حاصل : شاہدین کے محبین، مخالفین کی تعداد اور تیاری سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ اس سے ان کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو کافی اور کارساز مانتے ہیں۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْۗءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾

تو اللہ کی نعمت اور فضل سے چلے آئے۔ انہیں برائی نے مس نہ کیا۔ اور انہوں نے اللہ کے رضوان کا اتباع کیا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

جو حضرات مخالفین کی تعداد اور تیاری سے مرعوب ہونے کی بجائے جہاد کے لئے کمربستہ ہو کر نکل پڑتے ہیں، تائیدِ ایزدی ان کے ساتھ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے طلب گار ہوتے ہیں۔ انہیں برائی مس نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوتا ہے کہ دشمن مرعوب ہو کر سامنے آنے سے ہی گریز کرتا ہے۔ جن کی تیاری کی خبریں پھیل چکی ہوتی ہیں، وہ قلیل جماعت کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل مومنین کے ساتھ رہتا ہے۔ مومنین حق جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتے ہیں۔ انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کرنے والے خود مرعوب ہو جاتے ہیں۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾

وہ تو شیطان ہی ہے، جو اپنے دوستوں سے خوف دلاتا ہے۔ تو ان سے خائف نہ ہو۔ اور میرا خوف رکھو اگر تم مومن ہو۔

شیطان اپنے دوستوں کی جماعت سے ایمان والوں کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور مرعوب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ محبین کے ایمان میں شیطان کی کوشش سے ترقی ہوتی ہے، کہ وہ اسباب کے مالک کا خوف رکھتے ہیں اور اسباب سے کبھی

نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ہو تو اس کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا خوف ہو تو باقی سب خوف رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہ مومن ہونے کی سند ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٦﴾

اور آپ ان کے لئے محزون نہ ہوں جو کفر پر دوڑتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ دیں گے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حظّ نہ رکھے۔ اور ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔

جو لوگ کفر کی طرف دوڑتے ہیں، باوجود اس کے کہ حق ان کے سامنے آ چکا ہوتا ہے، ان کے بارے میں شاہدین سے کچھ سوال نہ ہو گا۔ جس کے بارے میں پوچھ ہی نہ ہو اس کا غم نہ کھانے میں بھی اللہ راضی ہے۔ کفر کی حقیقت خسارہ ہے۔ خسارے کی طرف دوڑنے والے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے کہ وہ اپنے تجربات کی روشنی میں دیکھیں کہ خوف و حزن ان پر بڑھتا جا رہا ہے۔ یہاں توفیقِ ایزدی کو خلافِ حق استعمال کر لیں گے، تو آخرت میں ان کے لئے کوئی حظّ نہ رہے گا۔ اس ناشکری کا حاصل عذابِ عظیم ہو گا۔

حاصل : کفر پر دوڑنے والے اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ ان کا کیا انہیں ہی خسارے میں ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ توفیق کو پوری طرح استعمال کر لیں، تاکہ آخرت میں ان کے لئے کچھ انعام نہ رہے۔ ناشکری کا حاصل عذابِ عظیم ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا، اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ دیں گے۔ اور ان کے لئے عذابِ الیم ہے۔

جو لوگ حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر اپنی خواہشات کے اتباع کے لئے کفر کو قبول کرتے ہیں، یہ ایمان کے بدلے کفر خریدنے والے لوگ ہیں۔ ان کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ ہو گا۔ انہیں ضرور المناک عذاب گھیرے گا، کہ انہوں نے فلاح کے مقابل خسارے کی راہ کو اختیار کیا ہے۔

حاصل : جو فلاح کے مقابل خسارے کو خریدے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ المناک عذاب اس کے انتظار میں ہو گا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ جو ہم انہیں مہلت دیتے ہیں، ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم انہیں مہلت دیتے ہیں کہ گناہوں میں بڑھتے رہیں۔ اور ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

کافروں کو مہلت دینا ان کے لئے اس وقت مفید ہو سکتا ہے، جب وہ اس مہلت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی خواہشات کے اتباع کو چھوڑ دیں، اور بھلائی کی راہ کو اختیار کریں۔ ان کی راہ بری ہوتی ہے۔ بری راہ پر مزید توفیق و مہلت کے استعمال سے تو وہ منزل جلد آ جائے گی، جسے عذاب مہین فرمایا گیا ہے۔ جس عذاب سے کفار کی بیخ کنی ہو جائے اور مومنین ان کے مقابل فلاح پا رہے ہوں، وہ بڑی ذلت کا عذاب ہو گا۔

حاصل : جس مہلت کو کفر میں ترقی کے لئے استعمال کیا جائے، وہ مہلت کسی کو ذلت کے عذاب کے قریب ہی کر سکتی ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اللہ تعالیٰ مومنین کو اس حال پر چھوڑنے والا نہیں جس پر تم ہو حتیٰ کہ خبیث کو طیب سے ممیز کر دے۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے۔ ولیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ تو اللہ اور اس کے رسل پر ایمان لاؤ۔ اور اگر ایمان لاؤ اور تقوی کرو تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنین کی نصرت فرماتا ہے، اور خبیث و طیب کے امتیاز تک نصرت فرماتا رہتا ہے۔ نصرت حال کے تقاضے کے مطابق اور علم سے ہوتی ہے۔ عام لوگوں کو مستقبل پر مطلع کرنے سے ان کا توازن بگڑ جاتا ہے، اور وہ اپنی خواہشات کے ساتھ مزید چمٹ جاتے ہیں۔ بشارت و انذار کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے چن لیتا ہے، جسے چاہے۔ معیار ہدایت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی بھیجا جائے تو رضائے الٰہی کا علم ہو سکتا ہے۔ جو اس معیار ہدایت کو مان لے اور اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مان لے، تو وہ شاکرین میں شمار ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کے خلاف کیا جائے تو کفران کا ثبوت ملتا ہے۔ ایمان دعویٰ ہے، تقویٰ اس کے ساتھ شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔ تقوی یہ ہوتا ہے، کہ معیار ہدایت کی محبوب صورت کے مقابل اپنی کوئی صورت نہ

رکھی جائے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کے مستحق ہیں۔

حاصل : خبیث و طیب کے امتیاز تک مومنین کی نصرت ہوتی رہتی ہے۔ غیب پر مطلع ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے کو عطا کرتا ہے کہ وہ بشارت و انذار کا حق ادا کر دے۔ بشیر و نذیر کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مانا جائے، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اجر عظیم عطا ہو گا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٨٠﴾ ع ۱۸

اور جو بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا، اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں۔ بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے۔ جلد ہی وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہو گا۔ اور آسمان اور زمین اللہ ہی کی میراث ہے۔ اور اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

عطائے خداوندی کو اللہ تعالیٰ کا فضل جاننا حق ہے۔ اگر اس کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیا جائے، تو بخل کا مقام آتا ہے۔ اگر اس کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق تصرف میں لایا جائے، تو بخل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بخل اور توکّل ایک وجود میں جمع نہیں ہو سکتے۔ بخل بخیل کو مار دیتا ہے۔ جس نعمت کو بھی اپنی پسند کے مطابق استعمال کیا جائے، وہ ناشکرے کے گلے کا طوق بن جائے گی اور باعثِ عذاب ہوگی۔ پھر اس کو اپنے وجود سے الگ کرنا بھی محال ہو گا۔ آسمان اور زمین اللہ ہی کی میراث ہیں۔ اس میراث میں اگر کوئی اپنی مرضی کرتا ہے، تو وہ غدار ہے۔ وہ اپنے قدم کو نہیں دیکھتا، یہ نہیں دیکھتا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے اور کس سنگت میں اس کی فلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے ہر عمل کی خبر ہے۔

حاصل : بخل اور توکّل ایک وجود میں جمع نہیں ہو سکتے۔ بخیل کا بخل ہی اس کے گلے کا طوق بن جاتا ہے۔ پھر اسے اس سے نجات نہیں ہوتی۔ آسمانوں اور زمین میں رضائے الٰہی کے خلاف کرنا غداری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی کا عمل مخفی نہیں ہو سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا ہے :

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾

[ہم تمہارے سامنے اگلی خبریں بیان فرماتے ہیں۔ اور بے شک ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک

ذکر عطا کیا۔ جو اس سے منہ پھیرے تو بے شک وہ قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا۔]

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے سنا، جنھوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے، اور ہم غنی ہیں۔ اب ہم ان کی بات لکھ رکھیں گے۔ اور انبیائے کرام سے ناحق لڑائی کی۔ اور ہم فرمائیں گے چکھو جلنے کا عذاب۔

حق کو سن کر استہزاء کرنے والے جب انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت کو سنتے ہیں، تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے، اور ہم دینے والے ہیں۔ محتاج وہ ہوتا ہے جس کو کچھ احتیاج ہو۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اس لئے یہ لفظ اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔ اس نے سب کچھ بنایا ہے اور اپنے لئے کسی شے کو بھی مخصوص نہیں فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے غنا کی شان ہے۔ جو مال کی طلب میں ہی سرگرداں رہے وہ غنی نہیں ہو سکتا، کہ اسے اپنی ذات سے فرصت ہو تو دوسروں کے کام آئے۔ ایسے لوگوں کی باتیں اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہیں۔ سب لکھی جا رہی ہیں، اور ٹھیک ٹھیک پیش ہوں گی۔ حق کو سن کر یہ لوگ اسے اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اسی کوشش میں شاہدین سے ناحق لڑتے ہیں۔ توفیقِ ایزدی کے استعمال میں خسارے کی راہ لینے والے جلنے کا عذاب پائیں گے۔

حاصل : زبان کو احتیاط سے کھولنا چاہئے، کہ قول میں برائی ہو، تو عمل میں برائی کا مقام آتا ہے۔ برائی کا حاصل جلنے کا عذاب ہو گا۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾

یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

انسان کے اپنے ہاتھوں جو آگے بھیجا جاتا ہے، اس کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں : اگر کوئی شاہد کے ارشاد کے مطابق فلاح کی راہ لیتا ہے تو اسے پاکی اور انجام بخیر ہونے کی بشارت دی جاتی ہے، اگر کوئی اس کے خلاف کرتا ہے تو اسے انذار سنایا جاتا ہے کہ وہ اس انجام سے آگاہ ہو جس کی طرف وہ بڑھ رہا ہوتا ہے۔ بندوں کے کئے کی ہی جزا انہیں دی جائے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو بندوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ جو اس کے خلاف کرتا ہے، وہ اپنا کیا ہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا ارشاد لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ ماننے والا اپنے کئے کی جزا پائے گا، نہ ماننے والا اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں۔

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰى يَاۡتِيَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡكُلُهُ النَّارُ‌ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِىۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىۡ قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡهُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۸۳﴾

وہ لوگ جو کہتے ہیں، ہم سے اللہ تعالیٰ نے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ قربانی لائے جسے آگ کھا جائے، فرما دیجئے: مجھ سے قبل رسل تمہارے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آئے جو تم کہتے ہو، اگر تم صادق ہو تو ان سے کیوں لڑتے رہے۔

اہلِ کتاب کا یہ کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لے رکھا ہے، کہ رسالت کے اقرار سے پہلے اور اس پر ایمان لانے سے قبل یہ دیکھا کرو کہ رسول کی قربانی کو آگ کھاجاتی ہے یا نہیں۔ اگر اس کی قربانی کو آگ کھاجائے تو وہ سچا ہے۔ اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ پہلے مرسلین اپنی روشن نشانیوں کے ساتھ تمہارے پاس تشریف لاتے رہے۔ اگر تم اس نشانی کو ماننے کے دعوے میں سچے ہو تو ان کے ساتھ کیوں لڑتے رہے۔

حاصل: ماضی میں جس نشانی کی عدم تکریم سے کسی نے اپنی عدم صداقت کا ثبوت دیا ہو، وہ اسی نشانی کو حال پر طلب کرے تو اسے اس کا ماضی یاد دلانا چاہئے۔

فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۱۸۴﴾

تو اگر وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں، تو آپ سے قبل رسل کی بھی تکذیب کی گئی ہے جو روشن نشانیاں، اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

معاندین ماضی میں مرسلین کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر، ان کے ساتھ صحیفوں کی واضح اسناد کو دیکھ کر، ان کے ساتھ روشن کتابوں کو دیکھ کر بھی ان کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ناحق لڑتے رہے ہیں۔ اگر حال پر بھی ان کی معاندانہ روش جاری ہے، تو یہ بات کچھ نئی نہیں۔

حاصل: بری باتیں برے لوگوں کے لئے اور برے لوگ بری باتوں کے لئے ہوتے ہیں۔ برائی کے تسلسل سے بھی بھلائی کو دیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ‌ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ؕ فَمَنۡ

ہر نفس کو موت چکھنی ہے۔ اور تمہارے اجر تو قیامت کے دن ہی پورے ملیں

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ
فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾

گے۔ تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا، تو وہ بامراد ہوا۔ اور حیات دنیا تو متاع غرور ہی ہے۔

جو بھی پیدا ہوا ہے، اسے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت نام ہے اس تغیّر کا جو حیات کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کے خاتمے پر واقع ہوتا ہے۔ ہر نفس کو پورا پورا اجر تو جزا کے دن ہی ملے گا البتہ توفیق اور مہلت کے خاتمے کے ساتھ ہی ہر ایک پر واضح ہو جاتا ہے، کہ وہ کیا کرتا رہا ہے، اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے بھلے کے لئے اس کی بھلائی باعث راحت ہوتی ہے، اور برے کے لئے اس کی کمائی کا بوجھ رہتا ہے۔ قیامت کے دن جسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا، اور آگ پر سے گزر کر ہی دخولِ جنت کا مقام آئے گا۔ جنتی ہی بامراد لوگ ہوں گے۔ اللہ کے محبوب سے پورا پورا تعلق ہو، تو مخالف کے ساتھ مطابق رہنے کا شرف ہوتا ہے، اور مراد حاصل ہوتی ہے۔ مخالف کے ساتھ مطابق رہنا آگ پر سے گزرنا ہے۔ یہ گزر اللہ کے فضل کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں ملی ہوئی توفیق کو نفس اپنی شوکت کے لئے استعمال کرتے کبھی نہیں تھکتا، اور اس سے اس کا غرور ہی بڑھتا ہے۔ اس لئے اس کو متاع غرور بھی فرمایا گیا ہے۔ نفس کی خواہش کے خلاف رہنے کا رخ ہو، تو حیاتِ دنیا میں ملی ہوئی توفیق ایسی سواری بن جاتی ہے کہ اس سے حال پر بھی راحت حاصل ہوتی ہے، مستقبل میں بھی حاصل ہوگی۔

حاصل : مخالف کے ساتھ مطابق رہنے والے ہی جنت میں جائیں گے، اور بامراد ہوں گے۔
توفیق کو شوکتِ نفس کے لئے استعمال کرنا جنتی کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ
وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا
اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾

یقیناً تمہیں تمہارے اموال اور انفس میں دیکھا جائے گا۔ اور ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو، تو یہ بڑے عزم کے کام ہیں۔

مال اور جان عطائے الٰہی ہیں، اور یہ دیکھنے کے لئے دیئے جاتے ہیں کہ ان کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لایا جاتا ہے یا اس کے خلاف۔ اگر مال اور جان ہی مقصودِ حیات ہو جائیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کی ناشکری ضرور ہوتی ہے۔ معاندین سے جو اہلِ کتاب ہوں یا مشرک ہیں، برائی ہی سننے میں آسکتی ہے، اور اس پر صبر و تقویٰ ہی تزلزل سے بچا سکتا ہے، صبر کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ گزرنے والے حال کو مزید علم عطا ہونے کا باعث جانا جائے۔ اور تقوے کی صورت یہ ہے کہ شاہد کے قدم پر نظر جمی رہے، اور اس کی محبت کا فیض بڑھتا رہے۔ یہ بڑے عزم کے کام ہیں، کہ یار کی بدولت اغیار کی ایذا کو برداشت کیا جائے۔

حاصل : یار کے لئے اغیار کی ایذا پر صبر و تقویٰ سے رہنا بڑے عزم کے کام ہیں۔ یار کی محبت ہی تزلزل سے بچا سکتی ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے عہد لیا جنہیں کتاب عطا ہوئی، کہ ضرور اسے لوگوں سے بیان کرنا اور چھپانا نہ۔ تو انہوں نے اسے پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے قلیل دام لئے، تو کیسی بری خرید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب پر یہ واضح فرمایا تھا، کہ انہیں خاتم النبیین پر ایمان لانا ہے، اور ان کی نصرت کا شرف حاصل کرنا ہے۔ ان کی نشانیاں لوگوں کے سامنے بیان کرنا ہے اور انہیں چھپانا نہیں۔ جب ان لوگوں پر ایفائے عہد کا مقام آیا، تو انہوں نے اس عہد کو وقتی مفاد کے حصول کے لئے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور دائمی خسارہ خرید لیا۔

حاصل : عطائے الٰہی سے دائمی خسارہ خرید لینا بری خریداری ہے۔ بھلائی کے عہد کو پورا کرنا صداقت کی سند ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾

یہ نہ سمجھنا ایسے لوگوں کو جو اپنے کیے پر فرحت پاتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان کی شان بیان کی جائے جو انہوں نے نہیں کیا، تو یہ نہ سمجھو کہ عذاب سے چھوٹ گئے۔ اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

جو لوگ اپنے اعمال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں حالانکہ صبر و تقویٰ ان کی زندگی میں نظر نہیں آتا، اور وہ مخالف کے ساتھ مطابق رہ کر معیتِ حق کا ثبوت فراہم نہیں کرتے، ایسے لوگ عذاب سے دور نہیں ہوتے۔ چاہتے یہی ہیں کہ جو ان کا حال نہیں ہے، ان کی شان بلند کرنے کے لئے وہ بیان کیا جائے۔ یہ لوگ حال پر خوف و حزن کے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آگے ان کے لئے المناک عذاب ہوگا۔

حاصل : جو لوگ مخالف کے ساتھ مطابق رہ کر صبر و تقویٰ کا ثبوت نہیں دیتے، وہ چاہتے یہی ہیں کہ ان کی شان بیان کی جائے۔ مگر وہ حال پر خوف و حزن میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور المناک عذاب کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع ۱۰

اور اللہ ہی کا ملک ہے، جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہی ہر شے کو پیدا کیا ہے۔ ملکیت آسمانوں اور زمین میں اسی کی ہے۔ وہ اگر کسی کو تصرف کی توفیق دیتا ہے تو توفیق پانے والے کو یہ دیکھنا لازم ہے کہ یہ توفیق مجھ سے پہلے بھی دی گئی تھی اور میرے بعد بھی دی جائے گی۔ اس توفیق کے استعمال کا ایک رخ توفیق دینے والے کی مرضی سے تعلق رکھتا ہے، اور دوسرا رخ خواہش نفس کے اتباع کا ہوتا ہے۔ صادق کی شان ہے کہ وہ شے کے ملک کی مرضی کی قدر کرتا ہے، اور ملک کا شکریہ بھی ادا کرتا ہے۔ کاذب کی صورت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے توفیق دیتا ہے،، اس سے لے لینے پر بھی قادر ہوتا ہے۔ اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

حاصل : توفیق دینے والا معطیٔ مطلق، واپس لینے پر بھی قادر ہوتا ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس کی رضا ملحوظِ خاطر رہے، تو دائمی انعام عطا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون میں فرمایا ہے :

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

[تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار بنایا، اور تمہیں ہماری طرف لوٹنا نہیں۔]

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل و نہار کے اختلاف میں وقوف والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے ان کا منشاء تخلیق ہونا ضروری ہے۔ صانع نے جو شے جس منشاء کے تحت خلق فرمائی ہے، وہ شے اپنے منشاء تخلیق کو پورا کر رہی ہے۔ مخلوق کو برودت و حرارت جس قدر اور جس طرح درکار ہے، لیل و نہار کے اختلاف سے اس کا اہتمام فرمایا گیا ہے۔ کائنات کا نظام جس ضبط کے ساتھ چل رہا ہے، یہ اس کے صانع کے اعلم ہونے کا ثبوت ہے، قادرِ مطلق ہونے کا ثبوت ہے، اور لاشریک ہونے کا بھی ثبوت ہے۔ وقوف والے نشانیوں سے صانع تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حاصل : وقوف والے مصنوع سے صانع تک پہنچتے ہیں۔ صنعت سے پہلے منشاء صنعت کا ہونا ضروری ہے۔

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا

وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، قیام و قعود اور

وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ
فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا
مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

کروٹ پر، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں تفکر کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب تو نے یہ باطل نہیں بنایا، تجھے پاکی ہے۔ تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

وقوف والے کھڑے، بیٹھے اور کروٹ کروٹ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے اسماء حسنیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ ہر حالت میں توفیق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی عطا ہوتی ہے، اس لئے توفیق کے معطی کا ذکر کرنا بھی بندے کی شان ہے۔ ذکر کے ساتھ فکر ہو، تو ذکر احسن ہوتا ہے۔ فکر یہ ہے کہ مخلوق کے منشا پر نظر کرتے ہوئے ماضی، حال اور مستقبل کو دیکھا جائے، اپنے مقام پر بھی نظر کی جائے اور کسی بھی شے کو اپنے ماحول میں غیر متعلق نہ جانا جائے۔ ذکر و فکر سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا بڑی رحمت کی بات ہے۔ ہر شے کے استعمال کی ایک صورت صانع حقیقی کے منشا کے مطابق ہوتی ہے، یہی صورت آگ سے بچنے کی ہوتی ہے۔ پاک لوگ اپنے علم کو علیم مطلق کے علم سے زندہ کرتے ہیں۔

حاصل : وقوف والے کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ فکر سے اپنا حق معلوم ہوتا ہے اور دعا نکلتی ہے۔ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (٣ : ١٩١)

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ
اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾

اے ہمارے رب جسے تو آگ میں داخل کرے، تو بے شک اسے تو نے رسوائی دی۔ اور ظالموں کو کوئی نصرت دینے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عزت و ذلت کی راہیں واضح کر دی ہیں۔ جو اپنے جلنے کا سامان اکٹھا کرتا ہے اور عزت کی راہ نہ لے، وہ ضرور رسوا ہوتا ہے۔ اس کا ظلم ہی اس پر پڑتا ہے۔ حیات دنیا میں اگر کوئی بھلائی کی راہ اختیار کرتا ہے، تو فلاح پائے گا۔ اور اگر اس کے خلاف کرتا ہے، تو جزا کے دن اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اشیاء کا مطلوب اور آگ میں جائے، یہ بڑی رسوائی ہے۔ جو اس رسوائی کو چن لے، اس کی نصرت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ
لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

اے ہمارے رب ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لئے ندا فرماتا ہے، کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے۔ اے

فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾

ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے، اور ہماری برائیوں کی نفی کر دے، اور ہمیں ابرار کی معیت میں وفات دے۔

شاہد کو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ ندا بھی اسی وحدۂ لاشریک کی رضا کے لئے دی جاتی ہے۔ ندا یہی ہوتی ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ جو تمہاری بھلائی کے لئے تمہیں حکم دیتا ہے، اس کی ماننے میں ہی تمہارا بھلا ہے۔ ایمان والے یہی کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم نے اس ندائے خیر پر لبیک کی جو دعوتِ ایمان کے لئے تھی۔ تو ہمارے حال پر مہربانی فرما، ہمارے گناہ بخش دے، اور ہمارے ماضی کی نفی فرما دے، کہ اب ہم تیرے محبوب سے پیوند ہو گئے ہیں۔ ہماری سابقہ صفتوں کو کالعدم کر دے، اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے ساتھ ہی وفات بھی دے کہ جب اس دنیا سے رخصت ہوں، تو تیرے پاک بندوں کے ساتھ ہوں۔

حاصل : ایمان شاہد کے حوالے اور نسبت سے ہی کامل ہوتا ہے۔ گناہوں کی بخشش اور برائیوں کی نفی کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ پاک لوگوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہونے کی دعا سیدھ کو قائم رکھتی ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾

اے ہمارے رب ہمیں عطا کر جس کا تو نے اپنے رسل کی معرفت وعدہ فرمایا ہے۔ اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کر۔ بے شک تو وعدہ خلاف نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب اس کی طرف سے ہدایت آئے، اور اس کا اتباع کیا جائے، تو خوف و حزن سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کو حال پر ہدایت عطا ہو، اسے قیامت کے دن رسوائی نہیں ہوگی۔ وعدہ خلافی اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے، تو اس کے بندوں کو اپنے معبود کی شان کا پاس رکھنا لازم ہے۔

حاصل : اپنے رب سے ہدایت طلب کرتے رہنا، اور وعدے کو پورا کرنا، ماننے والے کو سچا ثابت کرتا ہے۔ اور اس کے معبود کو اصدق و لاشریک ثابت کرتا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

تو ان کے رب نے ان کی سن لی، کہ میں تم میں عامل کا عمل ضائع نہیں کرتا، مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔ تو جن لوگوں نے ہجرت کی، اور اپنے دیار سے

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

نکالے گئے، اور میری راہ میں ایذا دیئے گئے اور لڑے، اور شہید ہوئے، یقیناً ان کے گناہوں کی ان سے نفی کر دوں گا۔ اور یقیناً انہیں جنتوں میں داخل کروں گا، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ یہ عنداللہ ثواب ہے۔ اور ثواب عنداللہ ہی اچھا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتے ہیں، اور ناصحؐ امین کا اتباع کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے، اور کسی عامل کا عمل ضائع نہیں کرتا، مرد ہو یا عورت، کہ جزائے اعمال میں کچھ فرق نہیں۔ عمل تائید ایزدی سے ہی زندہ رہتا ہے۔ مرد عورت آپس میں ایک ہیں، اور ایک دوسرے سے ہیں۔ جس کو اللہ کے محبوب سے جس قدر محبت ہے، اس کے اعمال کا عنداللہ وہی درجہ ہے۔ جن لوگوں نے شاہد کے ساتھ ہجرت کی، اور جنھیں شاہد کے ساتھ کی بدولت ان کے گھروں سے نکالا گیا، اور اللہ کی راہ اختیار کرنے پر ایذا دی گئی۔ اور جو اللہ کی راہ میں لڑے، اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے، یقیناً ان کے گناہوں کی نفی کر دی جائے گی اور انھیں باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے تحت نہریں جاری ہیں، اور جو سدا بہار ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب ہے، اور احسن ثواب ہے، کہ مالکِ حقیقی کی طرف سے ہے۔

حاصل : جو لوگ شاہد کا ساتھ رکھتے ہیں، ہجرت میں بھی، ایذا پا کر بھی اور جہاد میں بھی، ان کے گناہوں کی نفی کر دی جاتی ہے۔ وہ جنتی ہوتے ہیں۔ اور انہیں عنداللہ بڑا ثواب ملتا ہے کہ مالکِ حقیقی کی خوشی انہیں حاصل ہو جاتی ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹٦﴾

تمہیں کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ نہ دے۔

کافروں کو جو کچھ ملتا ہے، ان کے حسنِ عمل کی بدولت نہیں ہوتا۔ اس لئے ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو حق کی طرف راغب ہونے کی وافر توفیق ملے، اور یہ حال پر ملی ہوئی مہلت سے استفادہ کر سکیں۔ یہ اس مہلت میں اپنے آپ کو جھوٹا ہی ثابت کرتے ہیں، اور خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔

حاصل : کافروں کو بھی توفیق علم سے دی جاتی ہے، اور ان کے حق کی طرف راغب ہونے کا راستہ آسان کیا جاتا ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾

متاع قلیل، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور کیا ہی برا بچھونا ہے۔

کافر زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنا لیتے ہیں، اس لئے ان کی خواہش کے مقابل انہیں متاع قلیل ہی لگتی ہے۔ حیاتِ دنیا میں قلت کا احساس دامن گیر رہتا ہے۔ آگے ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا، اور جہنم بہت ہی برا بچھونا ہے کہ اعلم کے انکار سے متشکل ہوتا ہے۔ کافر کو نہ اس جہاں میں سکھ ملتا ہے، نہ آگے اس کے لئے سکھ ہو گا۔

حاصل : حیاتِ دنیا میں احساسِ قلت کافر سے الگ نہیں ہوتا۔ آخرت میں اس کے لئے برا بچھونا ہو گا۔

لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

لیکن جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی، اور جو عنداللہ ہے، ابرار کے لئے خیر ہے۔

جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، وہ اس کی عطا کو پورا جانتے ہیں اور چھپے اور ظاہر اس کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے جنتیں ہیں جو سدا بہار ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل کسی طرف راغب نہیں ہوتے، اس لئے انہیں دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو گا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ پاک لوگوں کے اعمال اس نیت سے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے اجر کے طالب ہوتے ہیں، کسی دوسرے سے نہیں۔ معطیٔ مطلق سے بہتر کون میزبان ہو سکتا ہے۔

حاصل : جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل کسی طرف نہیں جھکتے، اللہ تعالیٰ ان کا میزبان ہو گا۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِينَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور بے شک اہل کتاب سے کچھ ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر، اور جو تمہاری طرف نازل ہوا، اور جو ان کی طرف نازل ہوا۔ اللہ کا خشوع رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو قلیل داموں نہیں بیچتے۔ یہ وہ ہیں، جن کے اجر ان کے رب کے پاس

اِنَّ اللّٰهَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ ہیں۔ بے شک اللہ سریع الحساب ہے۔

اہلِ کتاب سے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، حال پر کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، ماضی میں کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز رہتے ہیں، اور اس کی خوشی کے طالب ہوتے ہیں، یہ خاشعین کی شان ہے۔ یہ لوگ آیات خداوندی کو وقتی مفادات کے بدلے بیچتے نہیں۔ شہادت جو ان کے ذمے ہوتی ہے، اس کو چھپاتے نہیں۔ ان کی صداقت کا اجر ان کو جلد ہی ملے گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی خوشی کا طالب ہونا خشوع کا باعث ہوتا ہے۔ خاشعین کو ان کے کیے کی جزا جلد ہی ملنے لگتی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾ ع ۲۰

اے ایمان والو صبر کرو اور صابر رہو اور ربط رکھو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ فلاح پاؤ۔

صبر کرنا اپنی ذات کو نہ ہونے کے مقام پر پورا رکھنا ہے۔ صابر رہنے کی حقیقت شاہد کے ساتھ پورا رہنا ہے، اس طرح کہ اس سے تقدم نہ ہو، کہ تقدم سے بے ربط ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس کے محبوب کے اتباع کی توفیق کا پورا پورا استعمال ہو جائے، اور توفیقِ الٰہی کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگانے میں کوتاہی نہ ہو، کہ اسی میں فلاح ہے۔

حاصل : صبر ذاتی بھی ہوتا ہے، اور شاہد کے ساتھ بھی۔ تقدم سے بے ربط ہونے کا مقام آتا ہے۔ توفیقِ الٰہی کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگانے سے فلاح حاصل ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں فرمایا ہے :

وَهُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ وَلَهُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۸۰﴾

[اور وہی حیات و موت دیتا ہے، اور لیل و نہار کے اختلاف بھی اسی کے ہیں، تو کیا عقل نہیں کرتے۔]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ①

اے لوگو، اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں نفس واحدہ سے خلق فرمایا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت پھیلا دیئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جس کے واسطے سے سوال کرتے ہو۔ اور رشتہ داروں کی خبر رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

سلسلۂ توالد کو ماضی میں دیکھتے جائیں، تو اوپر ایک جوڑا نظر آتا ہے۔ مرد ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور عورت مائی حوا علیہا السلام ہیں۔ مائی صاحبہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے نکالا۔ اس طرح تمام لوگوں کی ابتدا نفس واحدہ سے ہوئی۔ اور بنی آدم کے ایک دوسرے پر پیدائشی فضیلت کے دعاوی محال ہو گئے۔ اس نفسِ واحدہ کی پیدائش بھی اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی سند ہے، اور قادرِ مطلق ہونے کی سند ہے۔ جس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، وہی ان کے لئے طریق زندگی کا تعین کرے، تو معدلت قائم ہو سکتی ہے۔ حکم اسی کا مانا جا سکتا ہے، جس کی رضا مطلوب ہو۔ اور جس کی رضا مطلوب ہو، اس کا ڈر رکھنا، قرب کو ثابت کرتا ہے۔ بنی آدم سے تعلقات میں اللہ تعالیٰ کے ڈر سے راستوں کو روشنی دی جائے، تو یہ احساس بڑھتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا شکریہ کماحقہ ادا نہیں ہوا۔ جس نے سب کچھ بنایا ہے، اور اپنے لئے کچھ نہیں بنایا اور جس سے سب سوال کرتے ہیں، کہ وہ معطی ہے، اور علم سے پالنے والا ہے۔ جس نے بنی آدم کے وسیع سمندر میں ہر ایک کو قریبی رشتوں سے بھی نوازا ہے، کہ خدمت اور صلہ رحمی سے معاشرے کو تقویت ملے۔ اس سے ڈرنا یہ ہے، کہ شاہدین کے حال سے اپنے حال کو جانچا جائے۔ جو معیار اللہ تعالیٰ نے کسی کے سامنے رکھا ہے، اس کی نسبت سے اس کے اعمال کو دیکھا جائے گا۔ وہ اب بھی دیکھ رہا ہے۔ وہ اقرب بھی ہے، رقیب بھی ہے۔ بنی آدم کے ساتھ تعلقات ہوں یا قریبی رشتہ داروں کے ساتھ معاملات ہوں، اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ کیا کر رہا ہے اور اس کے بندے اس کی مخلوق کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ معاملہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ مستحقین کی قدر کی جائے، اور خالی گھروں کو بھرا جائے۔ بھرے ہوئے گھروں کو بھرتے رہنا عباد مخلصین کی طریقت کے خلاف ہے۔

حاصل : عام لوگوں سے بھی معاملہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ رشتہ داروں میں مستحقین کی قدر کی جائے۔ خالی گھروں کو بھرا جائے، اور منشاء ایزدی کا احترام کیا جائے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

اور یتاما کو ان کے اموال دے دو۔ خبیث کو طیب سے نہ بدلو، اور نہ اپنے اموال کے ساتھ ان کے اموال کو کھاؤ۔ یہ بڑا وبال ہے۔

یتیم کا مال اس کے ولی کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اور جب یتیم بلوغت کو پہنچ جائے، تو اس کی امانت اس کے سپرد کر دینی چاہئے۔ گواہوں کی موجودگی میں امانت رکھی جائے، اور گواہوں کی موجودگی میں لوٹائی جائے، تو یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ یتیم کا مال اس قدر ادب و احترام سے رکھا جائے، کہ اپنے مال اور یتیم کے مال میں وقف رہے۔ یتیم کی کسی شے کو اپنی کسی شے سے ذاتی غرض و غایت کے تحت بدلنا طیب کو خبیث سے بدلنا ہے۔ یتیم کی کفالت اسے کرنی چاہئے، جو اسے اپنے پاس سے کھلا سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ یتیم کی پرورش اور تربیت پر ولی کے حالاتِ معاش میں تغیر کی بدولت منفی اثرات پڑنے کا امکان ہو، تو یتیم کے مال کو اس کی فلاح کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ مگر اس مقدس امانت سے ولی کی ذات کسی بھی شکل میں استفادہ نہ کرے کہ یہ بڑا وبال ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل کسی مال کی حب رکھنا وبال اور تباہی کو دعوت دینا ہے۔

حاصل : یتیم کا مال امانت ہوتا ہے۔ بلوغت پر اسے لوٹا دینا چاہئے۔ اسے کسی بھی مقام پر اور کسی بھی صورت میں ولی کو اپنی غرض و غایت پر استعمال نہیں کرنا چاہئے، کہ اس سے تباہی مسلط ہو جاتی ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③

اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے، تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں۔ دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو، کہ دو میں عدل نہ کر سکو گے، تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو۔ یہ اس سے قریب ہے کہ تم سے بے انصافی نہ

ہو۔

یتیم لڑکی کی ولایت بہت بڑا کام ہے۔ اس کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی کی قدر و منزلت کے معنی اگر اس کی تحقیر بھی ہوں، تو ایسی قدر و منزلت سے اجتناب کرنا چاہئے۔ یتیم لڑکی سے خطا ہو جائے یا کچھ نقصان ہو جائے، تو اس پر سختی کرنا بالکل منع ہے۔ یتیم کا احترام اس قدر ہونا چاہئے کہ کسی کو اس کی دل آزاری کی جرات نہ ہو۔ اگر کسی صاحب کو ڈر ہو کہ وہ یتیم لڑکی کے ساتھ اس طرح انصاف نہیں کر سکے گا، تو اسے یتیم لڑکی سے نکاح کرنے کی بجائے دوسری عورتیں نکاح میں لانی چاہئیں۔ دو ہوں، تین ہوں، یا حد چار ہوں۔ نکاح کا منشاء بقائے نسل ہوتا ہے۔ اگر ایک سے یہ منشا پورا ہو جائے، تو دوسری سے نکاح کی حقیقت خواہشِ نفس کا اتباع ہو گا، جس سے گمراہی کا لزوم بھی ثابت ہے۔ دو بیویوں میں عدل کی صورت یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ تعلقات رضائے الٰہی کے لئے ہوں، اور مرد کے مال اور وقت میں ان کا حصہ مساوی ہو۔ یہ بھی بڑا بھاری کام ہے۔ اگر ڈر ہو کہ عدل نہ ہو سکے گا، تو ایک ہی بیوی کافی ہے۔ اور اگر آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، تو لونڈی سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ حقوق طلب کرنے والوں کی تعداد کم ہو تو بے انصافی کی شکایت بھی کم ہو گی۔

حاصل : یتیم لڑکی سے نکاح کے بعد انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی دل آزاری کے خیال کو بھی قریب نہ آنے دیا جائے۔ چاہے اس سے خطا بھی ہو چکی ہو، یا نقصان بھی ہو چکا ہو۔ نکاح کا منشا بقاء نسل ہے۔ ایک سے پورا نہ ہو، تو دوسری، تیسری اور چوتھی تک اجازت ہے۔ بیویوں میں عدل، مال اور وقت میں ان کا حصہ مساوی رکھنے سے ہوتا ہے۔ اگر اپنے فرائض کا علم ہو، تو اعتدال اور انصاف میں آسانی ہوتی ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ④

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔ پھر اگر وہ تمہیں اپنی خوشی سے کچھ دے دیں، تو اسے خوشی سے کھا سکتے ہو۔

مہر عورت کا حق ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ خوشی سے دینا یہ ہے کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق دے، اور رضائے الٰہی کے لئے دے۔ اگر عورت اپنی خوشی سے کچھ دے دے، تو اس سے قبول کر لینا بھی درست ہے۔ عورت کے مہر سے کچھ لینے کی نیت رکھنا، یا ایسے حالات پیدا کرنا جس میں عورت اپنے مہر سے کچھ دینے پر مجبور ہو جائے، معصیت ہے۔

حاصل : مہر عورت کا حق ہے۔ اسے خوشی سے دینا چاہئے، اور لینے کی نیت نہیں رکھنی چاہئے۔ اگر وہ اپنی خوشی سے دے تو لے لینا چاہئے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

اور بے وقوفوں کو اپنے اموال نہ دے ڈالو، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارا ذریعہ قیام بنایا

فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ⑤

ہے، اور انہیں اس میں سے رزق دو، اور پہناؤ۔ اور ان سے بات کرو، بھلی بات۔

بے وقوف وہ ہوتا ہے، جس کو اپنی خواہش سے بہتر خرچ کرنے کا کوئی مقام نظر نہ آئے۔ بے وقوف کی حفاظت بہت ضروری ہوتی ہے۔ اس کو کھلانا اور پہنانا اس طرح ہو کہ اس کے جسم کو بھی فائدہ پہنچے، روح کو بھی فائدہ پہنچے۔ اس سے بات بھی اس طرح کی جائے کہ اس کے الفاظ کے پیچھے حسنِ نیت پر نظر رہے۔

حاصل: مال کام کرنے کے لئے اسے دینا چاہئے، جو بے وقوف نہ ہو۔ ورنہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف پہنچنے لگتی ہے۔ بے وقوفوں کو کھلانا، پہنانا علم سے ہونا چاہئے۔ ان کے الفاظ نہیں، دل دیکھنے چاہئیں۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥

اور یتاما کو دیکھتے رہو، حتیٰ کہ نکاح کی عمر کو پہنچیں۔ پھر اگر ان میں رشد دیکھو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو۔ اور انہیں اسراف سے اور جلدی سے کھا نہ جاؤ کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں۔ اور جو غنی ہو وہ عفیف رہے، اور جو فقیر ہو وہ بھلائی سے کھائے۔ تو جب ان کے اموال ان کے سپرد کرو تو ان پر گواہ کر لو۔ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حساب لینے والا۔

یتیم کی حفاظت و تربیت بلوغت تک اس کے ولی کے ذمے ہوتی ہے۔ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائے، اور اس وقت میں مخلوق کے ساتھ فی سبیل اللہ معاملہ کرنے کا ثبوت بھی دے دے، تو وہ صاحبِ رشد ہے، اور کاروبار کا اہل ہے۔ جس کا معاملہ مخلوق کے ساتھ اپنی غرض و غایت کے تحت ہو، اس کو کام کی اجازت دینے کے معنی لوگوں کو نقصان پہنچانے کے ہوتے ہیں۔ یتیم کا مال امانت کے طور پر رکھا جائے اور بلوغت پر اسے لوٹانے کی نیت سے رکھا جائے، تو حق کی ادائیگی احسن ہوگی۔ اور اگر یتیم کا مال اس کی بلوغت کے ڈر سے ایسے امور پر خرچ کیا جائے جہاں خرچ نہ کرنے سے اس کی تربیت و تعلیم متاثر نہ ہوتی ہو، تو یہ

اسراف ہو گا۔ اسراف کے ساتھ جلدی بھی ضرور ہوتی ہے کہ یہ نفس کا کارن ہے۔ یتیم کا مال اگر ایسا ولی کھائے، جو اسے اپنے پاس سے کھلانے کی استطاعت رکھتا ہو، تو اس کی عفت جاتی رہتی ہے۔ اگر ولی فقیر ہو تو بھی اسے یتیم کی خاطر اہتمام اس کی فلاح کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنا چاہئے۔ فقیر ولی کی اپنی پسند ساکن رہنی چاہئے، ورنہ یہ بھی معصیت ہوگی۔ جب یتیموں کے اموال انہیں لوٹائے جائیں، تو گواہوں کی موجودگی میں لوٹائے جائیں۔ اس سے یتیم کا تعارف ایک نئے کام کرنے والے کی حیثیت سے ہو جائے گا، اور لوگوں کو یتیم کی قدر و منزلت کا شرف حاصل ہو گا۔ یتیم کے اموال کو اس قدر اہمیت دی جائے کہ اس کی کسی چیز کو بھی معمولی نہ سمجھا جائے، تاکہ غیر اہم سمجھ کر اس کے لوٹانے میں کوتاہی نہ ہو جائے۔

حاصل : بلوغت پر یتیم کے رشد کو دیکھ کر گواہوں کی موجودگی میں اس کے اموال اسے پوری احتیاط کے ساتھ لوٹانے چاہئیں۔ ولی غنی ہو تو عفیف رہے۔ فقیر ہو تو اپنی پسند کو ساکن رکھے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝٧

مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو ان کے والدین اور اقربا کا ترکہ ہے۔ اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو ان کے والدین اور اقربا کا ترکہ ہے۔ تھوڑا ہو یا بہت حصہ مقرر ہے۔

مردوں کو بھی ان کے والدین اور اقربا کے ترکے سے حصہ ملتا ہے، عورتوں کو بھی۔ حصے کا تعین مالکِ کل کی طرف سے فرمایا گیا ہے۔ تھوڑے اور بہت کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تقسیم بہر صورت اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت ہونی چاہئے۔

حاصل : ترکہ قلیل ہو یا کثیر اس کی تقسیم رضائے خداوندی کے تحت ہونی چاہئے۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝٨

اور جب تقسیم کے وقت قربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین آ جائیں تو اس میں سے انہیں بھی رزق دو، اور ان سے بات کرو، اچھی بات۔

جب ترکہ تقسیم ہو رہا ہو، تو قربیٰ، یتامیٰ اور مساکین بھی آتے ہیں۔ ترکہ تقسیم ہی ایسے وقت میں ہونا چاہئے جب یہ سب حضرات آسانی سے آ سکتے ہوں۔ تقسیم کا مقام اور وقت انہیں معلوم ہونا چاہئے، اور انہیں پیش کی جانے والی اشیاء تیار ہونی چاہئیں کہ انہیں انتظار نہ کرنا پڑے۔ ان حضرات کا عمل کیسا ہی ہو، ان سے بڑے ادب سے بات کرنی چاہئے، کہ یہ سب خدائی مہمان ہوتے ہیں۔

حاصل : ترکے کی تقسیم کا مقام اور وقت، قربیٰ، یتاما، اور مساکین کو معلوم ہونا چاہئے۔ ان حضرات کی تشریف آوری سے پہلے ان کو پیش کی جانی والی اشیاء تیار ہوں۔ اور ان خدائی مہمانوں کے ساتھ ادب سے بات کی جائے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾

اور ڈریں وہ لوگ کہ اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑتے، تو ان پر کیسا خوف ہوتا۔ تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بات کریں سیدھی بات۔

ماں باپ کو اپنی اولاد کی بھلائی عزیز ہوتی ہے۔ جب کسی کو یتیم کی ولایت سپرد ہوتی ہے تو اسے اس حق کو حسن و خوبی سے پورا کرنا چاہئے، اور یہ دیکھنا چاہئے، کہ اگر میری کمزور اولاد کسی کی ولایت میں دی جاتی تو مجھے اس ولی کا کیسا سلوک پسند ہوتا۔ اور کیا میرا سلوک ویسا ہی ہے۔ یہ مقام خوف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت ہے۔ یتیم سے سیدھی بات یہ ہوتی ہے کہ اسے ہر مقام پر خیر اور غیر کا وقف دکھایا جائے، تاکہ وہ استقامت سے راہِ خیر پر رہ سکے۔

حاصل : یتیم کے ساتھ ویسے ہی سلوک کرنا چاہئے، جیسے اپنی اولاد کے یتیم ہونے کی صورت میں ہمیں پسند ہو۔ یتیم کو خیر اور غیر میں تمیز کرنے کا علم سکھانا چاہئے اور آسانی سے سکھانا چاہئے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾ ع ۱ ۱۰ ۱۲

جو لوگ ظلماً یتاما کے اموال کھاتے ہیں، وہ اپنے بطون میں آگ ہی بھرتے ہیں۔ اور جلد ہی آگ میں جائیں گے۔

یتاما کے اموال کو جن حدود و قیود کے ساتھ استعمال کی اجازت ہے، ان سے انحراف ظلم ہے۔ جو ظلم سے یتیم کا مال کھائے، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے۔ یہ آگ خلوت میں جمع ہوتی رہے اور حیات کی صورت میں ملی ہوئی مہلت میں اس آگ کو عدل و انصاف سے رضائے خداوندی کے مطابق شاہدین کے سامنے ٹھنڈا نہ کیا جائے، تو یہ آگ دائمی عذاب بن جاتی ہے۔

حاصل : یتیم کے اموال کا اس قدر لحاظ ہونا چاہئے، کہ جہاں ان کا پتہ چلے بڑے احترام سے وہاں رضائے الٰہی کو واضح کرنا چاہئے، اور خود اس کا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ ظلم کا نتیجہ آگ ہو گا، جس سے بچنا محال ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا ہے :

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۳۵

[اے بنی آدم اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں تم پر میری آیتیں پڑھتے، تو جو تقویٰ کرے اور اصلاح لے، تو ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔]

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ
لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ
فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ
وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ
لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا
تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ
يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ
فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ
اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ
اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ
اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ
اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۱۱

اللہ تمہیں وصیت فرماتا ہے۔ تمہاری اولاد میں، مذکر کا حصہ دو مونثوں کے برابر ہے۔ پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں، تو ان کے لئے ترکے کا دو تہائی اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لئے نصف ہے۔ اور میت کے ماں باپ کو، ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ، اگر اس کے اولاد ہو۔ پھر اگر اس کے اولاد نہ ہو، اور ماں باپ وارث ہوں تو ماں کا تہائی ہے۔ پھر اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہے، وصی کی وصیت کے بعد یا ادائے قرض کے بعد تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، تمہیں کیا پتہ کہ کون تمہارے نفع کے زیادہ قریب ہے۔ یہ فریضہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

وراثت کی تقسیم انسانی زندگی میں واضح اہمیت رکھتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ خدائی علم و حکمت سے لوگ فیض پائیں، اور معاشرتی زندگی میں عدل مستحکم ہو۔ اگر میت کے بیٹے بیٹیاں ہوں، تو بیٹی کو بیٹے سے نصف ملے گا۔ اگر میت کے صرف لڑکے ہی اس کے وارث ہوں تو کل مال ان کا۔ اگر میت کی صرف بیٹیاں ہی وارث ہوں، دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں، تو ترکے کا دو تہائی انہیں ملے گا، اور اگر لڑکی ایک ہی ہو تو وہ ترکے کا آدھا پائے گی۔ اگر لڑکا ایک ہی ہو تو وہ کل کا مالک ہو گا کہ اس کا حصہ

لڑکی سے دو چند مقرر فرمایا گیا ہے۔ لڑکا اور لڑکی دونوں اولاد ہیں۔ اگر میّت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر میّت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہی وارث ہوں، تو ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملے گا۔ اگر میّت کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، اور جن کی بدولت اس کا حصہ نصف ہوا ہے، چھٹا انہیں ملے گا۔ باقی باپ کو ملے گا۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیّت فرمادی گئی ہے، ان کے بارے میں مزید وصیّت اللہ تعالیٰ سے تقدم ہو گا۔ وصی نے جن امور کو رضائے الٰہی کے لئے شروع کر رکھا ہو، اور وہ زیر تکمیل ہوں، ان سے فرد کو فائدہ پہنچے یا جماعت کو، ان امور میں اس کی وصیّت کو بڑی اہمیت دینی چاہئے۔ وصیّت کرتے وقت اس بات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ جن کے حصے اللہ نے اپنی وصیّت سے مقرر فرمائے ہیں، ان کا استحقاق بھی مجروح نہ ہو۔ قرض کی ادائیگی جو میّت کے ذمے ہو، کی جائے تو میّت کو دنیا سے ذاتی فراغت ملے گی۔ وصیّت کے مطابق اموال دیئے جائیں تو اسے کلی فراغت ملے گی۔ پھر اموال تقسیم ہوں گے۔ کسی طرف جھکاؤ جائز نہیں، چاہے وہ طرف والدین کی ہو یا اولاد کی ہو، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو حصے مقرر فرما دیئے ہیں وہ مطلق علم و حکمت سے ہیں، اور ان کی ادائیگی فرض ہے۔ نفع تو باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کئے گئے فرائض کی ادائیگی ہی نفع کے قریب ہونے کا باعث بن سکتی ہے۔

حاصل : جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی وصیّت موجود ہے، ان کے لئے وصیّت کرنا اللہ تعالیٰ سے تقدم ہے۔ حصے جیسے مقرر فرمائے گئے ہیں، ویسے ہی ادا کئے جائیں، کہ ان کی ادائیگی میں ہی نفع ہے۔ وصی کی وصیّت پر عمل کیا جائے تو وہ صفات کے اعتبار سے دنیا سے فارغ ہوتا ہے۔ اس کا قرض ادا کیا جائے، تو وہ ذات کے اعتبار سے فراغت پاتا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ

اور تمہارے لئے تمہاری ازواج کے ترکے سے نصف ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں تمہارا چوتھائی ہے، ان کی وصیت یا ادائے قرض کے بعد۔ اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکے سے آٹھواں حصہ ہے، تمہاری وصیت یا ادائے قرض کے بعد۔ اور اگر مرد جس کی میراث لی جاتی ہے، یا عورت کلالہ ہو، تو اس کے بھائی یا بہن ہے، تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ پھر اگر وہ زیادہ ہوں، تو

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، وصی کی وصیت یا ادائے قرض کے بعد، جس میں اس نے ضرر نہ دیا ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وصیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ علم والا حلم والا ہے۔

ازواج کے ترکے سے مردوں کا حصہ نصف ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اگر اولاد ہو تو مرد کا حصہ اس کی زوجہ کے ترکے سے چوتھائی ہو گا، وصیّت اور قرض ادا کر دینے کے بعد۔ مرد کے ترکہ سے عورت کو چوتھائی ملے گا اگر اولاد نہ ہو گی۔ اور ہو گی تو عورت کو مرد کے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا۔ وصیّت اور قرض ادا کر دینے کے بعد۔ اگر مرد یا عورت جس کی میراث بٹ رہی ہے، کلالہ ہو، یعنی جن سے وہ پیدا ہوا ہے وہ بھی نہ ہوں اور اس کی اولاد بھی نہ ہو، تو کلالہ کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو، تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر وہ زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ وصی کی وصیّت اور ادائے قرض کے بعد۔ وصیّت میں اگر وصی نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حصہ داروں کے مقابل کسی اور کو بڑا حصہ دینے کو کہا ہو، تو یہ ذوی الفروض کو خود دینے والی بات ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی وصیّت کے خلاف کرنے کا مسلمان کو خیال بھی نہیں آنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا علم والا بھی کوئی نہیں، حلم والا بھی کوئی نہیں۔ اس لئے اگر کوئی اپنے علم اور حلم کا ثبوت دینا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ ارشاد خداوندی کی ادب سے تعمیل کرے۔ ورنہ علم بھی علمِ غیر ہو گا، اور حلم بھی حلمِ غیر ہو گا۔ اور اس سے فساد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے علم اور حلم کا جواب نہیں۔ اس لئے اس کے مقرر کردہ حصص کو پورا جاننا چاہئے، اور ذوی الفروض کو ان کے استحقاق سے محروم کرنے کی کوشش کو معصیت جاننا چاہئے۔ ہماری وصیّت کو اللہ تعالیٰ کی وصیّت کے تحت رہنا چاہئے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے، اسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔

فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾

ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حدود مقرر فرما کر لوگوں پر بڑا کرم کیا ہے۔ اور لوگ حدود کے احترام سے ہی سکھ پا سکتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مانیں گے۔ ان کو علم مطلق کی قدر و منزلت کی بدولت دنیا میں بھی خوف و حزن سے نجات حاصل ہوگی۔ آخرت میں انہیں جنتوں میں داخل کیا جائے گا۔ جن لوگوں نے ہمیشہ اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے تحت رکھا ہو، اور اللہ کی پسند کو ہی ہمیشہ پسند کیا ہو۔ وہ دوامی پاک دامنی کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

حاصل : اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے تحت رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کی پسند کو پسند کرنا حدود اللہ کے احترام کا ثبوت ہے۔ اس کا انعام وہ بہار ہے۔ جس میں کبھی خزاں نہیں آتی۔ دائمی پاک دامنی کا مقام بڑی کامیابی ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٤﴾ ع ۱۲

اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے بڑھ جائے اسے آگ میں داخل کرے گا، جس میں ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنے کا دعویٰ بھی کرتا ہو اور اس کی مقرر کردہ حدود کا احترام بھی نہ کرے۔ اس کو ایسی خزاں گھیر لیتی ہے جس کے بعد بہار کبھی نہیں آتی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے ماننے سے فلاح ہوتی ہے۔ جو انکار کرتا ہے اور حد سے آگے بڑھتا ہے۔ وہ غیرت والوں سے دور ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ ذلت کا عذاب اسے گھیر لیتا ہے۔

حاصل : عزت، اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے خلاف کیا جائے، تو ذلت احاطہ کر لیتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم سجدۃ میں ارشاد فرمایا ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾

[اور جو صالح عمل کرے تو اپنے لئے، اور جو برا کرے تو اپنے برے کو، اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔]

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ

اور جو تمہاری عورتوں میں سے فحش

نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ
أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَإِنْ شَهِدُوْا
فَأَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ
الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿١٥﴾

کرے، تو ان پر اپنے چار مرد گواہ لاؤ۔ پھر اگر وہ گواہی دیں، تو ان عورتوں کو گھروں میں روک رکھو، حتیٰ کہ انہیں موت اٹھا لے یا اللہ تعالیٰ ان کی کوئی سبیل ٹھہرا دے۔

شادی شدہ عورت اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کوئی آلہ استعمال کرے، تو یہ فحاشی ہوگی۔ اگر اس عورت کے اس عمل کو چار مرد دیکھ لیں، اور وہ گواہی دیں، تو ان عورتوں کو گھروں میں اس طرح روک دینا چاہئے کہ انہیں کسی سے ملنے کا موقع نہ ملے، حتیٰ کہ انہیں موت اٹھا لے، یا اس دنیا سے ان کے جانے کی اللہ تعالیٰ کوئی راہ ٹھہرا دے۔

حاصل : شادی شدہ عورت جب کسی آلے سے اپنی جنسی خواہش کو پورا کرتی ہوئی پائی جائے، چار مرد اس عمل کی گواہی دیں، تو اس عورت کو عمر قید کی سزا دی جائے گی، مگر گھر میں۔

وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَإِنْ
تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ
إِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾

اور تم میں جو مرد عورت ایسا کریں انہیں ایذا دو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں، اور اصلاح لیں، تو ان سے اعراض کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

عورت اگر شادی شدہ نہ ہو اور جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کوئی آلہ استعمال کرے، یا مرد اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کوئی آلہ استعمال کرے، تو یہ جوہر حیات کا ضیاع ہوگا۔ ایسی صورت میں انہیں مارا پیٹا جائے گا۔ اگر وہ توبہ کر لیں، اور بری عادت چھوڑ دیں، صالحین سے اصلاح لیں، تو ان کو معاف کر دیا جائے۔ منشا تو اصلاح ہے۔ بے جا سختی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : غیر شادی شدہ لوگ جب جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے آلات استعمال کریں، تو انہیں مارنا پیٹنا چاہئے، ان کی برداشت کی نسبت سے۔ اگر وہ توبہ کر لیں، اور وہ عادت ترک کر دیں، تو ان پر رحم کرنا چاہئے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ

وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر ہے، ان کی ہے، جو جہالت سے برائی کر بیٹھیں

قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمٗا ١٧

پھر قریب ہی توبہ کر لیں۔ تو ایسوں پر اللہ رجوع فرماتا ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

جو لوگ جہالت اور کم علمی سے جوہر حیات کو ضائع کرنے کے مرتکب ہوں، انہیں جلد ہی یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ تو وہ بھلائی کرنے والوں کے حوالے سے اپنے آپ کو دیکھتے ہیں اور برائی سے تائب ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرماتا ہے۔ ایسے لوگوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ جس مقام سے ان کا پاؤں اندھیرے میں پھسل چکا ہوتا ہے اس مقام سے گزرنے والوں کی حفاظت کا حق وہ اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ جب تک پیچھے آنے والے خطرے کے مقام سے گزر نہ جائیں وہ ان کا ہاتھ نہیں چھوڑتے۔

حاصل : جہالت اور کم علمی کی بناء پر ہونے والی برائی کے بعد توبہ کا مقام جلدی آتا ہے۔ توبہ کا ثبوت پیچھے آنے والوں کی علم و حکمت سے مدد کرنا ہے۔

وَلَيۡسَتِ ٱلتَّوۡبَةُ لِلَّذِينَ يَعۡمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ ٱلۡمَوۡتُ قَالَ إِنِّي تُبۡتُ ٱلۡـَٰٔنَ وَلَا ٱلَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمۡ كُفَّارٌۚ أُوْلَٰٓئِكَ أَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا أَلِيمٗا ١٨

اور وہ توبہ ان کی نہیں، جو برے اعمال میں لگے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے : اب میں نے توبہ کی۔ اور نہ ان کی، جو مریں اور ہوں کفار۔ ان کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جو لوگ برائی کے ارتکاب کے بعد اور اپنی حفاظت کے تقاضوں کے جان لینے کے باوجود برائی کرتے رہتے ہیں، ان کی توبہ بے حقیقت ہوتی ہے۔ جب عمل کے لئے دی ہوئی توفیق ختم ہو رہی ہو تو موت کو دیکھ کر یہ لوگ توبہ کرتے ہیں، مگر یہ قبول نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی۔ کفار بھی موت کو دیکھ کر حقائق کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ بھی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے دی گئی مہلت موجود نہیں ہوتی، اس لئے کہ توبہ کا دروازہ موت سے پہلے بند ہو جاتا ہے۔

حاصل : توبہ کا دروازہ موت سے پہلے بند ہو جاتا ہے۔ جس توبہ کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت نہ ہو، وہ بے حقیقت ہوتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَحِلُّ

اے ایمان والو، تمہیں حلال نہیں کہ کرہاً عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ اور نہ انہیں

لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

روکے رکھو کچھ لینے کو جو تم نے انہیں دیا تھا، سوائے اس کے کہ وہ صریح فحاشی کریں۔ اور ان سے اچھا برتاؤ کرو۔ پھر اگر تمہیں ان سے کراہت ہو، تو قریب ہے کہ کسی شے سے تمہیں کراہت ہو اور اللہ تعالی اس میں کثیر بھلائی ٹھہرا دے۔

اقارب کے وصال کے بعد ان کی عورتوں سے زبردستی نکاح کی کوشش فرمان خداوندی کے خلاف ہے۔ نکاح میں عورت کی پسند بھی شامل ہونی چاہئے۔ کرھا اگر کسی عورت سے نکاح کیا جائے، کہ اس کی وراثت سے حصہ ملے تو یہ حرام ہے اور یہ بھی حرام ہے کہ عورتوں کو اس نیت سے روک رکھا جائے، کہ وہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دیں، یا اس کا کوئی حصہ ہی واپس کر دیں، حالانکہ شریعت کی رو سے انہیں نکاح ثانی کی اجازت حاصل ہو چکی ہو۔ اگر عورتیں اپنے تقدس کو برباد کر دیں، تو وہ مہر کی حق دار نہیں رہتیں۔ عورتوں سے اچھا برتاؤ یہ ہے کہ ان کی تحقیر نہ کی جائے۔ انہیں اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھلایا جائے، اچھا پہنایا جائے، اور اچھی جگہ رکھا جائے۔ پھر اگر انہیں کوئی جسمانی عارضہ ہو، ان کی کم علمی باعث کراہت ہو، تو اس صورت کو منجانب اللہ جان کر مطمئن رہنا چاہئے۔ اس سے بڑا انعام ملے گا۔

حاصل : نکاح میں مقصود رضائے الٰہی ہونا چاہئے۔ مہر عورت کی عصمت کی منزلت ہے۔ عصمت جاتی رہے اور فحاشی آ جائے، تو مہر کا استحقاق بھی جاتا رہتا ہے۔ اگر کسی عورت کے جسمانی عارضے اور کم علمی پر صبر کیا جائے، تو وہ بے بدل انعام عطا ہوتا ہے کہ اس سے جد روشن ہو جاتی ہے اور کثیر لوگ اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

اور اگر ایک زوجہ کی جگہ دوسری کو بدلنا چاہو، اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو، تو اس میں سے کوئی شے نہ واپس لو۔ کیا اسے بہتان اور کھلے گناہ سے واپس لو گے۔

اگر ایک زوجہ کی جگہ دوسری زوجہ کو بدلنا ہو، تو بھی یہ عمل بقائے نسل کے منشا کے لئے ہو۔ اگر پہلی بیوی کو بہت سا مال دیا

جا چکا ہو، وہ اس سے واپس لینا منع ہے۔ اس کی عصمت کی منزلت کے بعد اس پر محض مال واپس لینے کے لئے بہتان لگانا مومن کی شان کے خلاف ہے۔

حاصل : بیوی کو جو دیا جائے واپس لینے کی نیت سے نہیں دینا چاہئے۔ مال واپس لینے کے لئے بیوی پر بہتان لگانا بڑا گناہ ہے۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ
إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾

اور کیونکر اسے لے سکتے ہو، اور تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو، اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکیں۔

میاں بیوی کا جب ایک دوسرے سے پردہ نہ رہا ہو، اور ازدواجی رشتہ قائم ہو چکا ہو، مرد عورت کو امانت منتقل کر چکا ہو، اور اس کے رحم میں پہنچ چکی ہو، تو میاں کے قبول کرنے کا دعویٰ عملاً وقوع پذیر ہو گیا۔ اس کے بعد بیوی سے کچھ واپس لینے کا مقام کہاں رہا۔

حاصل : بیوی سے ازدواجی رشتے کے قائم ہو جانے کے بعد اس کو دیا ہوا مال بالکل اسی کا ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ
إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً
وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾ ع ۳ ۸ ۱۳

اور اپنے آباء کی عورتوں سے نکاح نہ کرو، مگر جو ہو چکا۔ بے شک وہ فحش اور غضب کا کام ہے، اور برا چلن ہے۔

آباء میں باپ دادا بھی شامل ہیں، اور ماں کے بزرگ بھی شامل ہیں۔ یعنی باپ اور اس کے بزرگوں کی عورتوں سے نکاح ناجائز ہے، اور ماں کے بزرگوں کی عورتوں سے بھی نکاح ناجائز ہے۔ اس حکم کے نزول سے پہلے جو ہو چکا وہ ہو چکا۔ سابقہ معاملات پر بحث نہیں کی جائے گی۔ قاعدہ یہی ہے کہ کسی حکم کے نفاذ سے پہلے کے معاملات کو نہ چھیڑا جائے اور انہیں درست مان لیا جائے، ورنہ امن قائم نہیں ہو سکتا۔ آباء کی بیویوں سے نکاح فحاشی ہے، بڑے غضب کا کام ہے اور بد چلنی ہے۔

حاصل : حکم کے نفاذ سے پہلے کے معاملات پر گرفت منع ہے۔ آباء کی بیویوں سے نکاح فحاشی مقت، اور بد چلنی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف میں ارشاد فرمایا ہے :

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَ
قْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾

[اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کر دوں گا. مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور جب بھول جائے، اپنے رب کا ذکر کر اور کہہ کہ قریب ہے میرا رب مجھے قریب ترین رشد کی راہ دے۔]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضٰعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبٰٓئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾

حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں. اور بیٹیاں. اور بہنیں. اور پھوپھیاں. اور خالائیں، اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں، اور تمہاری مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا. اور دودھ کی بہنیں، اور تمہاری عورتوں کی مائیں. اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں ان عورتوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔ پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں تم پر گناہ نہیں۔ اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں جو تمہارے صلب سے ہیں، اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا۔ مگر جو ہو چکا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

نسبی تعلق کی وجہ سے ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی حرام ٹھہرائی گئی ہیں۔ ان سے نکاح ناجائز ہے۔ اور ہر عورت جس کی طرف باپ یا ماں کی بدولت نسبت رجوع کرتی ہو حرام ہے۔ اس میں دادیاں، نانیاں قریب کی ہوں یا دور کی سب آگئیں۔ ایسے ہی بیٹیوں میں پوتیاں، نواسیاں سب داخل ہیں۔ یہ سگی ہوں یا سوتیلی، سب حرام ہیں۔ جو سبب سے حرام ہوئیں وہ محرمات رضاعی ہیں۔ اس میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن داخل ہیں۔ ساتوں رشتے جو نسبت میں بیان ہوئے، رضاعت میں بھی حرام ہیں۔ علاقہء نکاح کی وجہ سے جن سے نکاح حرام ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے، جیسے زوجہ کی ماں اور زوجہ کی بیٹی، اگر زوجہ مدخولہ ہو۔ لیکن اگر دخول سے قبل زوجہ سے علیحدگی ہو گئی ہو، طلاق کی صورت سے یا موت سے، تو اس کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ اور نسلی بیٹوں کی عورتیں، پوتوں کی عورتیں، اور نواسوں کی عورتیں بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جن کے لئے ممانعت دائمی نہ ہو، بلکہ جب تک ایک عورت نکاح میں ہو اس کی قرابت داروں سے نکاح کی ممانعت ہوگی۔ جب فوت ہو جائے یا اسے طلاق ہو جائے، تو وہ محرمات میں شامل نہ رہیں گی، جیسے بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی۔ البتہ متبنیٰ کی بیوی محرمات میں داخل نہیں ہے۔ اس حکم کے نزول سے قبل جو رشتے ہو چکے اور اب انھیں قطع نہیں کیا جا سکتا، ان کو درست مانا جائے گا۔ جن کو حال پر قطع کیا جا سکتا ہو، ان کو حکم کے مطابق بنایا جائے

گا۔ جہاں بھی حکم کو دل و جان سے مانا جائے گا، اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : نسب کے تعلق کی وجہ سے سات عورتیں حرام ہیں۔ رضاعی تعلق جو ایک بار دودھ پینے سے ہو جاتا ہے، کی بدولت بھی حرمت ایسے ہی ہوتی ہے جیسے نسبی تعلق کی ہوتی ہے۔ محرمات جو علاقہ نکاح کی وجہ سے حرام ہیں۔ بیویوں کی مائیں، بیویوں کی بیٹیاں، اور نسلی بیٹوں کی بیویاں۔ بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کا جمع کرنا بھی حرام ہے۔ جب بیوی فوت ہو جائے، تو ان میں سے کسی سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ جو رشتے اس حکم کے نفاذ سے قبل موجود رہے ہوں اور اس حکم سے اب انہیں قطع نہ کیا جا سکتا ہو، انہیں درست مانا جائے گا۔ جن کو قطع کیا جا سکتا ہو حال پر، انہیں حکم کے مطابق بنایا جائے گا۔ جو اللہ کی مان لے اس کو معاف کرنا چاہئے۔ اور جسے معاف کیا جائے، اس پر رحم بھی کرنا چاہئے۔

الجزء الخامس ٥

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اور شوہر دار عورتیں، سوائے ان کے جو تمہاری ملک میں آ جائیں۔ یہ تم پر اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ جو ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ کہ انہیں اپنے اموال سے طلب کرو، انہیں قبضے میں رکھنے کو، نہ کہ مستی نکالنے کو۔ پھر ان میں سے جس کو کام میں لاؤ تو ان کو ان کے مقررہ مہر ادا کرو۔ اور قرار داد کے بعد تم دونوں میں رضا مندی ہو جائے تو تم پر گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

محرماتِ مذکورہ میں شوہر دار عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے ان کے جو دار لحرب سے گرفتار ہو کر جنگی قیدیوں کی طرح آئیں کہ یہ لونڈیاں ہیں۔ لونڈی سے نکاح جائز ہے۔ اس کی شرائط یہ ہیں کہ لونڈیاں امانت ہیں جو حکومت کی طرف سے مومنین کو دی گئی ہیں۔ ان سے خدمت لینے کا حق کھلانے پلانے والے کو ضرور ہوتا ہے، مگر ان سے تمتع کرنے کا حق اسے بالکل نہیں ہوتا۔ لونڈی سے نکاح اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ ایمان لے آئے، اور حاملہ نہ ہو، اور اس کی اجازت سے ہو سکتا ہے جس کے اہل میں اس کا شمار ہوتا ہو۔ محرمات کے بیان کے بعد یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس کے علاوہ جو ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ انہیں مہر دو، ان سے نکاح کرو۔ منشا بقائے نسل ہو، شہوت رانی نہ ہو۔ مہر اپنی حیثیت کے مطابق دو، اور اس کا تعین گواہوں کے سامنے

کرو، اور اسے جلد ادا کر دو۔ بیوی اگر اپنی خوشی سے کچھ چھوڑ دے، یا مرد اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دے دے، تو اس میں میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں۔ اگر بیوی سے معاف کرانے کی نیت رکھی جائے تو یہ گناہ ہے۔ اور اگر بیوی کچھ مزید لینے کی خواہش رکھے تو یہ بھی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالیہ علم و حکمت پر مبنی ہے۔ بندوں کے پاک رہنے کے لئے جو حدود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں، ان حدود کے احترام سے ہی پاک رہنا ممکن ہے۔ ان کے عدم احترام سے علم و حکمت سے دوری بڑھتی ہی جاتی ہے۔

حاصل : محرمات میں شوہر دار عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے لونڈیوں کے۔ منشاء نکاح بقائے نسل ہونا چاہئے، شہوت رانی نہیں۔ مہر کا تعین بھی ضروری ہے، ادائیگی بھی ضروری ہے۔ باہمی رضامندی سے جو صورت پیدا ہو، اس میں گناہ نہیں۔ حکمِ خداوندی پر عملدر آمد ہو، تو علم و حکمت کی روشنی پھیلتی ہے۔ حکمِ خداوندی کے خلاف کیا جائے، تو خواہشات کا اندھیرا آ جاتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ
يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ
مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ
الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ
بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ
بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ
وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ
فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ
مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ
تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۴ ۳

اور تم میں جسے آزاد مومنات سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، تو ان سے نکاح کرے جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں، مومن کنیزیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کا سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ تو ان کے ساتھ ان کے اہل کے اذن سے نکاح کرو۔ اور انہیں ان کے مہر حسب دستور دو۔ حصار میں رہنے والی ہوں، مستی نکالنے والی نہ ہوں۔ اور نہ یاری کرنے والی ہوں۔ پھر جب وہ حصار میں آ جائیں، تو فحاشی کے ارتکاب پر انہیں محصنات کے مقابل نصف سزا دی جائے گی۔ یہ اس کے واسطے ہے جسے تم میں سے تکلیف میں پڑنے کا ڈر ہو۔ اور اگر صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

آزاد مومن عورت کی معاشرتی زندگی میں، معاملات میں، امانت و دیانت کے مشاہدے کی بناء پر کچھ لوگ اس کے تقدس کے گواہ ہوتے ہیں۔ اس کو آزادی سے اپنا مال خرچ کرنے کا حق ہوتا ہے جو اسے والدین کی وراثت سے ملے یا شوہر کی طرف سے دیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ نکاح کی بدولت مومنین کے ایک خاندان کو دوسرے خاندان کے قریب ہونے کا موقع ملتا ہے اور مومنین کے معاشرے میں اموال کے بہاؤ کا رخ بڑی استطاعت والوں سے کم استطاعت والوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس سے مومن معاشرے کو استحکام ملتا ہے، جس کی اہمیت بے بدل ہے۔ اس لئے جسے آزاد مومنہ سے نکاح کی استطاعت ہو، تو اسے کنیز سے نکاح نہیں کرنا چاہئے۔ جسے آزاد عورت کا رشتہ نہ ملے، یا جو اپنی ذات کو کمزور دیکھتے ہوئے صبر کو بھاری سمجھے، اسے اجازت ہے کہ مومن لونڈی سے اس کے اہل کی اجازت سے، جن کو وہ حکومت کی طرف سے سپرد کی گئی ہے، نکاح کرے۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ اس سے بڑا کسی کے ایمان کا جاننے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ لونڈی پر شفقت کے پیچھے کار فرما جذبہ اس سے مخفی نہیں ہوتا۔ لونڈی سے نکاح کے بعد اسے اس کا مہر حسب دستور دیا جائے۔ اس کو آسانی سے رکھا جائے۔ اسے اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہ کہا جائے۔ جب وہ کسی مومن کے نکاح میں آجانے کے بعد کسی آلے سے اپنی جنسی تسکین کرتی ہوئی پائی جائے، تو اسے آزاد غیر شادی شدہ فاحشہ کے مقابل نصف سزا دی جائے گی۔ اگر وہ تائب ہو جائے تو اس کو معاف کیا جائے گا۔ لونڈی کا جس کے ساتھ نکاح ہو جائے، اس کی عصمت کا وہی مالک ہوتا ہے، اور اس کی عصمت اسی کی امانت ہوتی ہے۔ اس سے کام لینے کا حق تو مالک کو ہوتا ہے، مگر تمتع کا نہیں ہوتا۔ ایک جگہ وہ مملوکہ اور دوسری جگہ منکوحہ ہوتی ہے۔ اس لئے اسے سزا بھی نصف دی جاتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جن کی وہ مملوکہ ہے وہ اسے آزاد کر دیں تاکہ اولاد کو مملوک ہونے کے احساس سے نجات ملے۔ لونڈی بحیثیت عورت تو قابلِ کراہت نہیں۔ وہ بھی اسی نفسِ واحدہ سے پیدا ہوئی ہے جس سے دوسرے لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ لونڈی ایک جگہ خدمات سرانجام دینے پر مجبور ہوتی ہے، دوسری جگہ اسے جنسی حقوق کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ دو کام الگ جگہ، اور بڑے بڑے، اس میں کوتاہی کا امکان تو ہوتا ہے، اس لئے معاف کرنے میں اور رحم کرنے میں تساہل مناسب نہیں۔

حاصل : جسے آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، اور وہ صبر بھی نہ کر سکتا ہو، اسے لونڈی سے نکاح کی اجازت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مالک لونڈی کو نکاح کی اجازت کے ساتھ ہی آزاد کر دے۔ لونڈی کو پاک رہنا چاہئے۔ اس سے کوتاہی ہو تو اسے سزا بھی آزاد کے مقابل نصف ہوگی۔ تائب ہو جائے تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر میں ارشاد فرمایا ہے :

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾

[بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں، جو علم والے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ عزت والا بخشنے والا ہے۔]

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے روشن فرمائے اور تم سے قبل والوں کی سنن تمہیں دکھائے، اور تم پر توجہ فرمائے۔ اور

عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۶

اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشادِ عالیہ کا منشا لوگوں کو روشنی اور آسانی عطا کرنا ہے۔ زندگی کے عمل میں جن لوگوں کو پہلے راحت حاصل ہو چکی ہے ان کی طریقت بیان کرنا ہے، اور حال پر شاہد کی زبان سے دعوتِ خیر دلوانا ہے۔ حال ماضی کی تصدیق سے اور ماضی حال کی تصدیق سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا کرم ہے کہ خوف و حزن سے نجات دلانے کا اور راحت عطا کرنے کا یقینی علم رکھنے والا حال پر شاہد ہو اور پہلے شاہدین کا مصدق ہو۔ انسان اپنی پسند سے فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت سے فیض پا سکتا ہے۔

حاصل : منشائے ایزدی نور و ہدایت عطا کرنا ہے، رحمت فرمانا ہے۔ حال صاحبِ حال سے عطا ہوتا ہے اور حال پر عطا ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝۲۷

اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر توجہ فرمائے۔ اور جو لوگ اپنی شہوات کا اتباع کرتے ہیں، چاہتے ہیں کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دور۔

اللہ تعالیٰ کا منشاء ہم پر توجہ فرمانا ہے، رحمت فرمانا ہے، ہم پر رجوع فرمانا ہے اور ہماری زندگی کی راہ کو آسان کرنا ہے۔ جو لوگ اپنی شہوات کے پیچھے لگے رہتے ہیں، ان کا منشا ہمیں راہ سے بہت دور اپنے ساتھ لے جانا ہوتا ہے۔ جن حضرات کی معیت ہمیں خوف و حزن سے نجات کی ضمانت دے اور معاشرتی زندگی کو احسن بنائے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ایک معیار کی روشنی میں معاملہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاملہ کریں، ان حضرات کا قرب باعثِ تنویر ہوتا ہے۔ خواہش کا اتباع کرنے سے گمراہی لازم آتی ہے۔ گمراہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اختلاف کرنے والا کوئی نہ ہو، اور جو بھی اسے دیکھے شہوات کا مزہ چکھنے کی دعوت پائے، چکھتے چکھتے راہ سے دور ہوتا جائے۔ اس طرح گمراہ پر انگشت نمائی کا امکان ہی ختم ہو جائے۔

حاصل : مخلصین کے قرب سے خوفِ خدا بڑھتا ہے۔ گمراہوں کے قریب ہونے کا اور ان کے ساتھ لگ جانے کا حاصل گمراہی ہی ہوا کرتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝۲۸

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف فرمائے، اور انسان ضعیف خلق ہوا ہے۔

انسان کو ضعیف خلق کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت ہے، کہ یہ اپنے ضعف کے عرفان کے بعد قوت والے قادرِ مطلق کے ساتھ لگ جائے اور شاہدینِ ناصحین سے محبت رکھے۔ آسانی عطا ہونے کا صرف اور صرف یہی راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوست کو دوست بنا لیا جائے، تو بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اور منزل نظر آنے لگتی ہے۔ یہی تخفیف ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے دوست کو دوست بنایا جائے تو بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اور منزل نظر آنے لگتی ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنے ضعف کو نظر میں رکھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۲۹

اے ایمان والو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ کوئی تجارت تمہاری باہمی رضا سے ہو، اور نہ اپنے انفس کو قتل کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے۔

وہ تجارت حلال ہے، جس میں دینے والا لینے والے سے کچھ نہ چھپائے، اور لینے والا دینے والے سے کچھ نہ چھپائے۔ اور جہاں کسی سے مال لیتے ہوئے جو کہا جائے وہ بعد میں کیا نہ جائے، اور منشا خواہشات کا اتباع ہو، تو یہ اس کے مال کو بالباطل کھانے والی بات ہو گی۔ تجارت میں منافع کی شرح مقرر کرنی چاہیے۔ اور بازار کا بھاؤ چاہے بڑھ جائے، مومنین سے زائد نہیں لینا چاہیے۔ دوسرے لوگوں کو بازار کے بھاؤ دیا جائے۔ منافع کی شرح مقرر نہ کی جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہو، تو اس کی حقیقت اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کسی طرح اور کسی پیمانے سے ناپا نہیں جاسکتا، کہ اس نے حکم نازل فرمایا ہے اور اس کے شاہدین نے اس کے حکم کی کماحقہٗ تعمیل کر کے دکھائی ہے۔

حاصل : تجارت میں گاہک سے مال کے بارے میں جسے بیچا جا رہا ہو کچھ بھی چھپانا حرام ہے۔ اور گاہک بھی بیچنے والے کو کسی طرح کا دھوکہ نہ دے۔ سودا باہمی رضا سے ہو اور رضائے الٰہی کے تابع رہے، ورنہ ہلاکت ضرور مسلط ہو جائے گی۔ تجارت کا علم بھی مخلصین سے ہی سیکھنا چاہیے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۳۰

اور جو عدوان و ظلم سے ایسا کرے گا، ہم جلد ہی اسے آگ میں ڈالیں گے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

حق کو مان لینے کے بعد جو شہوات کا اتباع کرتے والوں کا ساتھ رکھے گا، وہ عدوان اور زیادتی کا مرتکب ہو گا۔ یہ ظلم کا ابتدائیہ ہو گا۔ جب لوگوں کا مال ناحق کھائے گا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے گا، تو یہ صریحاً ظلم ہو گا۔ ظلم کا نتیجہ انسان کو آگ کی صورت سے گھیر لیتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے، کہ اسے کسی کو اس کے کیے کا نتیجہ دیتے ہوئے کسی سے پوچھنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

حاصل : عدوان ظالم سے ہوتی ہے، اور ظلم حدود اللہ سے تجاوز ہے۔ اس کا نتیجہ آگ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی سے پوچھنے کی حاجت نہیں ہوتی، اس لئے کسی کو اس کے کئے کی جزا دینا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اگر تم کبائر سے اجتناب کرو، جن سے تمہیں منع فرمایا گیا ہے، ہم تمہارے گناہوں کی نفی کر دیں گے، اور ہم تمہیں کرم والی جگہ داخل کریں گے۔

جس بات سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اس کے بارے میں شاہدین سے سن لینے کے بعد اور اپنی حفاظت کے تقاضوں کے جان لینے کے بعد اگر اس کا ارتکاب کیا جائے، تو وہ کبائر میں داخل ہے۔ بڑا گناہ ہے ہی یہ، کہ حکم بھی معلوم ہو، اور شاہد سے حفاظت کے اصول و ضوابط بھی سنے ہوں، اس کے باوجود شاہد سے محبت کے مقابل شہوات کا اتباع کرنے والوں سے محبت کی جائے۔ شاہد ہی ناصح بھی ہوتا ہے۔ اس کی محبت کی حقیقت ہی اپنی حفاظت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ محبت ہو تو کمی بیشی کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ حال پر جس کے پاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کا محبوب شاہد ہو، اس کے ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ وہ اس قدر پاک ہو جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے اپنی مرضی کو پست رکھتا ہے۔ اس پر اتنا کرم ہونے لگتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اسے مقام کرم میں داخل کر کے اس کی تکریم کرتا ہے۔

حاصل : جس بات سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اور اس کے شاہدین نے حفاظت کے اصول و ضوابط واضح فرمائے ہیں، اس کا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ شاہد سے محبت ہو، تو گناہ سے اجتناب کا شرف ہوتا ہے۔ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب ہو، تو باقی گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور بہترین مقام عطا ہوتا ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اور اس کی تمنا نہ کرو، جس سے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ مردوں کے لئے ان کے اکتساب سے حصہ ہے، اور عورتوں کے لئے ان کے اکتساب سے حصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو توفیق عطا فرمائی ہے ان کے ذمے کام بھی اسی نسبت سے لگائے گئے ہیں۔ عورتوں کو جو توفیق دی گئی ہے، ان کے فرائض بھی اسی نسبت سے ہیں۔ اگر کسی کو توفیق بڑی ملی ہے، تو اس کی ذمہ داری بھی بڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو علم سے خلق فرمایا ہے۔ جس کو جہاں پیدا کیا ہے، وہ مرد ہے یا عورت ہے، جو فرائض اس کے ذمے ہیں یقیناً حسن و خوبی سے پورے کر سکتا ہے۔ مردوں کو ان کے کیے کی جزا دی جائے گی، عورتوں کو ان کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ ہر ایک اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگنا چاہیے۔ فضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسانی عطا فرمائے اور اس کی عطا اس کی رضا کے مطابق استعمال ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ ہر شے کے استعمال کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کی رضا سے تعلق رکھتی ہے، باقی صورتیں خواہشِ نفس سے متعلق ہوتی ہیں۔ مرد اگر اپنے دائرہ کار میں مصروف رہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معیارِ مطلق مانیں تو ان کی زندگی یقیناً حسنِ سیرت کے بے حساب مناظر کی مظہر ہوگی۔ عورتیں اگر بی بی فاطمہ الزہرا کو معیارِ مطلق مانیں تو ان کی زندگی میں خوف و حزن کا داخلہ ممنوع ہو جائے گا۔ انہیں وسعتِ قلب و نظر عطا ہوگی۔ اور بیٹی، بیوی، ماں اور ساس چاروں مقامات پر وہ سکھ کی قاسم ہو جائیں گی۔ اس طرح جو معاشرہ قائم ہو گا، اس کا تقدس اس کا حسن اور اس کی شان اتنی عظیم ہو گی کہ اس نورِ ہدایت سے زمین کی ہر بلندی اور پستی منور ہو جائے گی۔

حاصل : علیمِ مطلق نے جس کا جو مقام رکھا ہے، علم سے رکھا ہے۔ مرد کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ عورت کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اللہ سے آسانی مانگنی چاہیے، اور اس کی عطا کو اس کی رضا پر لگانا چاہیے۔ ہر شے کے استعمال میں رضائے الٰہی ملحوظ رہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾ ع ٥ ٨ ٢

اور ہم نے ہر کسی کے لئے اس کے والدین اور اقربا سے موالی ٹھہرا دیئے ہیں۔ اور جن سے تمہارا حلف بندھ چکا، انہیں ان کا حصہ دے دو۔ بے شک ہر شے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔

والدین اور اقربا کے ترکے کے حصہ داروں کو مع ان کے حصص کے واضح فرما دیا گیا ہے۔ ورثا کی صف میں مزید کسی کو شامل کرنا خلافِ حق ہے۔ اگر کسی کی مدد مقصود ہو، اور اس سے وعدہ کیا جا چکا ہو، تو اسے دے دینا چاہیے یا اس کے لئے وصیت کر دینی چاہیے۔ حسنِ نیت سے اگر عطائے الٰہی کو تقسیم کیا جائے، اور ورثاء پر بھی اس تقسیم کو واضح کر دیا جائے، تو سب کو آسانی حاصل ہوتی ہے۔

حاصل : ورثاء کی صف میں مزید کسی کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ وارث وہی ہیں جن کا تعیّن اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے۔ جس سے کچھ دینے کا عہد کیا ہو، اسے دے دینا چاہیے۔ اگر وہ حال پر نہ ہو، تو اس کے لئے وصیت کر دینی چاہیے۔ تقسیم رضائے الٰہی کے تحت رہنی چاہیے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے :

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵۳

[فرما دیجئے: اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔]

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴

مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ اور اس لئے کہ انہوں نے اپنے اموال سے انفاق کیا۔ تو صالح عورتیں، مئودب عورتیں، غیب میں اپنی حفاظت کرنے والی عورتیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت لازم ہے۔ اور جن عورتوں کی سرکشی کا تمہیں خوف ہو، تو انہیں وعظ کرو، اور سونے میں انہیں دور رکھو، اور انہیں مارو۔ پھر اگر تمہاری اطاعت کریں، تو ان پر راہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بڑا بلند ہے۔

مرد عورت پر قوام ہے، کہ عورت کا منشاء حیات مرد کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ مرد کو لازم ہے کہ وہ عورت کے نفقے کا اہتمام کرے، جس سے اس کی جسمانی و روحانی صحت مستحکم ہو۔ عورت کی شان یہ ہے کہ وہ صالح ہو، مئودب ہو، اور شوہر کے پیچھے اپنی حفاظت کرنے والی ہو۔ عورتوں کا صالح ہونا یہ ہے کہ وہ خواہشات کے اتباع سے پاک رہتی ہیں، اور خوف خدا رکھتی ہیں۔ ان کو شوہر کا ادب اس قدر ہوتا ہے کہ وہ گھر کے اندر شوہر کی ذاتی خدمت کو اپنے لئے باعث برکت جانتی ہیں۔ ان کے گھر کے اندر ان کے شوہر سے کوئی خدمت لینے کی کوشش کرے تو اس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے، اور وہ فوراً شوہر کی ذمے داری کو اپنی ذمہ داری بنالیتی ہیں۔ شوہر کو ستاتی کم ہیں، اس کی سننے میں انہیں راحت ملتی ہے۔ اور کبھی اس سے کسی کمی کی شکایت نہیں کرتیں۔ حفاظت کا حق اس طرح ادا کرتی ہیں کہ وہ اپنی ذات کو شمع محفل نہیں بننے دیتیں۔ اور شوہر کی امانت میں اس کے امر کے مطابق تصرف کرتی ہیں۔ جن عورتوں کا چلن شہوات کے اتباع کے رخ کا پتہ دے، انہیں پاک بیبیوں کا حال سنانا چاہئے، ان کے ساتھ ان کا تعلق واضح کرنا چاہئے اور عصمت کی حفاظت کے اصول و ضوابط کی تعلیم دینی چاہئے۔ اگر اس سے ان کی اصلاح ہو جائے تو بہتر ورنہ انہیں الگ جگہ سونے کو کہا جائے۔ گھر سے نکالا بالکل نہ جائے۔ جن ایام میں عورت حیض سے فارغ ہو چکی

ہو، ان ایام میں عورت کو دور رکھنا بڑی سزا ہے۔ یہ اصلاح کی بڑی کوشش ہے۔ اس سے منشا پورا ہو جائے تو سبحان اللہ، ورنہ مارنے کی نوبت آ جائے گی۔ مارنے میں مقصود انھیں اطاعت شعار بنانا ہو گا۔ اگر سخت مارا پیٹا جائے گا تو اطاعت کی اہلیت ہی نہ رہے گی۔ جب عورت اطاعت کرنے لگے تو شوہر کے احکام کی تعمیل میں اس کی پسند ساکن ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دو راہوں سے بھی بچ جاتی ہے، اور دو راؤں سے بھی بچ جاتی ہے۔ اس مقام پر اس کے ساتھ سختی کرنے کی راہ تلاش کرنا ناجائز ہے۔ اس مقام پر اس کی قدر و منزلت سے اسے تقویت دینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کو اصلاح کے یہی مدارج پسند ہیں۔ بندے کی شان بھی اسی میں ہے کہ جس درجے کا مرض ہو، اسی درجے کا علاج کرے۔

حاصل : عورت کو مرد کا سہارا لینا لازم ہے۔ مرد پر عورت کے نفقے کا حق لکھا گیا ہے۔ عورت کی شان یہ ہے کہ صالح، مؤدب اور حیادار ہو۔ جو عورت سرکشی کی طرف بڑھتی نظر آئے اس کو وعظ، ہجر اور مارنے کے مدارج سے گزارنا چاہئے۔ مرد کے قوام ہونے کا حق اسی طرح ادا ہوتا ہے، کہ جس جگہ سے عورت کا قدم پھسلتا ہوا معلوم ہو، اس کو سہارا دے کر وہاں سے گزار دے۔ یہ بلندی کی بات ہے اور بڑی بات ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾

اور تمہیں ان کے مابین علیحدگی کا خوف ہو، تو ایک حکم مرد کے اہل سے اور ایک حکم عورت کے اہل سے کھڑا کرو۔ اگر یہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت کر دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا خبر والا ہے۔

خیر کی طرف بلانے والے، بھلائی کا امر کرنے والے اور برائی سے منع کرنے والے جب یہ دیکھیں کہ میاں بیوی کے تعلقات کی کشیدگی علیحدگی کی طرف بڑھ رہی ہے، تو ان کا یہ حق ہے کہ ایک حکم مرد کے اہل سے اور ایک حکم عورت کے اہل سے مقرر کر دیں۔ مخلصین کے چناؤ سے بہتر چناؤ کس کا ہو سکتا ہے۔ ان دونوں حضرات کو علیحدگی کے خوف کے پیش نظر ابتدا میں ہی اپنا حق ادا کرنا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے حصول کو سب سے بڑا حق جانتے ہیں۔ اس لئے مرد کی طرف سے مقرر کردہ حکم مرد کو نرم کرنے کی سعی کرتا ہے اور عورت کی طرف سے مقرر کردہ حکم عورت کو نرم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اصلاح کی صورت ہوتی ہے۔ اصلاح کی ایسی کوشش اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فریقین میں توافق پیدا کر دیتا ہے۔ اس منشا کے لئے کوشش کرنے والے کے باطن و ظاہر کو علم والا اور خبر والا قادر مطلق خوب جانتا ہے۔

حاصل : میاں بیوی کے تعلقات کی کشیدگی بڑھتی نظر آئے، تو مخلصین کو ان کے مابین اس طرح اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، کہ میاں کی طرف کا حکم میاں کو اور بیوی کی طرف کا حکم بیوی کو

رضائے الٰہی کے سامنے جھکائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے مابین موافقت پیدا کر دے گا۔
استقامت سے اصلاح کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کو علیم و خبیر ماننے کا ثبوت ہو گا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿٣٦﴾

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور قربیٰ اور یتاما اور مساکین اور قربیٰ ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس والے، اور مسافر کے ساتھ، اور اپنے ہاتھ کی ملک سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

عبادتِ الٰہی امرِ الٰہی کی تسلیم اور صاحبِ امر کی تعظیم ہے۔ معیارِ ہدایت ایک ہی ہو، اور اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مانا جائے، تو شرک سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔ والدین کی ذاتی خدمت رضائے الٰہی کے تحت ہو، تو یہ ان کے ساتھ احسان ہے۔ ان کی خوراک اور لباس میں اس قدر اہتمام ہو، کہ ان کی قدر و منزلت کا احساس گھر کے اندر بھی بڑھے اور باہر بھی بڑھے۔ قربیٰ، یتاما، مساکین، قرب مکانی رکھنے والے، دور کے ہمسائے، پاس رہنے والے، مسافر اور مملوک، ان سب کے ساتھ ایسا سلوک ہو کہ انہیں محسوس ہو کہ مدد کرنے والے نے ان کے کام کو اپنا کام سمجھ کر کیا ہے۔ اور اس سے ان کی عزت افزائی ہوئی ہے۔ اگر قاسمِ نعمت کے جسم کی کسی حرکت سے مستحقین کی تحقیر کا احساس ہوتا ہو تو یہ اس کے اترانے کا ثبوت ہو گا، اور اگر اترانے کو زبان مل جائے گی تو یہ فخر ہو گا۔ یہ دونوں باتیں ناشکری کی علامت ہیں، اور ناشکری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

حاصل: مستحقین کا تعین اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ ان کی خدمت کے موقع کو فضلِ الٰہی جانتے ہوئے ان کی تکریم کرنی چاہئے۔ ناشکرے ہی اتراتے ہیں، اور ناشکرے ہی فخر کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ ﴿٣٧﴾

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کا امر کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جو لوگ اسباب پر ہی نظر رکھتے ہیں، انہیں اموال ہی کار ساز نظر آتے ہیں۔ یہ معطیٔ مطلق کا نام بھی لیتے ہوں تو انہیں اس کا یقین نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ علم سے پالنے والا ہے۔ یہ لوگ اموال کو ہی مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں، اس لئے بخل کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی بخل کا امر کرتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ مال نہ ہو تو دنیا میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ حال پر کم نہیں ہو سکتا۔ پورے کی طرف سے جو بھی عطا ہو وہ حال پر پورا ہوتا ہے۔ مستقبل کے بوجھ کو فرض کر لینا، اور عطائے خداوندی سے لاعلم ہونا خوف و حزن کا باعث ہی ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کی برسات کرتا رہتا ہے۔ بخیل کو کمی کے خوف سے نجات نہیں ہوتی۔ بخیل یہ بھی جانتا ہے کہ لوگ اس کے اموال کو دیکھیں گے تو اس سے توقعات بھی رکھیں گے، اس لئے وہ عطائے خداوندی کو چھپانے میں ہی بھلائی دیکھتا ہے۔ عطائے خداوندی کو اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ ناشکری ہوتی ہے، اور ناشکرے سے نعمت کی برکت بھاگ جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں چھلکا ہی رہ جاتا ہے، جو سوائے آگ میں جلانے کے کسی جگہ کام نہیں آتا۔ یہی اس کے لئے عذاب کی تیاری کی صورت ہے۔

حاصل : عطائے خداوندی کو پورا نہ جانتے ہوئے اسے رضائے خداوندی پر لگانے سے رک جانا بخل ہے۔ بخیل دوسروں کو بھی بخل کا امر کرتا ہے۔ عطائے خداوندی کو چھپانا ناشکری ہے، اور اس کا حاصل ذلت کا عذاب ہو گا۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

اور وہ جو اپنے اموال لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتے ہیں، اور اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اور نہ یوم آخر پر، اور جس کا ساتھی شیطان ہوا، تو کتنا برا ساتھی ہے۔

بخیل کو اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب نہیں ہوتی۔ لوگوں کی واہ واہ اسے پسند ہوتی ہے، اس لئے وہ ایسے لمحات کو تاڑتا رہتا ہے جب ناظرین کی کثرت ہو اور زیادہ خرچ کرنے کا موقع بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو اس یقین سے خرچ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی پہلے بھی ملا ہے، آئندہ بھی ملے گا۔ بہترین مصرف یہی ہے کہ معطیٔ مطلق کی رضا پر خرچ ہو جائے۔ یوم آخر پر ایمان ہو، تو کسی سے اجر کا سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ شیطان کا کام یہ ہے کہ حال پر جو میسر ہو، اسے ضروریات کے مقابل حقیر ثابت کرے۔ مستقبل کے اندیشوں کا بار گراں اٹھوا دینے کے بعد ماضی کے تجربات سے روشنی حاصل کرنے سے بھی روک دے۔ اس سے برا ساتھی کوئی ہو نہیں سکتا۔

حاصل : ریاکار اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں مانتا اور اجر کا سوال بھی ضرور رکھتا ہے۔ شیطان ہمیشہ حاضر توفیق کو ضروریاتِ زندگی کے مقابل حقیر ہی ثابت کرتا ہے۔ اس سے برا ساتھی کوئی نہیں ہو سکتا، کہ حق کو قبول کرنے سے روکتا ہے، اور مشقت کی طرف بھی دھکیلتا رہتا ہے۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور انہیں کیا تھا، اگر اللہ تعالیٰ اور یوم آخر

الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

پر ایمان لاتے، اور خرچ کرتے جو رزق انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا علم رکھنے والا ہے۔

توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، اور جو حق حال میں کسی پر عائد ہو اس سے بڑھ کر عطا فرماتا ہے۔ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اس کے حسب ارشاد خرچ کیا جائے، تو عطا کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اور کسی سے اجر کے سوال کی نوبت بھی نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے علم والا ہے، اس لئے اس کی رضا پر خرچ کرنے والے کو کمی کے خوف سے نجات ہو جاتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی عطائے بے بہا کے تجربات سے گزرنے کے باوجود، اور نتائج کے باذن اللہ ہونے کے کثیر مشاہدات کے باوجود، نظر اسباب پر ہی لگی رہے تو یہ بڑی بے جا بات ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا، اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کر دیتا ہے۔ اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر وہ بوجھ ڈالتا ہی نہیں، جس کی اسے توفیق نہ دی گئی ہو۔ چاہے وہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے فرائض کی ادائیگی میں ثابت قدمی لازم ہے۔ اگر کوئی ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق کو خرچ کرتا رہے، تو اس کی توفیق بڑھتی رہتی ہے۔ جس کے ساتھ مہربانی کا عمل ہو اسے ہی مہربانی کرنے کا سبق ملتا ہے، اور جب اسے آسانی میسّر آئے تو وہی مہربانی کیا کرتا ہے۔ جس کا کام رضائے الٰہی کے تحت ہو وہ اجرِ عظیم کا حق دار ہوتا ہے۔

حاصل : کسی کی توفیق سے زائد ذرہ بھر بوجھ بھی اس پر ڈالنا بے جا ہے۔ نیک لوگوں پر اعتماد کرنا حق ہے۔ اس سے ان کی توفیق بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا اجر دینے والا کوئی نہیں۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ﴿۴۱﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پھر کیسی ہو گی، جب ہم ہر امت سے ایک شہادت دینے والا لائیں گے، اور آپ کو ان سب پر شہادت دینے والا ٹھہرائیں گے۔

ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک معیارِ اخلاق رکھا ہے۔ اسی معیار کی نسبت سے اس امت کو دیکھا جائے گا۔ کسی امت کی طرف بھیجے ہوئے شاہد سے جب پوچھا جائے گا، آپ نے حق کی تبلیغ کی تھی اور بشارت و انذار کا حق ادا کیا تھا، تو وہ اس کی شہادت

دیں گے۔ جن لوگوں کو ان سے محبت ہو گی، ان کے اعمال خالص ثابت ہو جائیں گے۔ دوسروں کے ناخالص ثابت ہو جائیں گے۔ انبیاء سابقین کی شہادتوں کے بعد کلی شہادت حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو گی کہ کلی علم کے مالک ہونے کا شرف آپ ہی کو حاصل ہے۔ حضور نے ماننے والوں کو باعلم اور نہ ماننے والوں کو بے علم مانا ہے، اور بے علمی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ معافی ہے۔ اس لئے سب سے بڑی شہادت آپ ہی کی ہو گی۔ اس اقدس شہادت سے انبیاء سابقین اور ان کے ماننے والوں کے بارے میں بیان ہو گا۔ یا اللہ ان سب حضرات نے تیری رضا کے حصول کے لئے پوری پوری سعی کی ہے۔ کوتاہیوں کی معافی تیرے فضل سے ہی ہو سکتی ہے، اور تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بزرگانِ دین اور ان کے تابعین کو اپنا ماننے والا ثابت کریں گے۔ اس دن سب بزرگانِ دین کے وجود کے واحد ہونے کا انکار محال ہو گا، اور اختلاف کی جڑ کٹ جائے گی۔

حاصل : معیار اخلاق جو بھی تھا اور جو بھی ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس لئے اخلاق کی تصدیق میں سب سے بڑی شہادت آپ کی ہو گی۔ حضور سے قبل اور بعد سب فلاح پانے والے آپ کی تصدیق کے طالب ہوں گے۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝۴۲ ع

اس دن وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی تھی، آرزو کریں گے کہ زمین کے برابر ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

اخلاق کے معیارِ مطلق کی شان کو دیکھ کر منکرین یہ آرزو کریں گے کہ وہ مٹ جائیں، اور اس ذاتِ اقدس کو دیکھنے کا موقع ہی نہ پائیں جو ان کی فلاح کے لئے مسلسل کوشاں رہی اور جس کا انہوں نے ہمیشہ انکار کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی جزو کا انکار بھی حضور کا ہی انکار ہے۔ منکر اپنی کیفیت کو علیم مطلق سے چھپا نہیں سکتے۔ کافر آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ جب وہ ناقابلِ تردید صورت میں ان کے سامنے ہو گی اور شاہدین کی عظمت روشن ہو گی، تو منکرین پر وہ دن بڑا بھاری ہو گا۔

حاصل : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی جزو کا انکار بھی حضور کا ہی انکار ہے۔ منکرین خسارے تک پہنچ کر ہی خواہ کی شان کو دیکھتے ہیں۔ پھر اس صاحبِ عزت کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی نیت کا چھپنا محال ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے:

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۱۱

[جس دن ہر نفس اپنی ہی طرف جھگڑتا آئے گا، اور ہر نفس کو اس کا کیا پورا بھر دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾

اے ایمان والو : نشے میں نماز کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ تمہیں علم ہو جو کہہ رہے ہو، اور نہ جنابت میں، سوائے مسافری کے، حتیٰ کہ غسل کر لو۔ اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو مس کیا ہو پھر پانی نہ پایا ہو، تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو، تو اپنے مونہوں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ عفو کرنے والا مغفرت فرمانے والا ہے۔

نماز اظہارِ عبودیت کی ایک طریقت ہے۔ جب تک نشے کی حالت ہو اظہارِ عبودیت میں بے ربط ہونے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ اس لئے نشہ اگر طبیب کے امر سے بھی ہو اور علاج کا ایک حصہ بھی ہو تب بھی اس حالت میں نماز کے قریب جانا منع ہے۔ جب یہ معلوم ہونے لگے کہ وضو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جان کر کیا ہے، نماز کی نیّت انہی کی تعلیم کے مطابق کی ہے، کلمات انہیں کی طریقت سے پڑھے جا رہے ہیں، قیام، رکوع، قعود انہی کے اتباع کا ثبوت ہیں، اور اس کے ساتھ یہ احساس بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری شاہد کی معیّت سے ہی ثابت ہوتی ہے، دعا یہ ہو رہی ہو، یا اللہ تیرے دربار میں تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور شاہدین کے ارشاد کے مطابق حاضر ہونے کی سعی کر رہا ہوں، تو علیم مطلق ہے، میری کم علمی کو تجھ سے بڑا جاننے والا اور کوئی نہیں، تو اگر مجھے بھی اپنے پیاروں کے ساتھ لکھ لے، تو یہ تیری بڑی مہربانی ہو گی، میں کسی استحقاق کا دعویٰ نہیں کرتا، تو یہ حالت نماز کے قریب جانے کی ہو گی۔ عورت سے صحبت کے بعد طہارتِ جسمی کے لئے نہانا لازم ہے۔ مسافری میں جہاں نہانا ممکن نہ ہو، تیمم کی اجازت ہے۔ مریض کو اور مسافر کو بھی تیمم کی اجازت ہے۔ قضائے حاجت کے بعد طہارت کا حکم ہے۔ پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ عورتوں کو جب بھی مس کیا جاتا ہے، منشا بقاء نسل ہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد نہانے کا حکم ہے۔ پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ تیمم ہر پاک مٹی سے ممکن ہے اور کوئی مقام نہیں جہاں یہ محال ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی انتہا ہے کہ اس نے پاک رہنے کا کلی علم بندوں کو عطا فرمایا ہے۔ پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں، سوائے اس کے کہ طبیب اس کا امر کر دے۔ تیمم میں پہلے مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے پر پھیرنا اور پھر ہاتھ مار کر ہاتھوں پر پھیرنا فرض ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ دربارِ الٰہی میں حاضری کی توفیق ہو اور نشے کی حالت نہ ہو، تو نفس کو پانی کے انتظار میں رکنے کی اجازت دینا منع ہے۔ تیمم سے ہی حق کو ادا کر دینا چاہئے۔

حاصل : نماز اظہارِ عبودیت کی مقرر صورت ہے۔ نشے کی حالت میں بے ربط ہونے کا امکان

ہوتا ہے۔ اس لئے اس حال میں نماز کے قریب جانا منع ہے۔ وضو ممکن نہ ہو، تو تیمم کی اجازت ہے۔ لوگوں کے ساتھ معافی اور بخشش کا رخ رکھنا حق ہے۔ جنبی کو غسل لازم ہے۔ مسافر ہو اور پانی نہ پائے تو تیمم جائز ہے۔ مریض کو تیمم جائز ہے۔ مسافر کو بھی پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ قضاء حاجت کے بعد بھی پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ عورتوں کو چھونے کے بعد بھی غسل لازم ہوتا ہے۔ پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔ تیمم میں چہروں اور ہاتھوں کا پاک مٹی سے مسح کرنا فرض ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا، جنہیں کتاب سے ایک حصہ ملا ہے، گمراہی خریدتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔

جن لوگوں کو آنے والے حال کے متعلق آگاہ کیا گیا ہو اور انہیں انعام یافتہ ہونے کی طریقت سکھائی گئی ہو وہ اگر اپنی خواہشات کے اتباع میں اس عطا کی ناشکری کرنے لگیں، تو یہ گمراہی خریدنے والی صورت ہوگی۔ ایسا گمراہ اپنی خواہشات کے ساتھ اس قدر چمٹ جاتا ہے کہ اس کا اور کوئی مقصد حیات نہیں رہتا۔ گمراہ ہمیشہ راہ والوں سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان لوگوں کے غلبے کے ساتھ ہی خواہشات کی پیروی کی گنجائش گھٹنے لگے گی۔ یہ راہ والے اگر بھٹک جائیں تو پھر ہمارا عیب، عیب معلوم ہی نہ ہوگا۔

حاصل : آنے والے حال کے متعلق آگاہی کا شکریہ ادا کرنا حق ہے۔ شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اس حال کو دیکھ کر اپنا حق رضائے الٰہی کے لئے ادا کیا جائے۔ گمراہ، راہ والوں سے ڈرتے ہیں، اس لئے راہ والوں کے بھٹکنے میں انہیں خوشی ہوتی ہے۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعداء کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے ولی، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے نصرت دینے والا۔

ایمان والوں کے ساتھ خلوت میں دشمنی کرنے والے اور جلوت میں دشمنی کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتے ہیں۔ انہیں جو میسر ہوتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ ان کی استطاعت اور ان کی اہلیت کا اللہ تعالیٰ سے بڑا جاننے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان کی دشمنی کے مقابل اللہ تعالیٰ کی دوستی پوری پوری کفایت کرتی ہے۔ دشمنوں کی استطاعت محدود اور دوست کی قدرت ہر شے پر محیط، دشمنوں کا علم محدود اور دوست کا علم ہر شے پر وسیع، اللہ تعالیٰ سے بڑا دوست اور بڑا مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اعداء کی عداوت اللہ تعالیٰ کی ولایت و نصرت کے مقابل کیا معنی رکھتی ہے۔

حاصل : اعداء کی عداوت، اللہ تعالیٰ کی ولایت و نصرت کے مقابل کوئی وزن نہیں رکھتی۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

کچھ یہودی کلام کے مواضع میں تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا، اور سنیئے آپ سنائے نہ جائیں۔ اور اپنی زبانوں کو پھیر کر راعنا کہتے ہیں، اور دین میں طعنے کے لئے۔ اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور سنیئے اور ہم پر نظر فرمایئے، تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور بہت درست ہوتا۔ ولیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی تو وہ ایمان نہیں لاتے مگر قلیل۔

کلامِ حق میں اپنی پسند کے معنی پیدا کرنے کے لئے حروف یا ان کی قرأت بدلنا تحریف ہے۔ یہود خبثِ باطن کے اظہار کے لئے ایسی ترکیبیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جہاں فضیلت کی بنیاد صرف زبان دانی اور قرات ہو جائے، وہاں سیدھے لوگوں کی عظمت کے مشاہدے کے باوجود کلام کے مواضع میں تحریف اور ان کے ساتھ استہزا کا مقام ضرور آتا ہے۔ یہ لوگ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ ان میں شاہد کی فضیلت و عظمت کے اعتراف کے معنی بھی ہوتے ہیں، اور اس کے بالکل خلاف معنی بھی ہوتے ہیں۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی بات اللہ کی بات ہو، اور خوف و حزن سے نجات کی ضمانت دے، اور وہ اجر کا سوال بھی نہ کرے، اس کی بات کو باعثِ فلاحِ دارین مانتے ہوئے یہ کہا جائے، ہم نے سنا اور مانا، اور اگر مزید سننے کے لئے درخواست کرنا ہو تو کہا جائے "انظرنا"۔ سننے والا سنانے والے سے ساتھ رکھنے کی درخواست کرے، تو اس سے اسے بھی فائدہ ہوتا ہے اور دوسرے سننے والے لوگوں کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن دین میں طعن کرنے کی نیت رکھنے والے سیدھے پن کو بے وقوفی سمجھتے ہیں، اور الفاظ میں اپنی پسند کے معنی پیدا کرنے کو قابلیت سمجھتے ہیں۔ اس لئے قرأت بدل کر یا حروف بدل کر اپنی خباثت کو ظاہر کر کے اپنے ساتھیوں سے داد پاتے ہیں۔ اس سے انہیں دوہرا نقصان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی خلاف ورزی کی بدولت ہونے والے نقصان کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھی بھی اپنے آپ کو ان کے شر سے محفوظ نہیں سمجھتے۔ اس طرح یہ بے ادب لوگ مسلسل کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ شاہد کی بات کو سنتے اور مانتے، تو ان کے علم سے روشنی بڑھتی۔ انہیں بھی راحت حاصل ہوتی، لوگ بھی ان کی قدر و منزلت میں خوف سے پاک رہتے۔ لیکن حق کو جان کر اس میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش، حق کے انکار سے بڑا گناہ ہے۔ اسی وجہ سے ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ ایمان وہی لاتے ہیں جو رضائے الٰہی کے مقابل رخ اختیار کرنے میں خسران دیکھتے ہیں۔

حاصل : کلامِ حق میں اپنی پسند کے معنی پیدا کرنے کے لئے دین میں طعن کرنے والے، حروف یا

ان کی قرأت کو بدل کر تحریف کرتے ہیں۔ شاہدین کے کلام کو سننا اور اطاعت کرنا بہتر ہے۔ مزید سننے کی درخواست "واسمع وانظرنا" کی صورت میں پیش کرنی چاہئے۔ جو لوگ اپنی پسند کو حق کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں وہ لعنتی ہیں، اور انہیں ایمان کی توفیق نہیں ہوتی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا
نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ
اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى
اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ
السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾

اے لوگو جنہیں کتاب عطا ہوئی، ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمایا، اس کا مصدق جو تمہارے پاس ہے۔ قبل اس کے کہ ہم ہٹا دیں کچھ صورتوں کو پھر انہیں پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ہم ان پر لعنت کریں، جیسے ہم نے اصحاب سبت پر لعنت کی، اور اللہ تعالیٰ کا امر ہو کر رہتا ہے۔

اہلِ کتاب کے پاس فرمانِ خداوندی جو انہیں ماضی میں عطا ہوا تھا، موجود ہے۔ قرآن پاک اس کا مصدق ہے اور اس کا حال قیامت تک جاری رہے گا۔ اس پر ایمان لایا جائے تو اس کے ماضی کو ماننے کا ثبوت ملے گا، اور اس کے انکار کی صورت میں عذاب یا لعنت یقینی ہوگی۔ حق کے انکار میں مسلسل بڑھتے رہنے والے کی صورت بگڑ جاتی ہے۔ وہ بار ہا کی آگاہی کو نظر انداز کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اس کے چہرے کو پیٹھ کی طرف پھیر کر اسے تہہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کا شمار خاسرین میں ہو جاتا ہے۔ جو لوگ فرمانِ خداوندی کے قول کو بدلتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے، ان کے فسق کے سبب، جیسے اصحابِ سبت پر ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ ماننے والوں کے لئے اس میں بشارت ہے، نہ ماننے کی صورت میں انذار ہے۔ دونوں باتیں یقیناً ہو کر رہتی ہیں۔ جو مخلصین کی راہ اختیار کرتا ہے، وہ مفلحین میں شمار ہو کر رہتا ہے۔ جو خواہشات کے اتباع کو ہی مقصد حیات بنا لے۔ وہ گمراہ ہو کر رہتا ہے۔

حاصل : حال کا انکار یقیناً ماضی کا بھی انکار ہوتا ہے چاہے ماضی کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ حق کے انکار میں بڑھتے رہنے والے کو تہہ کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ حق کے قول کو بدلنے والے پر لعنت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا امر ہو کر رہتا ہے، کہ وہ مالکِ کل ہے۔ اور کوئی بھی توفیق اس کے امر کو روک نہیں سکتی، کہ امرِ الٰہی کے مقابل اس کی وقعت ہی کیا ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ
مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾

بے شک اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ جو چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو بے شک

اس نے گناہ کا بڑا طوفان باندھا۔

شرک ظلم عظیم ہے، اور اس کی حقیقت شاہد کے حوالے کے مقابل اللہ تعالیٰ کو اپنی پسند کے مطابق ماننا ہے۔ اس میں افتریٰ، گناہ، اور طوفان سب موجود ہوتے ہیں۔ یہ علم الٰہی کو اپنے گمان کے مطابق بنانے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس سے لوگ مشقت میں مبتلا ہونے لگتے ہیں، اس لئے یہ قابلِ بخشش نہیں۔ شاہد کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مانا جائے، پھر اس میں کمی بیشی بھی ہو جائے تو اللہ کے محبوب کا رخ رکھنے کی بدولت معاف ہو جاتی ہے۔

حاصل: شاہد کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو ماننا حق ہے۔ اس کے مقابل اپنی پسند کو معیار بنانا شرک ہے۔ اس میں افتریٰ اور گناہ کا طوفان ہوتا ہے۔ مشرک اپنے گمان کو علم کہہ کر لوگوں کو مشقت میں مبتلا کرتا رہتا ہے اس لئے اس کی معافی نہیں ہوتی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۴۹

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاک کرتا ہے۔ اور ان پر دھاگے برابر ظلم نہ ہو گا۔

پاکی دعویٰ ہے، اور تزکیہ عطا کرنے والے کی شہادت اس دعوے کو سچا ثابت کرتی ہے۔ جو تزکئے کے قاسم سے محبت رکھتا ہو، وہ اس کا اتباع کرتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کا اتباع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے اور اسے پاک کر دیتا ہے۔ اس کا عنوان اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھا جاتا ہے۔ اس پر عملدر آمد اللہ تعالیٰ کے محبوب کے ہاں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کئے کی ہی جزا دیتا ہے، اس لئے اس کی طرف سے کسی پر دھاگے برابر ظلم کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

حاصل: جس پاکی کے ساتھ تزکیہ عطا کرنے والے کی شہادت نہ ہو، وہ قابلِ تسلیم نہیں ہوتی۔ جو اللہ تعالیٰ کے پیاروں کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے چاہتا ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ سزا دیتے وقت اس بات کا لحاظ رکھنا بڑا حق ہے، کہ سزا دینے والا رضائے الٰہی کے ساتھ آوازِ نفس کو شامل نہ ہونے دے۔ ورنہ ظلم ضرور ہو جائے گا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰ ع ۸

نظر کرو، اللہ تعالیٰ پر کذب سے کیسا افتریٰ باندھ رہے ہیں۔ اور یہ کافی ہے صریح گناہ۔

اپنے گمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا بتانا، اور مخلصین کی شہادت سے اپنے دعوے کو سچا ثابت نہ کرنا، اللہ تعالیٰ پر کذب سے افتریٰ باندھنا ہے۔ یہ صریحاً بڑا گناہ ہے کہ اس سے لوگوں کو خواہشاتِ نفس کی پیروی کی زبردست دعوت ملتی ہے، اور لوگ

مشقت میں مبتلا ہونے لگتے ہیں۔

حاصل : پاکی لوگوں کے لئے باعث راحت ہوتی ہے۔ دعویٰ پاکی کا ہو اور لوگوں کو اس کے قرب سے عافیت کی بجائے اذیت ملے، تو یہ اللہ تعالیٰ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والی بات ہے۔ اور صریحاً گناہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا ہے :

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

[اسے علم ہے جو کچھ ان کے آگے ہے، اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿۵۱﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ہے، جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں، کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ راہ پر ہیں۔

حکم خداوندی کے ایک حصے کو ماننے والے لوگ وہ ہوتے ہیں، جن کی تسلیم صرف قول کی حد تک ہوتی ہے، اور اس میں بھی تضاد موجود ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنی پسند کے پیمانے سے حقائق کو ماپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حق کے مقابل مخلصین کے اتباع سے ہٹ کر قولاً کوئی جہت اختیار کی جائے، تو یہ جبت پر ایمان لانا ہو گا۔ اور جب اس پر عمل ہو گا، تو یہ طاغوت پر ایمان لانا ہو گا۔ کافروں کے بارے میں ان کا رویہ نرم ہو گا، اور کافروں کو ملی ہوئی مہلت اور توفیق انہیں مرعوب کر دے گی۔ متاعِ حیاتِ دنیا تو یہ دیکھنے کے لئے دی جاتی ہے کہ کون اس کا استعمال رضائے الٰہی کے مطابق کرتا ہے، اور کون اس کے خلاف کرتا ہے۔ اگر متاعِ حیاتِ دنیا کو ہی ہدایت کا معیار بنا لیا جائے، تو ہدایت مادی ہو جائے گی اور اس میں دوام محال ہو جائے گا۔ ہدایت کے لئے ناصح سے محبت لازم ہے۔ محبّ کی شان یہی ہے کہ وہ خلوت و جلوت میں اپنے محبوب کا مظہر ہو۔

حاصل : جن کی تسلیم صرف قول کی حد تک ہو، ان کے قول میں بھی تضاد ہوتا ہے۔ مخلصین کے اتباع سے ہٹ کر کوئی جہت اختیار کرنا، جبت پر ایمان لانا اور اس پر عملدر آمد کرنا طاغوت پر ایمان لانا ہے۔ جو اسباب کی کثرت میں ہدایت کا بلند درجہ دیکھتے ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ ایمان والوں کے مقابل کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن

یہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ اور

يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾

جسے اللہ تعالیٰ لعنت کرے تم ہرگز اس کے لئے نصرت دینے والا نہ پاؤ گے۔

جو لوگ معطیٔ مطلق کی رضا کے مقابل اسباب کو ہی مقصدِ حیات بنالیں، اور اسباب کی قلت و کثرت سے ہدایت کی کمی بیشی جانچنے لگیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ اسباب کی صورت میں ملی ہوئی توفیق جب ختم ہو جاتی ہے، تو پھر مسبب کو ماننا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔

حاصل: جو شے کو تو مانے اور جس مالکِ کل کی وہ شے ہے اسے نہ مانے اور من مانی کرے وہ لعنتی ہے۔ مسبّب کے امر سے جب اسباب کا رُخ بدل دیا جاتا ہے، تو لعنتی بے یار و مددگار رہ جاتا ہے۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾

کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے۔ پھر تو یہ لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں۔

مالکِ کل اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے سب کچھ بنایا ہے اور اپنے لئے کچھ نہیں بنایا۔ اللہ کے محبوب کی بدولت عطا ہوتی رہی ہے، اور ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے وارث بناتا ہے ملک کا، اور جسے اللہ چاہتا ہے وہ عنداللہ اکرم ہوتا ہے۔ لوگ بھی اس کی تکریم کریں تو حسنِ معاشرت کے مشاہدات عام ہو جاتے ہیں۔ ظالم عنداللہ ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ جب لوگ قیادت کے لئے اس کا چناؤ کریں، تو مشقت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس کا منشا ہی متاعِ حیاتِ دنیا ہو، وہ کسی کو تل بھر دے کر بھی راضی نہیں ہوتا۔ اگر وہ دیتا نظر آئے، تو اس میں یقیناً اس کی غرض و غایت اور خواہش کارفرما ہو گی۔ جہاں اسے اپنی ملکیت میں کچھ خوف و خطرہ نہ ہو گا، وہاں وہ کسی کو کچھ نہیں دے گا۔

حاصل: لعنتی کسی کو کچھ دے تو یہ اس کے لوگوں سے خوف زدہ ہونے کی سند ہے۔ جہاں اسے اپنی ملکیت میں خوف و خطرہ نہ ہو، وہاں وہ کسی کو کچھ نہیں دیا کرتا۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں، اس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا۔ تو ہم نے تو آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور انہیں ملک عظیم عطا کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب کسی صاحب پر عطا ہو رہی ہو تو اس سے انعام و اکرام لینا حق ہے۔ جب اپنی ذات اس عطا کی

زیادہ مستحق نظر آئے تو یہ معطیٔ مطلق پر اعتراض ہو گا۔ یہی حسد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (۲: ۱۲۴) بے شک میں آپ کو امام بناؤں گا۔ آپ نے عرض کی "وَمِن ذُرِّيَّتِي" اور میری اولاد۔ ارشاد ہوا لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (۲: ۱۲۴) میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ اب آلِ ابراہیم میں کتاب و حکمت اور ملکِ عظیم کی موجودگی تو اللہ کے فضل سے رہے گی، لیکن ظالم اس کے حق دار نہیں ہو سکتے۔ اور حاسد کو معطیٔ مطلق پر اعتراض ہوتا ہے، اس لئے یہ یقیناً ظلم ہے۔ ظالموں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں امامت کا عہد نہیں ہے۔

حاصل : جس صاحب پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے عطا ہو رہی ہو، اس سے محبت باعثِ فلاح ہوتی ہے۔ اس سے دوری کی حقیقت حسد ہے۔ ظالم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام نہیں بنایا جاتا۔ کتاب و حکمت اور ملکِ عظیم آلِ ابراہیم کو حاصل ہیں اور معترض ظالم ہیں۔

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا، اور کسی نے اس سے منہ پھیرا۔ اور بھڑکتی دوزخ کافی ہے۔

جو شرک سے پاک رہا وہ ایمان لایا، جو اس میں مبتلا ہو گیا وہ ایمان سے ہٹا رہا، اور ظلمِ عظیم کے ارتکاب کے سبب بھڑکتی دوزخ اسے کافی ہو گی۔ جس نے ملّتِ ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کے اعتراف کے باوجود اپنے تشخص کو قائم رکھنے کی خواہش کی، اس مشرک کی تجویز نے اسے ناشکرا بنا دیا، اور اس کے اعمال کے نتیجے کے طور پر آگ جمع ہوتی رہی۔ جب اجلِ مسمّٰی پوری ہو جائے گی تو وہ آگ بھڑک اٹھے گی۔ اپنے اعمال کے حاصل سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : شرک سے پاک رہنا ایمان لانا ہے۔ اپنے اعمال کے حاصل سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾

١/٤

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات سے کفر کیا، جلد ہی ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے۔ جس وقت ان کی جلد پک جائے گی، تو ہم ان کی اور جلد بدل دیں گے کہ عذاب چکھیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے استعمال کا حقیقی علم اس کی طرف سے شاہدین کو عطا ہوتا رہا ہے، اور ان کی بدولت لوگ اس علم سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ جن لوگوں نے عطائے خداوندی کو علمِ حقیقی کے مقابل اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کیا ہے،

یہ آیاتِ الٰہی کے منکر ہیں، اور ان کا ہر عمل ان کے جلنے کا سامان ہے۔ جب جزا کا وقت آئے گا، تو انھیں اس سامان میں جوان کے اعمال کی صورت میں جمع ہو گا ڈال دیا جائے گا اور وہ سامان جل اٹھے گا۔ اس سے فرار ممکن نہ ہو گا۔ جِلد میں اعصابی نظام اس طرح رکھا گیا ہے کہ جہاں کسی شے نے جسم کو مس کیا فوراً دماغ تک اس کا احساس پہنچا، اور دماغ نے اس سے دور ہٹنے کا یا قریب ہونے کا فیصلہ صادر کیا۔ جب جِلد نضیج پا کر سڑ جائے، تو احساسِ اذیّت گھٹ جاتا ہے۔ اس احساس کو برقرار رکھنے کے لئے اور جِلد بدل دی جائے گی۔ انکار کے تسلسل کو قائم رکھنے والوں کا حال جب مستقبل بنے گا تو ان پر عذاب کے تسلسل کو قائم رکھا جائے گا۔ عزت والے حکمت والے قادرِ مطلق کے فرمان کو ماننے ہی میں فلاح ہے۔

حاصل : عزت والے حکمت والے قادرِ مطلق کے ارشاد کا انکار باعثِ عذابِ مسلسل ہو گا۔ جس کی بات نورِ ہدایت پر مبنی ہو، اس کا انکار کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے شاہدین کا انکار کرنا ہے، اور خسارے کو دعوت دینا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، جلد ہی ہم انہیں جنتوں میں داخل کریں گے۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے وہاں ازواج مطہرہ ہیں۔ اور ہم انہیں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہو گا۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ اور صالح اعمال کا معیار شاہد ہوتا ہے۔ جس کے اتباع میں خوف و حزن سے نجات کی ضمانت موجود ہوتی ہے۔ جس نے علمِ الٰہی کے مطابق بشارت کی راہ اختیار کی اور شاہد سے محبت رکھی، اس کو خدائی مہمان کا درجہ نصیب ہوا اور ہو گا۔ اس میں دوام ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میزبانی ہو گی۔ اور اس سے بڑی عزت افزائی کوئی نہیں ہو سکتی۔ ازواجِ مطہرہ خدمت پر مامور ہوں گی۔ وہاں بقائے نسل کا کوئی کام نہیں ہو گا، اور لاحاصل عمل مومن کی شان کے لائق ہی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے یہ مقبول بندے ایسے مقامات پر رہیں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہو گا۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ مخلصین کی تکریم کا پورا پورا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں امر کرتا ہے، کہ امانتیں امانت والوں کو سپرد کر دو۔ اور جب لوگوں کے مابین حکم کرو، تو عدل سے حکم کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں خوب

يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

وعظ فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

امانت رکھنے والا اپنی متاع کی حفاظت کے لئے اسے کسی امین کے سپرد کر دیتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ اگر مجھے توفیق ہوئی تو میں اتنی دیر بعد ان شاء اللہ سنبھال لوں گا، ورنہ میرے اہل کو بلوغت کے بعد یہ سپرد کر دی جائے۔ امانت کی واپسی کا مومنین کو بڑا انتظار ہوتا ہے۔ وہ امانت کو واپس کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور جن کو امانت لوٹائی جاتی ہے۔ ان کی پوری پوری مدد کرتے ہیں کہ ان کے کاروبار میں انہیں استحکام ملے۔ جب لوگوں کے مابین حکم کرنے کا شرف ہو، تو عدل سے حکم کرنا حق ہے۔ عدل یہ ہے کہ دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا خوب وعظ ہے کہ اس سے ہر فرد کو احساسِ تحفظ میسر آتا ہے، قوتِ کارکردگی بڑھتی ہے، روشن مثالیں قائم ہوتی ہیں اور خواہشات کا اتباع کرنے والے اصلاح کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے، اور سب کچھ دیکھتا ہے اسی لئے ہر قول پاک ہو، اور ہر حرکت میں رضائے الٰہی ملحوظ ہو تو صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔

حاصل : امانت کو واپس کرنا امرِ الٰہی ہے۔ حکم میں رضائے الٰہی مقصود ہو تو عدل ہو گا، عدل ہو گا تو ہر فرد کو احساسِ تحفظ حاصل ہو گا۔ قول میں رضائے الٰہی موجود ہو، تو اللہ تعالیٰ کو سمیع اور بصیر ماننے کا بڑا انعام ملتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع ۹/۵

اے ایمان والو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور جو تم میں اولی الامر ہیں ان کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی شے میں تنازعہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر اور احسن تاویل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہ ہے کہ اس کے احکام کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں کی فلاح کے لئے نازل فرمائے گئے ہیں، اور قادرِ مطلق ہر احتیاج سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے اعلم کی اطاعت یہ ہے کہ اپنے علم کو اس کے علم پر قربان کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو اس کے حوالے سے مانا جائے۔ اولی الامر کا مخلص ہونا ضروری ہے۔ اس کی بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور تصدیق سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ وہ حال پر جو بھی کرتا ہے اس میں دخل دینا بے جا ہوتا ہے۔ اگر اس کی معیت میں صبر کی استطاعت نہ رہے تو اس کے سامنے اپنی مشکل کو بیان کرنا چاہئے۔ اور اس سے

اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس حال کی تصدیق کے بارے میں سوال کرنا چاہئے۔ بہتر جاننے والے ہی اس مقام پر روشنی عطا کر سکتے ہیں۔ جس کو مخلص مان لیا جائے، اس کے عمل کو اپنے علم سے دیکھنا منع ہے، ورنہ علم میں رفعت نہیں آ سکتی۔ اور ساتھ کا ثبوت اسی طرح ملتا ہے، جب سمجھ میں آنے والی بات کو بھی مانا جائے، اور سمجھ میں نہ آنے والی بات کو بھی مانا جائے۔ مشکل پیش آ جائے تو اس حال پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے روشنی لی جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخر پر ایمان رکھنے کا ثبوت ہو گا۔ یہ بہتر اور احسن تاویل ہے کہ اس کا منشا قربِ الٰہی ہے۔

حاصل : حال پر اولی الامر کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس اطاعت میں مشکل پیش آئے تو پیچھے ہٹ جانے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے روشنی لینی چاہئے۔ منشا قربِ الٰہی ہو، تو آسانی عطا ہو گی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے :

وَلَهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَهُ ٱلدِّينُ وَاصِبًا ۚ أَفَغَيْرَ ٱللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿٥٢﴾

[اور اسی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اسی کی فرماں برداری لازم ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے مقابل غیر سے ڈرو گے]

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓا۟ أَن يَكْفُرُوا۟ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا، جنہیں زعم ہے کہ وہ ایمان لائے، جو تمہاری طرف نازل ہوا اور جو تم سے قبل نازل ہوا۔ چاہتے ہیں کہ فیصلے کے لئے طاغوت کی طرف جائیں۔ اور انہیں امر تھا کہ اس کا انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر دور جا ڈالے۔

جس کا دعویٰ ایمان شاہد کی صداقت و امانت کے اعتراف پر مبنی ہو، اس کو شاہد سے محبت ہو جاتی ہے اور ایمان اس کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس کا ایمان اس کی سمجھ کے تابع رہے، اس کو ایمان کا زعم ہی ہوتا ہے۔ وہ حال کو بھی تسلیم کرنے کا دعویدار ہوتا ہے، ماضی کو بھی تسلیم کرنے کا دعویدار ہوتا ہے مگر فیصلہ طلب امور کو طاغوت کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ جس دل میں ایمان ہو وہاں طاغوت کا کوئی مقام نہیں ہو سکتا، اور جہاں طاغوت ہو وہاں ایمان نہیں ہو سکتا۔ طاغوت کے انکار کی حقیقت خواہشاتِ نفس کا عدم اتباع ہے۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنے ماننے والے کو وہاں تک پہنچا دے کہ اصلاح کی طرف اس کی واپسی محال ہو جائے۔

حاصل : جس کا ایمان اس کی سمجھ کے تابع ہو، اسے ایمان کا زعم ہوتا ہے۔ وہ فیصلے کے لئے شاہد کو اعلم نہیں مانتا بلکہ طاغوت کی طرف جانا پسند کرتا ہے۔ جس کے انکار میں فلاح ہے، اس کو تسلیم کرنے کی حقیقت اصلاح سے بہت دوری ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف آؤ، تو تم دیکھو گے کہ منافقین تم سے رک کر ہٹ جاتے ہیں۔

جب ایمان کا زعم رکھنے والوں سے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے ارشاد کی طرف آؤ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے علم کی تصدیق کروالو، تو یہ لوگ رک جاتے ہیں اور آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ خواہش کا اتباع کرنے والے کو اپنا نفع صاحبِ معرفت سے ہٹ جانے ہی میں نظر آتا ہے۔ اس طرح قول کی صورت سے اس کا دعویٰ قرب اس کے رک جانے سے باطل ہو جاتا ہے، اور اس کی منافقت واضح ہو جاتی ہے۔

حاصل : جو قول سے تو صاحبِ حق کو تسلیم کرے اور عملاً قریب ہونے کے بجائے دور ہوتا رہے، اور اپنے علم کی شاہد سے تصدیق نہ کروائے اس کی منافقت واضح ہو جاتی ہے۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

پھر کیا ہو جب انہیں اپنے ہاتھوں کے کئے کی بدولت کوئی مصیبت پہنچے۔ پھر آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا حلف اٹھاتے ہوئے آئیں کہ ہمارا ارادہ تو احسان و توفیق ہی کا ہے۔

— بہتر جاننے والوں سے خصومات کا فیصلہ کروانے سے گریزاں رہنے والے اپنے ہاتھوں کے کئے کی بدولت مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ پھر کوئی چارۂ کار نہیں رہتا، تو اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاتے ہوئے شاہد کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں کہ صاحب ہمارا ارادہ تو احسان و ملاپ کا ہی تھا اور ہم اس مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں، آپ کی خدمت میں بچاؤ کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اعلم کی موجودگی میں جب کسی دوسرے سے فیصلہ کروایا جائے گا، مشقت ضرور گلے پڑ جائے گی۔ اعلم کے قرب کی حقیقت احسان و توفیق ہے، اس سے دوری عدم احسان اور عدم توفیق ہے۔

حاصل : اعلم کی موجودگی میں کسی دوسرے سے فیصلہ کروانا مشقت و مصیبت کو گلے لگاتا ہے۔ یہ

عدم احسان اور عدم توفیق کا ثبوت ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

اللہ تعالیٰ علم رکھتا ہے جو ان لوگوں کے قلوب میں ہے۔ تو ان سے اعراض کیجئے اور انہیں وعظ کیجئے، اور ان سے فرمایئے پہنچتی ہوئی بات۔

جو لوگ ایمان کا زعم تو رکھتے ہیں مگر خصومات کا فیصلہ طاغوت سے کراتے ہیں، جب انہیں فرمانِ خداوندی اور شاہد کی طرف بلایا جاتا ہے تو رک جاتے ہیں، اور جب اپنے کئے کی بدولت مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو احسان و توفیق کی نیت کی قسم کھاتے ہیں۔ ان کے قلوب میں جو مرض ہے اللہ تعالیٰ اس کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ ان کے ساتھ معاملے میں چشم پوشی کی جائے اور ان کے عیوب کی نشان دہی نہ کی جائے۔ انہیں خیر کی راہ دکھائی جائے، اور ان سے جو بھی کلام ہو ان کے حال سے متعلق ہو۔ ان کا مقام، ان کی مشکل، ان کا زاویہ نگاہ معلوم ہو تو انہیں جو کچھ کہا جائے گا، وہ انہیں ضرور پہنچے گا، اور یہ ہو گا قول بلیغ۔

حاصل : جن لوگوں کو من مانی کرنے کا مرض ہو، ان کے عیوب کی نشاندہی سے بچنا، انہیں خیر کی راہ دکھانا، اور ان کے مقام، مشکل اور زاویہ نگاہ کو جانتے ہوئے انہیں آسانی کی راہ دکھانا مخلصین کی شان کے لائق ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿٦٤﴾

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لئے کہ باذن اللہ اس کی اطاعت کی جائے اور جب اپنے انفس پر ظلم کریں، آپ کے پاس حاضر ہوں، اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لئے استغفار کریں، تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا پائیں گے۔

صاحبِ علمِ الٰہی سے ہی دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو سکتا ہے، اور یہ ہوتا باذن اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے اسے پاکی کا انعام ملتا ہے اور حال پر ملتا ہے۔ تزکیہ عطا ہو، تو فلاح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو بھی بھیجا گیا اس کو معیارِ مطلق ہونے کا شرف بھی اس حال پر عطا کیا گیا، اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اس کی اطاعت لازم ٹھہرا دی گئی۔ جب لوگ حدود اللہ سے تجاوز کریں تو اعلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوں، وہاں استغفار کریں کہ وہ ان کی استغفار پر شاہد ہو۔ اب اعلم

اس طرح استغفار کریں گے کہ یا اللہ کمیٔ علم کی وجہ سے ان سے حدود اللہ کے احترام کا حق ادا نہیں ہوا، اب یہ تیرے دربار میں حاضر ہیں، اور فلاح کے طالب ہیں، تو انہیں معاف فرمادے، تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ شاہد سے نصیحت لینے کا ثبوت ہو گا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مطاع فرمایا ہو، اس کی دعا کا درجہ تواباً الرحیم ہی جچتا ہے۔ اسے معاف کرتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : مطاع کا حال پر معیارِ مطلق ہونا لازم ہے۔ علمِ الٰہی کے حامل شاہد کو اپنی استغفار پر شاہد بنایا جائے، اس سے نصیحت لی جائے، اس سے دعا استغفار کی درخواست کی جائے، تو اللہ تعالیٰ معاف بھی کر دیتا ہے، رحمت کے دروازے بھی کھول دیتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

تو آپ کے رب کی قسم : وہ ایمان والے نہ ہوں گے حتیٰ کہ آپ کو حکم مانیں، اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھ کھڑا ہو۔ پھر اپنے انفس میں آپ کے فیصلے سے تنگی نہ پائیں۔ اور تسلیم کریں تسلیم کرنا۔

قسم سامعین کو یکسو کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے، اور اظہارِ محبت کے لئے کھائی جاتی ہے۔ ایمان ناصحِ امین کی محبت سے عطا ہوتا ہے۔ جو اپنے قول کو اس کے قول پر قربان کر دے گا اور اپنے عمل کو اس کے عمل پر قربان کر دے گا، اور اپنے علم کو اس کے علم پر قربان کر دے گا، اور اپنے اخلاص کو اس کے اخلاص پر قربان کر دے گا، اس کے نزدیک اعلم کی تصدیق سے خالی فیصلہ، فیصلہ نہیں ہو گا۔ جس فیصلے میں خامی نظر آئے اس کو قبول کرنے میں نفس کو تنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اور جب فیصلہ کرنے والا ہی مطاع ہو، اور اس کی محبت پر سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہو، تو پھر اس کے فیصلے سے راحت حاصل ہوتی ہے اور اطمینانِ قلب عطا ہوتا ہے، اور اس فیصلے کی روشنی میں دوسرے کئی معاملات بھی سدھر جاتے ہیں۔ یہ ہے تسلیم کرنے کا حق۔ شاہد کے تسلیم کرنے والے کا تسلیم نہ کرنے والے سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

حاصل : قسم سامعین کو یکسو ہونے میں مدد دیتی ہے۔ جو اپنے شاہد کے فیصلے کو دل و جان سے نہ مانے اس کے ایمان کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ تسلیم کرنے کا حق یہ ہے کہ فیصلے کا احترام اعلم کے حوالے سے ہو۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ

اور اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ اپنے انفس کو مارو، یا اپنے دیار سے نکل جاؤ تو ان میں سے قلیل ہی ایسا کرتے، اور اگر وہ کریں جو انہیں وعظ کیا جاتا ہے، تو ان کے لئے

خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ بہتر ہو اور انہیں بڑا ثبات ملے۔

نفس کی پسند کے خلاف کرتا اگر فرض کر دیا جاتا یا اپنے دیار سے نکل جانے کو فرض کر دیا جاتا تو قلیل لوگ ہی ایسا کرتے۔ تثبیت اموال کو رضائے الٰہی کے مطابق خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے (۲ : ۲۶۵) اموال کو رضائے الٰہی پر لگانے کے بعد مشکل ترین کام اپنے دیار سے نکل جانا ہے، اور اپنے لئے کوئی اہتمام کرنے کی بجائے لوگوں کے کام آنا ہے۔ اگر لوگ اس طریقِ زندگی کو اختیار کریں تو نفس کی غلامی اور مشقت سے بھی نجات مل جائے، اور ثبات بھی ایسا ملے کہ وہ جہاں بھی رہیں اللہ کا فضل ان کے ساتھ رہے۔ مگر یہ فرض نہیں کیا گیا کہ لوگ حکم عدولی کی بدولت خاسرین میں داخل نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر روز ان کے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں راہِ خیر پر آنے کے لئے آسانیاں عطا کرتا رہتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ حکم کرتے وقت محکوم کی کیفیت کو ملحوظ رکھا جائے، اور اسے مقصود تک پہنچنے میں مدد دی جائے۔

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ اور تب تو ہم انہیں اپنے لدن سے اجر عظیم عطا کرتے۔

جو اموال کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت جان کر اس کی رضا کے مطابق خرچ کرے اور کسی مقام کو مقصدِ حیات نہ بنائے، بلکہ جہاں اللہ تعالیٰ رکھے اسی جگہ کو اس حال پر بہترین مانے اور یقین رکھے کہ اس کے ذمے لوگوں کو آسانیاں مہیا کرنا ہے، جب یہ طریقِ زندگی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس صاحبِ حال پر رحمت و برکت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حاصل : جو علیم مطلق کے حکم اور علم سے متحرک رہے، اس پر رحمت و برکت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ اور ضرور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کرتے۔

جو نفس کی شح سے بچتا رہے، اسے اعلم کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے، یا اعلم کو اس کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت اعلم کے قدم بہ قدم ہونے کا نام ہے۔ ہدایت یافتہ کسی بھی مقام پر بے آسرا نہیں ہوتا۔

حاصل : صراطِ مستقیم کی ہدایت اعلم کے قدم بہ قدم ہونے سے عطا ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے، تو اسے ان لوگوں کی معیت حاصل ہو گی جن

النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۤءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۤئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾

پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں۔ یہ کیسے اچھے رفیق ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انعام یافتہ حضرات کی معیّت کا انعام ملتا ہے۔ ہمارے لئے اس سے بڑا اور کوئی انعام نہیں کہ حال پر پاک لوگوں کا ساتھ نصیب ہو اور آخرت میں ہم پاک لوگوں کی صف سے اٹھائے جائیں۔ نبی کی شان علم الٰہی کی خبر دینا ہے۔ اور خاتم النبیین کے بعد نبی کی بعثت کا محل ہی موجود نہیں۔ صدیق کی شان یہ ہے کہ وہ شاہد کے ارشاد کو سنے اور مانے، اور اس کا کوئی عمل شاہد کی تصدیق سے خالی نہ ہو۔ شہید کی شان یہ ہے کہ وہ باوضو ہو، اور اپنے اموال اور نفس کو رضائے الٰہی کے لئے وقف کر دے۔ اور صالح کی شان یہ ہے کہ لوگ اس کے قرب کی تنویر سے اپنی اصلاح کریں اور عافیت حاصل کریں۔ یہ اچھے رفیق ہیں۔ کسی بھی مقام پر یہ پاک لوگ، یہ نہیں دیکھتے کہ لوگ ان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں، ہر مقام پر یہی دیکھتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے ساتھ رضائے الٰہی کے تحت معاملہ کرنا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا انعام اچھے رفقاء کی صورت میں ملتا ہے۔ اچھا رفیق وہ ہوتا ہے، جس کا قول، عمل، علم اور اخلاص رضائے الٰہی کے لئے ہو، اور کسی کی دوستی یا کسی کی دشمنی اسے اس راہِ راست سے ہٹا نہ سکے۔

١١ع ٦ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ ع

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے علم رکھنے والا۔

پاک لوگوں کی صف میں شمار ہونا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ شاہدین کے ساتھ میں ہی فلاحِ دارین ہے۔ جو اپنی ذات کو تضاد سے پاک رکھے، وہی اس فضل کا مستحق ہوتا ہے۔ اس فضل کا شکریہ یہ ہے کہ انعام یافتہ کے عرفان کے بعد اس کے اتباع میں اپنی پسند کو حائل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

حاصل : انعام یافتہ حضرات کا قرب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یہی فضل کسی کی فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔ صاحبِ فضل ہی متوکل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پالنے والا ہے اور علم سے پالنے والا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف میں ارشاد فرمایا ہے :
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾
[اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا، اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ

اے ایمان والو، اپنے ہتھیار لے لیا کرو۔

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

پھر گروہ گروہ ہو کر نکلو یا اکٹھے نکلو۔

جب جہاد کے لئے بلایا جائے تو یقیناً جلد سے جلد حاضر ہونے کی سعی کرنا تقاضاء ادب ہے۔ مگر حق جہاد کو ادا کرنے کے لئے جو کچھ پاس ہو، اس کو ساتھ لے لینے کا حکم ہے۔ اس کو کم سمجھ کر چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں، اور زیادہ سمجھ کر، غیر ضروری کہہ کر ساتھ نہ لینا بھی مناسب نہیں۔ جو توفیق ہو اسے شاہد کی خدمت میں پیش کر دینا چاہئے۔ محل استعمال کا تعین شاہد کا حق ہے۔ جہاد کے لئے گروہ ہو کر نکلنے کی صورت میں مقامی امور کو سمیٹنے کے لئے کچھ وقت مل جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی شاہد کے امر کی بات ہے۔ اکٹھے نکلنے کی صورت میں دشمن سے مقابلہ بالکل قریب ہوتا ہے۔

حاصل : سامانِ جہاد جو بھی کسی کو میسّر ہو، اسے پورا سمجھ کر شاہد کی خدمت میں پیش کر دینا تقاضاء ادب ہے۔ جہاد کے لئے اگر کچھ وقت ہو، تو مقامی امور کو سمیٹنے کے پیشِ نظر گروہ گروہ ہو کر نکلنا چاہئے۔ اگر وقت نہ ہو تو اکٹھے نکلنا چاہئے۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾

اور تم میں کوئی وہ ہے، جو ضرور دیر لگائے گا، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہے بے شک اللہ تعالیٰ کا مجھ پر فضل ہوا کہ میں ان کے ساتھ نہ ہوا۔

جس کو ناصحِ امین سے محبت نہ ہو گی، وہ خواہشاتِ نفس کے اتباع سے بچ نہیں سکتا۔ نفس اپنی حفاظت کو ہر مقام پر مقدّم رکھتا ہے۔ اس لئے جہاں اسے عدم حفاظت نظر آئے اور وہ انکار بھی نہ کرنا چاہے تو پھر دیر لگاتے ہوئے یہ کہنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ میں ان کے ساتھ نہ گیا، ورنہ میں بھی اس مصیبت میں ضرور پھنستا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تو پاک لوگوں کی رفاقت کا نام ہے۔ نفس اپنی پسند کو ہی اللہ کا فضل جانتا ہے، لیکن اظہار موقع محل دیکھ کر کرتا ہے۔

حاصل : جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے وہ جہاد میں جانے سے دیر کرنے کا مرتکب ہوتا ہے، اور اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کا فضل جانتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فضل مخلصین کی رفاقت کا نام ہے۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ملے تو ایسے بولے کہ گویا تمہارے اور اس کے مابین کوئی دوستی نہ تھی۔ اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔

جس کا دل زینتِ حیاتِ دنیا سے بندھا ہوا ہو، خطرے کے مقام پر وہ مومنین ساتھیوں سے پیچھے رہنے کو پسند کرتا ہے، اور جب انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے غلبہ حاصل ہو تو اسے مومنین کے گھر میں رحمت و برکت دیکھ کر راحت نہیں ہوتی، بلکہ اسے افسوس ہوتا ہے کہ کاش وہ بھی ان کے ساتھ ہوتا، تو بڑی مراد پاتا۔ جس کی مراد ہی اشیاء دنیا ہو، پریشانی اس پر ضرور مسلط رہتی ہے۔

حاصل : خطرے کے مقام پر پیچھے رہنے والا اور زینتِ حیاتِ دنیا کی طلب رکھنے والا پریشانی میں گھرا رہتا ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

تو انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا چاہیے، جو حیات دنیا کو بیچ کر آخرت خریدتے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے، پھر قتل ہو یا غالب آئے، تو ہم جلد ہی اسے اجر عظیم عطا کریں گے۔

جو حیاتِ دنیا میں ملی ہوئی توفیق کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگاتے ہیں، وہ حیاتِ دنیا کو بیچ کر آخرت خریدتے ہیں۔ اس سے اچھا سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والا شہید ہو یا غازی، اسے اجرِ عظیم عطا ہوتا ہے۔ اسے ایسی راحت ملتی ہے کہ جس کے بعد خوف و حزن اس کے ہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتے ہیں۔

حاصل : حیاتِ دنیا کو بیچ کر آخرت خریدنا باعثِ فلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والا شہید ہو یا غازی، دائمی راحت پالیتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

اور تمہیں کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں لڑتے۔ اور ضعیف مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے جو پکار رہے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اس قریئے سے نکال جس کے اہل ظالم ہیں، اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے، اور اپنے پاس سے کوئی نصرت دینے والا دے۔

ظالم کے خلاف مظلوم کی ولایت و نصرت اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا ہے۔ کمزور لوگ، عورتیں اور بچے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کی بستی سے نکال لے، اور اپنے پیاروں کو بھیج جو ہماری ولایت و نصرت کریں۔ اللہ کے پیاروں کی اس صف میں شمار ہونے کا موقع بھی ہو تو پھر اس میں تساہل کیوں کرہو۔ جس جگہ لوگ فرمانِ ربّی کے مقابل اپنی پسند کے مطابق عمل کریں وہ ظالموں کی بستی ہوتی ہے، اور وہ بربادی کو دعوت دے رہی ہوتی ہے۔

حاصل : جہاں ظلم ہو وہاں بربادی ضرور آتی ہے۔ مظلوم کی ولایت و نصرت سے ہی امنِ عالم کا قیام ممکن ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ ع ۱۰

ایمان والے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور کافر طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ تو شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ بےشک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور مظلوموں کی ولایت و نصرت کا حق ادا کرتے ہیں۔ کافر ظالموں کے مددگار ہوتے ہیں، اور شیطان کے دوست ہوتے ہیں۔ ان کی عددی قوت اور ان کا سامانِ حرب جس قدر بھی ہو، ان کی کمزوری کو دور نہیں کرسکتا کہ انہیں اپنی جانوں کے بچانے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ اس کے مقابل مومنین کو جان قربان کرنے میں خوشی ہوتی ہے، اور نصرتِ خداوندی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

حاصل : ایمان والے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ کافر شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ شیطان کے داؤ میں جان بچانے کا خیال مرکزی ہوتا ہے۔ ایمان والے جان قربان کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور نصرتِ الٰہی سے بڑی تائید کوئی نہیں ہوسکتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ النمل میں ارشاد فرمایا ہے :
کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا : بھلائی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے کہ تم پر رحم ہو۔ لوگوں نے کہا ہم نے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے برا شگون لیا۔ ان لوگوں نے صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر کیا اور ان کی ساری قوم ہلاک ہوگئی۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥٢﴾

[تو نظر کرو کیسا انجام ہوا ان کے مکر کا، ہم نے انہیں اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔ تو یہ ہیں ان کے گھر، ڈھے پڑے ان کے ظلم کی وجہ سے۔ بے شک اس میں علم والوں کے لئے نشانی ہے۔]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوٓا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ أَخَّرْتَنَآ إِلٰىٓ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۚ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾

کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جنہیں فرمایا گیا تھا، اپنے ہاتھ تھامے رکھو، اور صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا، جبھی ان میں سے ایک فریق لوگوں سے ڈرنے لگا، جیسے اللہ کا ڈر ہو، یا اس سے بھی زیادہ ڈر۔ اور کہنے لگے: اے ہمارے رب کیوں ہم پر قتال فرض کر دیا۔ کیوں نہ ہم کو اجل قریب تک مہلت دی۔ فرما دیجئے: متاع دنیا قلیل ہے۔ اور اتقا والوں کے لئے آخرت بہتر ہے۔ اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہو گا۔

صلوٰۃ و زکوٰۃ جہاد سے پہلے فرض ہوئیں۔ بعض لوگوں نے جہاد کے متعلق جاننا چاہا تو انہیں فرمایا گیا کہ ابھی اپنے ہاتھ تھامے رکھو، ابھی صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ صلوٰۃ قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے جماعت مضبوط ہوتی رہتی ہے اور افراد کے مابین روابط بڑھتے رہتے ہیں۔ یہ جہاد کی تیاری کے ارکان ہیں۔ پھر جب ان لوگوں پر جہاد فرض کر دیا گیا، تو ان میں سے ایک فریق مخالفین سے اس قدر ڈرنے لگا، جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ بلکہ یہ لوگ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے، اور کہنے لگے، ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا گیا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں کچھ اور مہلت کیوں نہ دی۔ یہ سوال متاع حیات دنیا اور آخرت کے عدم تقابل کی وجہ سے پیدا ہوا۔ متاعِ دنیا قلیل اور فانی ہے۔ متقین کو آخرت میں جو انعام ملے گا وہ کثیر اور دائمی ہو گا۔ دین میں فضیلت اور حسنِ عمل کا پتہ رخ سے چلتا ہے، اور کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ تو حق عائد ہوا ہی نہیں۔

حاصل: صلوٰۃ کا قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا جہاد کی تیاری کے ارکان ہیں۔ مخالفینِ حق کی تیاری کو دیکھا جائے گا تو ڈرنے کا مقام اشد ہو گا، اور امرِ الٰہی کی اطاعت ملحوظ ہو گی تو اپنے ہاں سب پورا نظر آئے گا، اور ڈر یہ ہو گا کہ کسی مقام پر کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ متاعِ دنیا اور آخرت کا تقابل لازم ہے۔ جن کا حال بہتر ہے انہی کا مستقبل بہتر ہو گا۔ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں

دی جاتی۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾

تم جہاں کہیں ہو، موت تمہیں آ لے گی، اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو۔ اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں کہ یہ عنداللہ ہے، اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ آپ کی طرف سے ہے۔ فرما دیجئے: سب عنداللہ ہے۔ تو ان لوگوں کو کیا ہوا، کوئی بات سمجھتے دکھائی نہیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے موت کو حیات سے پہلے خلق فرمایا ہے۔ خالق کل کی طرف سے جو مقام رکھا گیا ہے اسے انسانی علم سے روکنا ممکن نہیں۔ جب موت کا آنا یقینی ہے، تو پھر اس سے گریز کی راہ تلاش کرنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ جن لوگوں کو شاہد سے محبت نہیں ہوتی محض تعلق کا دعویٰ ہوتا ہے، انہیں جب بھلائی پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ عنداللہ ہے۔ اور جب برائی پہنچے تو اسے شاہد کی طرف سے جانتے ہیں۔ نتائج تو باذن اللہ ہوتے ہیں، توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، بندے سے پوچھ تو صرف اس بات کی ہوگی کہ اس نے متاعِ حیاتِ دنیا کے استعمال میں کون سا رخ اختیار کیا تھا۔ جو لوگ اپنی پسند سے ہی چمٹے رہیں وہ حقائق کو سمجھتے دکھائی نہیں دیتے۔

حاصل: موت کو روکنا انسانی علم سے باہر ہے اس لئے اس سے گریز کی راہ تلاش کرنا اور جہاد سے بچنے کی کوشش کرنا کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا۔ جس کو شاہد سے محبت ہو وہی متاعِ حیاتِ دنیا کے استعمال میں صراطِ مستقیم پر رہ سکتا ہے۔ نتائج سب باذن اللہ ہوتے ہیں۔ جو اپنی پسند سے ہی چمٹا رہے وہ حقائق کو کیا سمجھے گا۔

مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٧٩﴾

جو بھلائی تمہیں پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو برائی تمہیں پہنچے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہے۔ اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ۔

رضائے الٰہی مقصود ہو اور شاہد کا اتباع حال ہو، تو جو راحت اور آسانی عطا ہوگی وہ بھلائی ہے۔ اور جب نفس کی خواہش کا

اتباع ہو گا، تو برائی کے امر کی تعمیل ہو گی۔ اس سے مشقت اور تنگی حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے۔ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۲: ۱۸۵) اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ توفیق کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ طاغوت کا انکار اور اللہ تعالیٰ پر ایمان فلاح کا رخ ہے۔ اس کے خلاف کیا جائے تو خسارے کا رخ ہو گا۔ بندے سے پوچھ اس کے رخ کے بارے میں ہو گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سب لوگوں کے لئے ہے، اور بھیجنے والے علیمِ مطلق سے بڑی گواہی کسی کی نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ آپ کا اتباع کریں گے وہ بھلائی پائیں گے۔ جو اپنے نفس کی خواہشات کا اتباع کریں گے انہیں ضرور برائی پہنچے گی۔

حاصل : شاہد کا اتباع کیا جائے تو رضائے الٰہی کے حصول کا یقین ہو گا۔ شاہد کی معیت کو بھلائی کہتے ہیں۔ نفس کی خواہشات کے اتباع کا حاصل مشقت اور برائی ہے۔ معیارِ حق سب کے سامنے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس پر خود گواہ ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٨٠﴾

جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی، بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے آپ کو ان پر حفیظ نہیں بھیجا۔

فرمانِ خداوندی کی اطاعت کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی معیارِ مطلق ہیں، اس لئے ان کی اطاعت ہی اطاعتِ الٰہی ہے۔ جو اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ پھیرے وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی پسند سے مانے گا۔ یہی شرک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی ناپسندیدہ بات یہی ہے۔ حفیظ کی شان حفاظت کرنا ہے۔ جو حدود اللہ کو نہ مانے وہ علمِ الٰہی سے حاصل ہونے والی حفاظت سے دور ہوتا جاتا ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کی اطاعت کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی معیارِ مطلق ہیں۔ جو آپ کی اطاعت سے منہ پھیرے وہ نور سے ظلمات کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾

اور کہتے ہیں کہ وہ طاعت والے ہیں۔ پھر جب آپ کے پاس سے نکل کر جاتے ہیں، تو ان میں ایک گروہ جو کہا گیا تھا اس کے خلاف رات کو منصوبے بناتا ہے۔ اور اللہ ان کے منصوبے لکھ رکھتا ہے۔ تو ان سے اعراض کیجئے، اور اللہ پر توکل کیجئے۔ اور اللہ کافی ہے وکیل۔

اپنی پسند کے ساتھ لگے ہوئے لوگ شاہد کے سامنے تو اس کے فرمان کو قبول کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر جب وہاں سے رخصت ہوتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگوں کا دعویٰ اطاعت برقرار نہیں رہتا۔ یہ لوگ رات کو حکم عدولی کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ ان کی خلوت پاک نہیں ہوتی۔ ان کے منصوبے اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہو سکتے، وہ انہیں لکھ رکھتا ہے تاکہ یہ اپنے رخ کے مطابق جزا پائیں۔ ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا حق ہے، جس قادر مطلق نے انہیں توفیق دی ہے وہ انہیں خوب سنبھال سکتا ہے۔ اسی پر توکّل ہو کہ وہی کارساز ہے۔ جو عنوان اللہ تعالیٰ رکھے گا، اسی کا تصرف ہو گا۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے وکیل۔

حاصل : جلوت میں جس کے تعمیلِ ارشاد کا دعویٰ ہو، خلوت میں اس کا ساتھ رکھنا چاہئے۔ رات کو حکم عدولی کے منصوبے بنانے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ پر توکّل ہو کہ وہ بڑا کارساز ہے۔ کسی کی منصوبہ بندی اس کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

تو کیا قرآن پاک میں تدبر نہیں کرتے۔ اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں کثیر اختلاف پاتے۔

قرآن پاک کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا اس کے عدم اختلاف سے ثابت ہے۔ اگر ایک مقام پر کوئی دعویٰ ہے تو دوسرے مقام پر اس کی شہادت ہے۔ اہلِ ذکر سے ہی اس کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تدبّر یہ ہے کہ کھلے دل سے اس کو سنا جائے اور اس پر پورا رہنے والے کی حیاتِ طیبہ کو دیکھا جائے، کہیں اختلاف نظر نہیں آئے گا، خوف اور حزن نظر نہیں آئے گا۔ ہر شے کا بیان بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم ہی کی شان ہے کہ وہی خالقِ کل ہے۔ یہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں یقیناً کثیر اختلاف ہوتا۔

حاصل : تدبّرِ قرآن پاک کو کھلے دل سے سننا اور شاہد کی حیاتِ طیبہ کو دیکھنا ہے۔ ہر شے کا بیان بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم ہی کی شان ہے۔ قرآن پاک کی شان یہ ہے کہ یہ اختلاف سے پاک ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور ان کے پاس جب کوئی بات امن یا خوف کی آتی ہے، تو اس کا چرچا کر دیتے ہیں۔ اور اگر اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تک اور اپنے میں سے اولی الامر تک پہنچا دیتے، تو یقیناً استنباط کرنے والوں سے جان لیتے۔ اور اگر تم پر

وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو تم ضرور شیطان کا اتباع کرتے مگر تھوڑے۔

اپنی سمجھ کو شاہد کی تصدیق کے بغیر کافی جاننے والے جب کوئی بات امن کی سن لیں یا کوئی بات خوف کی سن لیں تو وہ اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق اسے پھیلانے لگتے ہیں۔ اس کی صحت کی تصدیق کے ذرائع بھی موجود ہوتے ہیں مگر یہ تصدیق کو اہمیت کہاں دیتے ہیں۔ امن یا خوف کی خبر سن کر جو حق کسی پر عائد ہوتا ہے اس کا علم تو استنباط والوں سے ہی جانا جاسکتا ہے۔ جو کسی بات کے پیچھے کار فرما جذبے کو جانتے ہیں، ان کا یقین تجربات و مشاہدات پر قائم ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ شاہدین سے رابطہ قائم رہے۔ ورنہ خواہشات کا اتباع کرنے والوں کو خسارے تک پہنچانے سے زیادہ آسان کام شیطان کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے۔

حاصل : خبر امن کی ہو یا خوف کی، شاہد کو سنانی چاہئے، اور اس سے متعلق اپنی ذمے داری کو معلوم کرنا چاہئے۔ مخلصین کے حوالے سے حاصل ہونے والا علم ہی خسارے سے بچا سکتا ہے۔ ان کی معیت اللہ کا فضل اور ان کا اتباع اللہ کی رحمت ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

تو فی سبیل اللہ لڑیئے۔ آپ اپنے نفس کے ہی ذمہ دار ہیں۔ اور مومنین کو تاکید کیجئے۔ قریب ہے کہ اللہ کافروں کی سختی روک دے۔ اور اللہ کا زور اشد اور اس کی سزا بھی اشد ہے۔

فی سبیل اللہ لڑنے کا حکم فرد کی سطح تک بھی ہے۔ اور ہر فرد اپنے آپ کا ہی ذمے دار ہے۔ جس کا زور سب سے زیادہ ہے اور جس کی سزا سب سے سخت ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی راہ میں لڑنا مخلص کو بہت آسان ہے کہ وہ قادرِ مطلق کی شان کو جانتا ہے۔ کافر بھی تو اس کی دی ہوئی توفیق سے ہی لڑتے ہیں۔ جب کوئی اللہ کی راہ میں استقامت سے لڑے تو کافروں کا زور ٹوٹتے دیر نہیں لگتی۔ اسباب پر کافروں کی گرفت ٹوٹ جائے، تو ان کے لئے میدان میں کھڑے رہنا محال ہوتا ہے۔ جہاد پہلے خود کرنا چاہئے پھر دوسروں کو تاکید کرنی چاہئے۔

حاصل : خود جہاد کیا جائے، تو دوسروں کو تاکید مفید ہوتی ہے۔ سب سے بڑے زور والا اور سب سے سخت سزا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ استقامت سے اللہ کی راہ میں لڑنے والے کے دیکھتے دیکھتے کافروں کی سختی بے معنی ہو جاتی ہے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾

جو شفاعت کرے، اچھی شفاعت، اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے۔ اور جو بری شفاعت کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قابو رکھنے والا ہے۔

اگر کوئی طاغوت کے انکار اور اللہ پر ایمان لانے کا رخ اختیار کرتا ہے، تو وہ یقیناً لوگوں کی بھلائی میں راحت پائے گا، اور دوسروں کو بھلائی کی تاکید کرے گا۔ اچھی سفارش خیر کا بیج ہوتا ہے اور بری سفارش برائی کا بیج ہوتا ہے۔ بری سفارش طاغوت پر ایمان اور اللہ کے انکار پر مبنی ہوتی ہے۔ بری سفارش کرنے والا اپنی شوکتِ نفس کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اچھی یا بری سفارش سے سفارش کرنے والے کے رخ کا ہی پتہ چلتا ہے۔ نتیجہ ہمیشہ قادرِ مطلق کے قابو میں ہوتا ہے، اس لئے نفع اور نقصان باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔

حاصل : نفع اور نقصان باذن اللہ ہوتا ہے۔ جو کسی کے نفع کا رخ رکھے گا وہ خیر کا انعام پائے گا۔ جو کسی کے نقصان کا رخ رکھے گا، وہ خسارے کو گلے لگائے گا۔

½

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾

اور جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم اس سے بہتر دعا دو یا وہی لوٹاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا حساب کرنے والا ہے۔

سلام دعا کرنے میں کسی کے قربِ الٰہی کا اعتراف مقصود ہوتا ہے یا کسی کو الہ العالمین کے قریب کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کم جاننے والے کو بہتر دعا دینی چاہئے۔ بہتر جاننے والے کو اسی کے الفاظ میں دعا دینی چاہئے۔ اس طرح کم جاننے والے کے علم میں برکت ہوگی، اور بہتر جاننے والے کے علم سے برکت ملے گی۔ توفیق معطیٔ مطلق نے دی ہے، محلِ استعمال بھی بتایا ہے۔ شاہدین نے طریقِ استعمال سکھایا ہے۔ اب شاہد کے حوالے سے پوچھ تو ہوگی۔

حاصل : کم جاننے والوں کو بہتر دعا دینی چاہئے۔ بہتر جاننے والوں سے تقدم منع ہے۔ توفیق بھی ہو، محلِ استعمال بھی ہو، اور طریقِ استعمال بھی معلوم ہو تو پھر پوچھ شاہد کی نسبت سے ضرور ہو گی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ وَمَنْ

اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن جمع کرے

ع ۸ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا ﴿۸۷﴾

گا، جس میں کچھ شک نہیں۔ اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے۔

اللہ تعالیٰ خالق کل ہے، معطیٔ مطلق ہے، علیم مطلق ہے، اسی کی عبدیت میں بھلائی ہے۔ وہ قیامت کے دن سب کو جمع کرے گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔ توفیق کی موجودگی ہی جزا کا ثبوت ہے، اور اس میں شک ممکن ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بنایا ہے اور اپنے لئے کچھ بھی نہیں بنایا۔ لوگوں کی بھلائی کا بے مثل انتظام کرنے والا رحیم الودود احتیاج سے پاک ہے، اس لئے اس سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے۔

حاصل : توفیق کی موجودگی ہی جزا کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ معطیٔ مطلق اور احتیاج سے پاک ہے۔ اس سے زیادہ سچی بات کسی کی نہیں ہو سکتی۔ جس کی بات لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو، اور اجر کے سوال سے پاک ہو، وہ عبدِ اصدق ہے اور واجب التعظیم ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ الحجر میں ارشاد فرمایا ہے :

قیامت کے دن کافروں کا یہ حال ہو گا۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۲﴾

[بہت آرزوئیں کریں گے کافر، کاش مسلمان ہوتے۔]

فَمَا لَكُمۡ فِى الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِئَتَيۡنِ وَاللّٰهُ اَرۡكَسَهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴿۸۸﴾

پھر تمہیں کیا ہوا کہ منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو۔ اور اللہ نے ان کے کسب کی بدولت انہیں اوندھا کر دیا۔ کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے ہدایت دو جسے اللہ نے گمراہ کیا ہو۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کے لئے راہ نہ پاؤ گے۔

منافق ہی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کو اللہ تعالیٰ اس کے کئے کی بدولت گمراہ کرتا ہے۔ منافق کا رخ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کو دھوکہ دینے کا ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے اعمال کی بدولت اوندھا ہوتا جاتا ہے۔ مومنین کا حق یہ ہے کہ وہ منافقوں کو شاہد کے حوالے سے دیکھا کریں، پھر دو گروہ ہونے کی صورت ختم ہو جائے گی۔ جو حکم خداوندی کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرے، اس گمراہ کو ہدایت نہیں ہو سکتی۔ راہ تو اسے ملتی ہے جو راہ والوں کے فضائل کا معترف ہو، اور ان سے دوستی رکھتا ہو۔

حاصل : منافقوں کو شاہد کے حوالے سے پہچانا جائے، تو مومنین کے دو گروہ ہونے کی صورت ختم

ہو جاتی ہے۔ منافق کا کسب اس کے قول کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے وہ مومنین کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا۔ ہدایت اسے ہوتی ہے، جو محبت سے شاہد کا اتباع کرے۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾

چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ، جیسے وہ کافر ہوئے، تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ۔ تو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ، حتیٰ کہ فی سبیل اللہ ہجرت کریں۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں سے کسی کو نہ دوست ٹھہراؤ، نہ مددگار۔

زینت حیات دنیا کو مقصود بنانے والے ایمان والوں کے طریق زندگی سے خائف ہوتے ہیں، کہ اس میں اپنی خواہش کے اتباع کے مقابل شاہد کا اتباع کیا جاتا ہے، اور اپنی پسند کو اس کی پسند پر قربان کیا جاتا ہے۔ منافق یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والے بھی اپنی خواہشات کا اتباع کریں، اور ان کی قوت اور ربط ختم ہو، اور اس طرح سب ایک سے ہو جائیں۔ ایسے لوگ اللہ کے دشمن ہوتے ہیں۔ ان سے دوستی منع ہے۔ اگر وہ اپنے قول کو سچا ثابت کرنے کے لئے فی سبیل اللہ ہجرت کرتے ہیں، تو پھر ان کا مقصود زینت حیات دنیا نہیں ہے، اور اگر ہجرت فی سبیل اللہ سے منہ پھیریں، تو پھر ان کی تسلیم قطع ہو جائے گی، اور وہ واجب القتل ہو جائیں گے۔ اللہ کے دشمنوں سے دوستی بھی منع ہے۔ ان سے مدد لینا بھی منع ہے۔

حاصل: جو ایمان کا دعویٰ کرے اور مومنین کے ساتھ سے عملاً اجتناب کرے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ اللہ کا دشمن واجب القتل ہے۔ اس سے دوستی بھی منع ہے اور اس سے مدد لینا بھی منع ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَآءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ

مگر وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں میثاق ہے، یا آئے ہیں تمہارے پاس کہ ان کے سینے تمہاری لڑائی سے تنگ ہو گئے ہیں، یا اپنی قوم کی لڑائی سے بھی، اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر تسلط دے دیتا، پھر یقیناً تم سے لڑتے۔ تو اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾

تم سے نہ لڑیں، اور سلامتی کا پیغام پیش کریں تو اللہ نے تمہیں ان پر راہ نہیں دی۔

مومنین کے ساتھ عملاً دشمنی کرنے والے لوگ اللہ کے دشمن ہوتے ہیں۔ جو عملاً دشمنی سے کنارہ کش رہیں، اور سلامتی کا پیغام پیش کریں، وہ اصلاح سے گزرے ہوئے نہیں ہیں، ان کے قتل کو منع فرمایا گیا ہے۔ جس قوم کا مومنین کے ساتھ میثاق ہو ان سے ملاپ رکھنا عدو اللہ کی صف میں شمار ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ جن کا رخ لڑائی سے کنارہ کشی کا ہے اور وہ اپنی قوم کے عداوتی رویئے سے بھی متفق نہیں ہیں، ان کا قتل بھی منع ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھنا چاہئے کہ وہ لڑنے سے کنارہ کش ہوئے اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تسلّط دے دیتا۔ اگر ان لوگوں کو لڑائی سے مجتنب دیکھو اور سلامتی کا پیغام پیش کرتے دیکھو تو ان سے بھلائی کا برتاؤ کرو۔ ان لوگوں کے اندر اصلاح کو قبول کرنے کی علامات موجود ہیں، اس لئے ان کا قتل منع فرمایا گیا ہے۔

حاصل : جو اللہ کا دشمن ہے وہ اصلاح کے امکان سے گر چکا ہے۔ جو مومنین کی معاہد قوم سے ملاپ رکھتا ہو یا لڑائی سے مجتنب رہے اور سلامتی کا پیغام دے، اس کے قابلِ اصلاح ہونے کا ثبوت موجود ہے اور وہ واجب القتل نہیں ہے۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ ع ۱۲

اب کچھ اور تم ایسے پاؤ گے کہ تم سے امان میں رہنا چاہتے ہیں، اور اپنی قوم سے بھی۔ جب کبھی انہیں فتنہ کی طرف اکسایا جاتا ہے تو اس پر اوندھے گرتے ہیں۔ پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور سلامتی نہ پیش کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو، اور جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور یہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں صریح اختیار دیا۔

کچھ لوگ غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھ کر اپنی خواہش کا اتباع کرتے ہیں۔ یہ مومنین سے بھی امان میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ لیکن جب انہیں مومنین کے خلاف اکسایا جاتا ہے تو اس کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ مومنین سے کنارہ نہ کریں اور سلامتی نہ پیش کریں، اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو یہ مومنین سے عملاً دشمنی کا ثبوت ہو گا۔ پھر ان کے لئے کوئی رعایت نہیں رہے گی۔ وہ قطعاً واجب القتل ہوں گے۔

حاصل : غیر جانبداری کے لبادے میں جو لوگ مومنین کے ساتھ عملاً دشمنی کرتے ہیں وہ قطعاً واجب القتل ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم میں ارشاد فرمایا ہے :
سامان اور نمود میں برتری کا زعم رکھنے والے حق کا انکار کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھتے کہ اس راہ پر چلنے والوں کا پہلے کیا انجام ہوتا رہا ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِءْيًا ﴿٧٤﴾

[اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی قرن ہلاک کر دیئے کہ وہ ان سے بھی سامان اور نمود میں بہتر تھے۔]

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

اور مومن کا کام نہیں کہ مومن کو قتل کرے سوائے خطا کے۔ اور جو مومن کو خطا سے قتل کر بیٹھے تو ایک مومن کی گردن آزاد کرے۔ اور اس کے اہل کو خون بہا پہنچائے سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ خود مومن ہو، تو ایک مومن کی گردن آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ اس قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے مابین میثاق ہے، تو اس کے اہل کو خون بہا پہنچائے اور ایک مومن کی گردن آزاد کرے۔ پھر جو نہ پائے وہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے۔ اللہ سے توبہ کرنے کے لئے، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

مومن کا مومن سے تعلق ربّ العالمین کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس تعلق کی بدولت مومن مومن کو پال ہی سکتا ہے۔ خطا ہو سکتی ہے۔ جیسے پہچان میں خطا کی بنا پر کوئی قتل ہو جائے یا نشانہ چوک جائے اور کوئی قتل ہو جائے اور وہ مباح الدم نہ ہو، تو کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کی گردن آزاد کرے، اور اس کے واجبات کو ادا کر کے

اسے فارغ کر دے، اور مقتول کے اہل کو خون بہا پہنچائے جس کا تعین اولی الامر نے کیا ہو۔ اگر مقتول کے اہل معاف کریں تو معافی ہو جائے گی۔ اگر مقتول دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو، اور ہو مومن تو پھر کفارہ ایک مومن کی گردن آزاد کرنا ہے۔ اور اگر مقتول ایسی قوم سے ہو جس کا مومنین کے ساتھ میثاق ہو چکا ہو، تو پھر کفارے میں اس کے اہل کو خون بہا پہنچانا اور ایک مومن کی گردن آزاد کرنا شامل ہو گا۔ جسے ناداری کا دعویٰ ہو۔ اس کی تصدیق بھی اولی الامر ہی کا کام ہے۔ نادار دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی مومن کے خطاءً قتل کے بعد توبہ کی صورت رکھی گئی ہے۔ اور اس میں علم و حکمت موجود ہے، جس کا پتہ اندازے سے نہیں چل سکتا۔

حاصل : مومن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے۔ خطا ہو جائے تو کفارے کی ادائیگی اولی الامر کی شہادت سے ہو۔ مومن کے قتل کے کفارے میں ایک مومن کی گردن آزاد کرنا، اور خون بہا دینا کفارہ ہے۔ مومن دشمن قوم سے ہو، تو ایک مومن کی گردن آزاد کرنا کفارہ ہے۔ اگر اس قوم سے ہو جس کا مومنین سے میثاق ہو چکا ہو، تو ایک مومن کی گردن آزاد کرنا اور خون بہا دینا کفارہ ہے۔ نادار کے لئے دو مہینے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہے۔ خطاء کے بعد پاک ہونے کا علم توبہ علیم مطلق اور حکیم مطلق کی بڑی مہربانی ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور جو عمداً مومن کو قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے۔ ہمیشہ اس میں رہے۔ اور اس پر اللہ کا غضب ہوا، اور اس کو لعنت کی، اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار کیا۔

مومن کا عمداً قتل یہ ہے کہ قتل کے ارادے سے اور خوب پہچان کر مومن کو نشانہ بنایا جائے۔ ایسی صورت میں دائرۂ ایمان سے خارج ہونا یقینی ہے۔ کیونکہ مومن کبھی مومن کو قتل نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ اس سے خطأً ایسا ہو جائے۔ اگر عمداً مومن کو قتل کیا جائے اور دعویٰ بھی ہو ایمان کا، تو یہ اپنی خواہش کو اللہ کے حکم پر ترجیح دینے والی بات ہو گی، اور ہمیشہ کے لئے جہنم خرید لینے والی بات ہو گی۔ جو جان بوجھ کر اللہ کے فرمان کے خلاف کرے وہ مغضوب ہوتا ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے، اور اس کے اعمال کے نتیجے میں اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہو گا۔

حاصل : قتل کے ارادے سے اور خوب پہچان کر مومن کو قتل کرنا عمداً قتل ہے۔ اس کی جزا جہنم ہے جس میں قاتل ہمیشہ رہے گا۔ اور عذاب عظیم پائے گا۔ ایسا قاتل مغضوب اور لعنتی ہوتا ہے۔ اس سے مومنین کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ

اے ایمان والو جب تم فی سبیل اللہ چلو، تو

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

تحقیق کر لو اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ تم حیات دنیا کا اسباب چاہتے ہو، تو اللہ کے پاس کثیر غنیمتیں ہیں۔ اس سے قبل تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔ تو تحقیق کیا کرو۔ بے شک اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

ایمان والے جب جہاد فی سبیل اللہ کے لئے چلیں تو لازم ہے کہ کہیں بھی شک و شبہ کی موجودگی میں ضرب نہ لگائیں۔ صداقت و کذب کا فیصلہ تحقیق سے کریں۔ اور جب تک کسی کے کفر کی تصدیق نہ ہو جائے اس پر ہاتھ نہ ڈالیں۔ دشمن قوم کا کوئی فرد سلام کرے تو اسے یہ نہ کہیں کہ تم مومن نہیں ہو، اپنے جان و مال کو بچانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اگر بلا تحقیق کسی پر ضرب لگائی جائے گی تو یہ عدمِ احتیاط کا ثبوت ہو گا۔ اور اسبابِ حیاتِ دنیا کی طلب کا ثبوت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اسباب کس کے پاس ہو سکتے ہیں۔ مغانم کثیرہ وہی عطا کر سکتا ہے، اور کمی اسی کی عطا سے پوری ہوا کرتی ہے۔ اگر کسی مومن میں مبتدی ہونے کی وجہ سے وہ تمام علامات نظر نہ آئیں جو مقربین، شاہدین کی شان کے لائق ہوں تو جاننا چاہئے کہ ابتداً ایسا ہوتا ہی ہے، اور اس سے قبل تم بھی ایسے ہی تھے جب مبتدی تھے۔ اس وقت اگر تم رعایت کے لائق تھے، تو اس نسبت سے پیچھے آنے والوں کے ساتھ تمہیں بہتر مہربانی سے پیش آنا چاہئے۔ جب کوئی اپنی پسند کو کلیتہً شاہد کی رضا پر قربان کر دیتا ہے، تو اس پر رنگ شہودی چڑھ جاتا ہے۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔ تحقیق کی صورت یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ حب الناصحین موجود ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھتا ہے۔ اس لئے اسے ہر ایک کے ہر عمل کی خبر ہوتی ہے۔

حاصل : جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مومن کی ضرب شک و شبہ سے پاک ہونی چاہئے اور عدوّ اللہ پر پڑنی چاہئے۔ اسبابِ حیاتِ دنیا کا معطی اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔ مبتدی مومن کو رعایت دینا حق ہے۔ رنگِ شہودی اللہ کا احسان ہے۔ تحقیق حب الناصحین کو دیکھنے کے لئے کرنی چاہئے، اور پوری احتیاط سے کرنی چاہئے۔

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

مساوی نہیں، بیٹھ رہنے والے مومن جنہیں کوئی بڑا ضرر نہیں اور اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے۔ اللہ نے اپنے اموال و انفس سے جہاد

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾

کرنے والوں کا درجہ بیٹھ رہنے والوں پر بڑھا دیا۔ اور ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کیا۔ اور قاعدین پر مجاہدین کو فضیلت دی اجرِ عظیم میں۔

مومن کو کیسا بھی بدنی نقصان پہنچ جائے، اس کی نیّت خیرات میں سبقت کرنے کی رہنی چاہئے، اور یہ یقین ہونا چاہئے کہ جہاد کی دعوت کا اس تک پہنچنا ہی ثبوت ہے اس بات کا کہ اس کے اندر جہاد کی اہلیت موجود ہے۔ اگر اس اہلیت کو کم سمجھا جائے گا، تو یہ بیٹھ رہنے والی بات ہوگی۔ اگر اہلیت کو کافی سمجھا جائے گا، تو بڑے بڑے مشکل مقامات پر کام کرنے کے لئے اپنی خدمات کو پیش کیا جائے گا۔ اموال سے جہاد پہلا درجہ ہے۔ انفس سے جہاد اس سے اگلا درجہ ہے۔ اور یہ لازم و ملزوم ہیں۔ جو لوگ اپنے بدنی نقصان کے حوالے سے جہاد سے بیٹھ رہتے ہیں، ان پر اپنے اموال و انفس سے جہاد کرنے والوں کی فضیلت ثابت ہے کہ وہ خیرات میں سبقت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ ہے۔ جو اپنے بدنی نقص کو دیکھتے ہوئے جہاد سے بیٹھ رہے، اس پر جہاد کرنے والے کو اجرِ عظیم میں فضیلت ہوگی۔

حاصل : جہاد کی دعوت سن کر بدنی نقص کے باوجود جو اپنی خدمات امیر المومنین کو پیش کر دے، اس کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اجرِ عظیم اسی کو ملتا ہے جو توفیقِ ایزدی کو پورا جانتا ہے، اور کبھی شکایت نہیں کرتا۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع ۱۳ ۵ ۱۰

اسی کی طرف سے درجات اور مغفرت اور رحمت ہے۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

درجات اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھے گئے ہیں۔ جو خیرات میں سبقت کرے گا اسے فضیلت عطا ہوگی، اور جیسے جیسے شاہد کا قرب بڑھتا رہے گا، درجہ بلند ہوتا رہے گا۔ مغفرت یہ ہے کہ توفیقِ ایزدی کو بالکلیہ رضائے الٰہی پر لگانے میں کوتاہی کو بخش دیا جائے۔ اور رحمت یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین سے محبت ہو جائے۔ صورت سے ہی بے صورت کا پتہ چلتا ہے، اس لئے جو صورت بخش دینے اور رحم فرمانے کا شرف رکھتی ہو، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

حاصل : درجات جہاں رکھے جائیں، وہاں بخشش و رحمت بھی ساتھ رہے تو لوگ سلامت رہتے ہیں ورنہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ بخش دینے اور رحم کرنے کا علم شاہد سے سیکھنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں فرمایا ہے :

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

[اور اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی پاک نہ ہوتا۔ ولیکن اللہ پاک کر دیتا ہے جسے چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔]

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ
أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ط قَالُوْا كُنَّا
مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ ط قَالُوْٓا أَلَمْ
تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا
فِيْهَا ط فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ط وَسَآءَتْ
مَصِيْرًا ۹۷

وہ لوگ جنہیں ملائکہ وفات دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے، تو ملائکہ ان سے کہتے ہیں تم کس حال میں تھے۔ عرض کرتے ہیں، ہمیں زمین میں ضعیف کر دیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ تو ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

جو لوگ فرمانِ خداوندی کے خلاف کرتے ہیں، وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ جب ملائکہ ان کی جان نکالتے ہیں، تو ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے۔ یہ لوگ عرض کرتے ہیں : ہمیں زمین میں ضعیف و ناتواں کر دیا گیا تھا۔ اس طرح ہم مجبور تھے وہی کچھ کرنے پر جو طاقتوروں کو پسند ہوتا تھا۔ ملائکہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی، کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ جہاں حق کی ادائیگی میں ماحول سدِّ راہ ہو جائے، وہاں سے ہجرت کرنا حق ہے۔ اگر ہجرت نہ کی جائے، تو یہ حق کو اپنی خواہش پر قربان کرنے والی بات ہو گی، اس کا حاصل جہنّم ہے۔ جس کا حال برا ہے، اس کا مستقبل بھی برا ہو گا۔

حاصل : جہاں حق کی ادائیگی میں ماحول سد راہ ہو جائے، وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے۔ اگر خلافِ حق کرنے والی قوتوں سے اتفاق کر لیا جائے اور ہجرت نہ کی جائے تو اس کا حاصل جہنم ہو گا۔

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ
وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۹۸

مگر وہ جو مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے ضعیف ہیں، جنہیں کسی حیلے کی استطاعت نہیں، اور نہ انہیں کوئی سبیل ملتی ہے۔

وہ لوگ جو حقیقتاً ضعیف ہوں، مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے، اور انہیں کسی تدبیر کی بھی استطاعت نہ ہو، وہ زمینِ کفر سے نکلنے کی نیت ضرور رکھتے ہوں مگر انہیں کوئی سبیل نہ ملتی ہو، تو انہیں عذاب نہیں ہو گا۔

حاصل : کمزور مردوں، عورتوں اور بچّوں کو جو دار کفر سے نکلنا چاہتے ہوں، پوری مدد دینی چاہئے۔ ان کے لئے راہِ نجات نکالنا بڑا کام ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

تو قریب ہے اللہ ایسے لوگوں پر عفو فرمائے۔ اور اللہ عفو فرمانے والا بخشنے والا ہے۔

جو لوگ کمزور ہیں اور طاغوتی ماحول سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں پاتے، انہیں اللہ تعالیٰ اپنے عفو سے بخش دیتا ہے۔ وہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جس قدر توفیق کسی کو میسّر ہے، اسی قدر اس پر حق عائد ہوتا ہے۔

حاصل : جس کو استطاعت کم ہو، اس پر عفو کرنا اور اس سے درگزر کرنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت ہے۔

وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۴

اور جس نے فی سبیل اللہ ہجرت کی، وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلا، پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، تائیدِ ایزدی اسے عطا ہوگی۔ اسے زمین میں بہت جگہ اور بہت آسانی حاصل ہوگی۔ اس کی صداقت روشن ہو جائے گی، اور قدر و منزلت بڑھے گی۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے پھر اسے موت آجائے، تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ جس نے رضائے الٰہی کے لئے اتباعِ رسول میں ہجرت کی، اس نے یقیناً تمام وقتی آسائشوں کو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے چھوڑ دیا۔ اس کی منزل اس کے قدم کے نیچے آجاتی ہے۔

حاصل : جس نے فی سبیل اللہ ہجرت کی اس کی منزل اس کے قدم کے نیچے آجاتی ہے۔ جس نے شاہد کے قریب ہونے کی سعی کی اور اسے موت نے آلیا وہ بخشا گیا، اور رحمتِ الٰہی سے فیضیاب ہوا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم السجدہ میں فرمایا ہے :

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٤٠﴾

[جو چاہو کرو، بے شک وہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔]

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ
اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ
اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ نماز قصر سے پڑھو، اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈالیں گے۔ بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

حالتِ سفر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ آسانی عطا فرمائی ہے کہ نماز قصر سے پڑھی جا سکتی ہے۔ چار رکعت کی جگہ دو رکعت پڑھی جائیں، اور قرأت مختصر ہو، تو یہ نماز قصر سے ہو گی۔ کافروں سے مومنین کو کبھی بھلائی کی توقع نہیں ہوتی، اس لئے ان کے سامنے بھی نماز کو قصر سے پڑھا جائے گا۔ کافر جب بھی مومن کو مدافعت یا جوابی حملے کے لئے تیار نہ پائے تو کافر کا نفس اسے فتنہ و فساد برپا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس صورت میں بھی نماز قصر سے پڑھی جائے گی۔

حاصل : حالتِ سفر میں نماز قصر سے پڑھی جائے گی۔ دشمن کی موجودگی میں بھی نماز قصر سے ادا کی جائے گی۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ
فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ
لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا
فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ
طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا
مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ
وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ
اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ

اور جب آپ ان میں تشریف فرما ہوں تو ان کے لئے صلوٰۃ قائم کیجئے، تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کی معیت میں کھڑا ہو اور چاہئے کہ اپنے اسلحہ لے لیں، تو جب سجدہ کر چکیں، تو ہٹ کر آپ سے پیچھے ہو جائیں، اور اب دوسری جماعت آئے جنہوں نے صلوٰۃ نہیں پڑھی، تو یہ آپ کی معیت میں صلوٰۃ پڑھے، اور اپنی پناہ اور اپنے اسلحہ لئے رہیں۔ اور کافر چاہتے ہیں کہ کہیں تم اپنے اسلحہ اور متاع سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ اور

عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

تم پر گناہ نہیں اگر تمہیں بارش کی وجہ سے اذیت ہو، یا تم مریض ہو، تو اپنے ہتھیار اتار رکھو، اور اپنا بچاؤ لئے رہو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شاہد بنا کر بھیجا، اور آپ سے یہ سلسلۂ شہادت قیامت تک جاری رہے گا۔ شاہد جو حال پر ہو وہ نماز پڑھائے گا۔ صلوٰۃِ خوف کی ادائیگی ایسے ہو گی کہ پوری جماعت دو حصے ہو جائے گی۔ ایک حصہ شاہد کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر سجدہ کر لینے کے بعد پیچھے ہٹ جائے، اور دوسرا جماعت کی جگہ لے لے، اور دوسری جماعت کو شاہد کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع دے۔ حالتِ نماز میں بھی مدافعت کا اہتمام اور اسلحہ ساتھ رہے۔ کافر تو چاہتے ہیں کہ مومنین اسلحہ اور متاع سے غافل ہوں تو ان پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔ ہتھیار اتار رکھنے کی اجازت اس وقت ہے جب بارش کی وجہ سے ہتھیار پہنے رکھنا اذیت دے رہا ہو، یا حالتِ مرض ہو اور ہتھیار اتار رکھنے سے سکھ ملتا ہو۔ لیکن اپنی مدافعت کے لئے جو اہتمام کیا گیا ہو یا جو پناہ اختیار کی گئی ہو، اس کو نہیں اتارا جائے گا۔ مومنین کی نصرت اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ جو مومنین کے ساتھ لڑے گا ذلت اسے گھیرتی چلی جائے گی۔

حاصل : صلوٰۃِ خوف شاہد کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ پہلا گروہ ایک رکعت پڑھ کر پیچھے ہٹ جائے گا اور دوسرے گروہ کو نماز پڑھنے کا موقع دے گا۔ امام دو رکعت کے بعد سلام پھیرے گا۔ اس طرح جو لوگ حالت نماز میں ہوں گے ان کی نماز تو ادا ہو رہی ہو گی، جو پیچھے ہوں گے ان کی بھی ہو رہی ہو گی کہ وہ بھی امرِ الٰہی کی اطاعت میں لگے ہوئے ہوں گے۔ مدافعت کا اہتمام بہرحال لازم ہے۔ اسلحہ اور متاع سے غفلت منع ہے۔ بارش کی وجہ سے اسلحہ اذیت دے رہا ہو تو اتار رکھنا جائز ہے یا حالتِ مرض میں اتار رکھنا جائز ہے۔ مومنین اس یقین سے لڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا ناصر ہے اور ذلت کافروں کا مقدر ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

پھر جب تم صلوٰۃ پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔ پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو صلوٰۃ قائم کرو۔ بے شک صلوٰۃ مومنین پر مقرر وقتوں میں فرض ہے۔

جب صلوٰۃِ خوف ادا ہو جائے، تو کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا لازم ہے۔ اور جب خوف کی حالت ختم ہو جائے اور اطمینان کی حالت قائم ہو جائے تو پھر نماز قائم کی جائے گی۔ اوقاتِ مقررہ پر اور حسبِ معمول۔ اوقاتِ نماز پر نماز پڑھنا مومنین پر فرض ہے۔ وقت سے پہلے وضو کر کے نماز کے لئے تیار رہنا چاہئے تاکہ ادائیگی میں کوتاہی کا امکان ہی نہ رہے۔

حاصل : صلوٰۃِ خوف کے بعد اطمینان کے وقت پھر نماز حسبِ معمول ادا کی جائے گی۔ نماز کے وقت سے پہلے اس کی نیت کی جائے۔ اور وضو کیا جائے تو کوتاہی کا امکان نہیں رہتا

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ ع ١٥

اور ان کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو۔ اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے، جیسا تمہیں پہنچتا ہے۔ اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کیا گیا ہے۔ مومنین کو جب کافروں کا پیچھا کرنے کا حکم ہو، تو انہیں ہمت نہیں ہارنی چاہئے، اور شاہد کے امر کے مطابق ان کا پیچھا کرنا چاہئے۔ مومنین کو یہ شکایت زیب نہیں دیتی کہ ہمیں دکھ پہنچا ہے۔ جس کے ساتھ لڑائی ہوئی ہو دکھ تو اسے بھی پہنچا ہوتا ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے، کافر کو نہ نصرتِ الٰہی کی توقع ہوتی ہے نہ وہ رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہوتا ہے، اس لئے مومن میدانِ جنگ میں کانپتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ مخلصین کا ہر حکم علمِ الٰہی سے ہوتا ہے۔

حاصل : کافروں کا پیچھا کرنے کی ہمت ہمیشہ مومنین کو ہوتی ہے کہ مومن اللہ کی رضا کے لئے لڑتے ہیں اور کافر اپنی اغراض کے لئے لڑتے ہیں۔ شکایتِ تھکن مومن کی شان کے لائق نہیں ہوتی۔ مخلصین کی اطاعت کا حاصل علم و حکمت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا ہے

لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾

[لیکن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے اموال اور انفس سے جہاد کیا۔ اور انہی کے لئے بھلائیاں ہیں، اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔]

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ

بے شک ہم نے یہ کتاب حق تمہاری طرف نازل فرمائی کہ تم لوگوں میں فیصلہ

بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۙ﴿۱۰۵﴾

کرو جیسے اللہ تمہیں دکھائے، اور تم خیانت کرنے والوں کے لئے جھگڑنے والے نہ بنو۔

اس کتاب کا نزول خالقِ کل کی طرف سے ہے، اس لئے یہی حق لوگوں کو ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ شاہد کا مرتبہ دیکھنے کا ہوتا ہے۔ اس کا فیصلہ قیاس پر مبنی نہیں ہوتا، حقائق کے مشاہدے پر مبنی ہوتا ہے۔ خائن کے لئے جھگڑا مومن کی شان کے لائق نہیں ہوتا، کہ مومن کا منشا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہوتا ہے، اور خائن کا منشا اپنی خواہشات کا اتباع ہوتا ہے۔

حاصل: مومن حق پر رہتا ہے، حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اور خلافِ حق کرنے والے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ سے استغفار کرو۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

مومن اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ جہاں اس کو اپنی خطا کا احساس ہو جائے، وہ استغفار کرتا ہے۔ اس استغفار کی حقیقت فیصلے کو حق کے مطابق بناتا ہے۔ جو اپنی خطا کا اعتراف کرے اور اصلاح کو قبول کرے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے، اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

حاصل: فیصلے میں جہاں خطا کا احساس ہو، مومن کو استغفار کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اس کے بندے کو بھی بخشش اور رحم کا رخ ہی زیب دیتا ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ﴿۱۰۷﴾

اور ان کے لئے مجادلہ نہ کرو جو اپنے نفس کو خیانت میں ڈالتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی دغاباز گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔

جو لوگ اپنے نفس کی خواہشات کے تحت دوسرے کے حقوق تلف کرتے ہیں وہ دغاباز ہوتے ہیں۔ جب آگاہی کے باوجود وہ اصلاح کو قبول نہ کریں، استغفار نہ کریں، تو وہ گناہگار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی حمایت کرنا مومن کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔

حاصل: خائن کے لئے جھگڑنا مومن کی شان کے خلاف ہے۔ جسے اللہ ناپسند کرے، لازم ہے کہ اللہ کا بندہ بھی اسے ناپسند کرے۔

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے، اور وہ ان کے پاس ہے جب وہ بات تجویز کرتے ہیں جس سے اللہ راضی نہیں۔ اور اللہ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

دغاباز، لوگوں سے چھپ کر ہی رضائے الٰہی کے خلاف تجاویز میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے۔ اور یہ لوگ جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ سے چھپ کر تجویز کرنا تو ممکن ہی نہیں۔ یہ جو بھی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے کرتے ہیں۔ اور ان پر اس قادرِ مطلق کا احاطہ بھی یقیناً ہے۔ اس لئے ان کی تجاویز انہیں لے ڈوبیں گی۔

حاصل : خائن لوگوں سے چھپ کر رضائے الٰہی کے خلاف تجاویز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان کے اعمال پر احاطہ ہوتا ہے۔ جو خلوت میں اللہ تعالیٰ سے باحیا رہتا ہے، اس کی حیا سچی ہے اور وہ صادق ہے۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

سنتے ہو۔ تم لوگ حیاتِ دنیا میں ان کی طرف سے جھگڑا کرتے ہو، تو قیامت کے دن ان کے بارے میں اللہ سے کون جھگڑا کرے گا، یا کون ان کا کارساز ہو گا۔

جو لوگ حیاتِ دنیا میں خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرتے ہیں اور انہیں سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں جاننا چاہئے کہ قیامت کے دن ان کے بارے میں جزا دینے والے سے کون جھگڑے گا یا کون ان کا کارساز ہو گا۔ جس کی صداقت کی شہادت اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں دی جا سکتی، اس کی صداقت کی شہادت لوگوں کے سامنے بھی نہیں دینی چاہئے۔

حاصل : جو کام رضائے الٰہی کے خلاف ہو، اس کو فوراً چھوڑ دینا چاہئے ورنہ خسارے سے بچنا محال ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

اور جو کوئی برا عمل کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے، اللہ کو بخشنے والا رحم فرمانے والا پائے گا۔

بُرا عمل وہ ہے جس پر صالحین کی شہادت نہ ہو۔ اپنے آپ پر ظلم یہ ہے کہ کسی کی طرف داری میں اس کی صداقت کے علاوہ کسی دوسرے تعلق کو ملحوظ رکھا جائے۔ جب اس کا احساس ہو جائے کہ کسی عمل کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا سے دوری واقع ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : جس عمل کا نتیجہ رضائے الٰہی سے دوری ہو اس کو چھوڑ کر استغفار کرنا چاہئے اور صالحین سے محبت کا رشتہ استوار کر کے اپنے لئے حفاظت کا سامان کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اسی پر پڑے گی۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو دوسرے کے گناہ پر عذاب نہیں کرتا۔ ہر ایک کو اس کے رُخ کے مطابق جزا دی جاتی ہے۔ جس نے غیر کا رخ اختیار کیا اس کی کمائی غیر ہے۔ وہ اپنی کمائی سے بچ نہیں سکتا۔ وہ یقیناً اس پر پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مان لیتا ہے، وہ اس کے علم و حکمت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

حاصل : جس کا رخ گناہ کا ہو اس کی کمائی غیر ہوگی، اور اسی پر پڑے گی۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ
١٦ ع ٨ ١٣ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾

اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے، پھر کسی بے گناہ پر تھوپ دے، تو یقیناً اس نے بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا۔

خطا میں نیت بُری نہیں ہوتی، گناہ میں نیت اچھی نہیں ہوتی۔ جب کوئی اپنی خطا کو کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے، تو اس نے اپنے آپ پر بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا، اور وہ رضائے الٰہی سے بہت دور جا پڑا، اور وقتی نقصان سے بچنے کی کوشش میں اس نے دائمی نقصان کو اپنے لئے مقدر کر لیا۔

حاصل : اپنی خطا کو یا اپنے گناہ کو کسی بے گناہ کے سر تھوپنا دائمی نقصان کو اپنے لئے مقدر کرنا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے :

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

[اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ، اور اسے مانو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے۔ پھر تمہاری نصرت نہ ہو۔]

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی، تو ان میں ایک جماعت تمہیں بہکانے کا قصد کرتی۔ اور وہ اپنے آپ کو ہی بہکا سکتے ہیں اور تمہیں کچھ ضرر نہیں دے سکتے۔ اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور علم بخشا جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

مخلصین کی رفاقت اللہ کا فضل ہے (۴ : ۷۰) سورۃ نساء میں ہی فرمایا گیا ہے : وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ (۴ : ۸۳) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو سوائے قلیل کے تم شیطان کا اتباع کرتے۔ مذکورہ قلیل میں سے اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل نہ مانا جائے تو رسول کا مطاع ہونا بے معنی ہو جائے گا۔ اور رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت فرمایا گیا ہے۔ اس لئے باوجود صیغہ واحد حاضر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں مراد نہیں ہیں۔ وہ مرد مومن مراد ہے، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ محبت کی بدولت اللہ کا فضل اور رحمت عطا ہو۔ منکرین کی جماعت بہکانے کا قصد کرتی ہی ہے۔ مخلصین پر شیطان کا اغواء ممکن نہیں ہوتا۔ جسے مخلصین سے محبت ہو جائے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت اس محب پر محیط ہو جاتی ہے۔ بہکانے کی کوشش کرنے والے ظلمات کی طرف اور بڑھ جاتے ہیں۔ مخلص نفع و ضرر کو باذن اللہ مانتا ہے اس لئے غیر اور اس کا غرور اسے متاثر نہیں کرتا۔ وہ فرمانِ خداوندی سے فیض حاصل کرتا ہے، حکمت و علم سے استقامت پاتا ہے، اور سلامتی سے منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ مخلصین کے ساتھ کا علم نہ جاننے کی وجہ سے ہی لوگ خسارے میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ یہی علم اللہ کا عظیم فضل ہے جو بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتا ہے۔

حاصل : اللہ کا عظیم فضل ہی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتا ہے۔ مخلصین کو بہکانے کی کوشش کرنے والے ظلمات کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

ان کے کثیر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں، مگر جو صدقہ یا بھلائی یا لوگوں کے مابین اصلاح کا امر کرے۔ اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے، اسے جلد ہی ہم اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

مجلس میں بیٹھ کر کسی سے خفیہ مشورہ کرنا آدابِ مجلس کے منافی ہے۔ اس سے لوگوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ شاہدی موجودگی میں کسی دوسرے سے بات نہیں کرنی چاہیئے۔ جس خفیہ بات میں بھلائی ہو، اس کا منشاء رضائے الٰہی ہوگا، اور فرد کو جماعت کے قریب کرنا ہوگا۔ جس کے کان میں بات کی جائے اسے صدقے کا امر دیا جائے، یا اسے بھلائی کی بات بتائی جائے کہ اس کے علم میں اضافہ ہو اور وہ حقِ خدمت کو بہتر طور پر ادا کر سکے، یا کسی کی سختی کو نرمی میں بدل کر اصلاح بین الناس کی جائے۔ یہ کمزور کو آسرا دینے والی بات ہے۔ اور یہ رضائے الٰہی کے لئے ہو، تو اس کا بڑا اجر دیا جاتا ہے۔ یہ لازم ہے جو نجوئ خیر نہیں، وہ نجوئ شیطانی ضرور ہے۔

حاصل : نجوئ خیر میں صدقے کا امر، معروف کا امر اور اصلاح بین الناس کا امر داخل ہے۔ مقصود رضائے الٰہی ہوگا۔ اس کے علاوہ جو بھی ہوگا، نجوئ شیطانی ہوگا۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝١١٥ ع ۱۷ ۱۴

اور جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے، بعد اس کے کہ اس پر سیدھی راہ کھل چکی، اور مومنین کی راہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم میں ڈالیں گے۔ اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات لوگوں کی بھلائی کے لئے ہوتی ہے اور اس میں اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے۔ مومنین ہر مقام پر امرِ الٰہی کے تابع رہتے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالص محبت رکھتے ہیں۔ اس طرح ایک جماعت بنتی جاتی ہے۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کے اعتبار سے معیارِ مطلق جان لینے کے بعد من مانی کرے وہ مخالفت کی بدولت اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کی منزل جہنم ہوگی۔ اور یہ بری جگہ ہے پلٹنے کی کہ یہ توفیق دینے والے کی رضا کے خلاف کرنے کا انجام ہے۔

حاصل : رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کے اعتراف کے بعد جو من مانی کرے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اور وہ جہنم کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص میں فرمایا ہے :

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝٨٣

[یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے ٹھہراتے ہیں، جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے، اور فساد نہیں چاہتے۔ اور عاقبت متقین ہی کی ہے۔]

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک کرے۔ اور اس سے ہٹ کر جو ہے جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا، تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

شرک یہ ہے کہ اللہ کو شاہدین کے حوالے سے ماننے کی بجائے، اپنی پسند کے مطابق مانا جائے۔ یہ گناہ کا طوفان باندھنے والی بات ہے۔ یہ ہمارے عدوٌّ مبین کی طریقت ہے۔ اس لئے ناقابلِ بخشش ہے۔ شاہدین کو تسلیم کرنے والا اور اللہ کو ان کے حوالے سے ماننے والا جو بھی کرے قابلِ معافی ہو گا، کہ وہ شرک سے بہرحال پاک ہو گا۔ جس نے شرک کیا اس نے اللہ کے مقرر کردہ معیار کے مقابل اپنی پسند کو معیار بنایا۔ وہ شیطان کے ساتھ ہو گیا۔ شیطان کے ساتھ کو دور کی گمراہی کہتے ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کو شاہدین کے حوالے سے ماننے کی بجائے اپنی پسند کے مطابق ماننا شرک ہے، اور ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ جو شیطان کے ساتھ نہیں ہے، وہ متکبر نہیں ہے، اور قابلِ بخشش بھی ہے۔ جو شیطان کے ساتھ ہے، وہ دور کی گمراہی میں ہے۔

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنٰثًا ۚ وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطٰنًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾

اللہ کے مقابل نہیں پکارتے مگر عورتوں کو۔ اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو۔

مشرکین ملائکہ کو عورتیں ٹھہراتے ہیں، حالانکہ وہ عباد الرحمٰن ہیں۔ (۴۳ : ۱۹) اللہ کے مقابل جس کو بھی پکارا جائے گا وہ بے علمی اور اٹکل دوڑانے والی بات ہو گی۔ عورت کا درجہ طالب کا ہوتا ہے۔ مشرک اسے مطلوب بنا لیتے ہیں۔ یہ طلب مشرک کو بقا سے دور کر دیتی ہے اور اسے سٹے بنا کر فنا کے حوالے کر دیتی ہے۔ اللہ کی پسندیدہ صورت کے مقابل اپنی پسند کو منتقل کرنا شیطان سرکش کو پکارنا ہے۔

حاصل : مشرک کی بات بے علمی اور اٹکل پر مبنی ہوتی ہے۔

لَعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وقف لازم

جس پر اللہ نے لعنت کی۔ اور بولا میں ضرور تیرے بندوں سے مقررہ حصہ لوں گا۔

جو عمداً فرمانِ خداوندی کے خلاف کرے وہ لعنتی ہوتا ہے۔ (۴ : ۹۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت یہ ہوتی ہے کہ وہ

ملعون کو حق سے بہرا کر دیتا ہے، اور اندھا کر دیتا ہے (۴۷ : ۲۳) تاکہ طالبانِ فلاح اپنی حفاظت بھی کر سکیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی عدوٌ مبین کے اتباع سے بچانے کی سعی کریں۔ شیطان نے حکم خداوندی کو نہ مان کر سرکشی کی، اور حکم کو ماننے کی بجائے جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس طرح اللہ کو تسلیم کرنے کے دعوے میں جھوٹا ثابت ہو گیا، اور اپنے گناہ کو دیکھنے کے بعد کہنے لگا : میں ضرور تیرے بندوں سے مقررہ حصہ لوں گا۔ یہ لعنتی کی نشانی ہے کہ جس سے اسے علم حاصل ہو، اس کے ساتھیوں کا بدخواہ ہوتا ہے۔

حاصل : ملعون حق سے بہرا اور اندھا ہوتا ہے۔ اسے جس سے علم حاصل ہو اس کے ساتھیوں کا بدخواہ ہوتا ہے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۞ ۱۱۹

اور ضرور انہیں بہکاؤں گا، اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا، اور ضرور انہیں امر دوں گا کہ چوپایوں کے کان چیریں، اور ضرور انہیں امر دوں گا کہ خلق اللہ کو متغیر کریں۔ اور جس نے اللہ کے مقابل شیطان کو ولی بنایا تو وہ صریح خسارے میں پڑا۔

ملعون کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ شیطان کا کام ہے بہکانا، زینتِ حیاتِ دنیا میں تکاثر کی آرزوئیں دلانا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مقابل لوگوں کو ان کے آباء کی راہ پر ڈالنا، اور اس طرح انہیں علم اور ہدایت سے دور کرنا (۵ : ۱۰۴) اور دینِ قیم کو بدلنے کا امر کرنا۔ (۳۰ : ۳۰) یہ سب کام لوگوں کو خوف و حزن میں گھیرنے کے لئے ہوتے ہیں، اور مخلصین کے مقابل شیطان کو دوست بنانے سے ہوتے ہیں۔ اس سے بڑا اور کوئی خسارہ نہیں۔ بھٹکنے میں پہلا درجہ آرزو کا ہوتا ہے۔ حال کی ناشکری اور مستقبل کی طرف غیر حوالے سے دیکھنا ضروری ہے۔ اس سے عدم توکل پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد علمِ خیر کے مقابل علمِ غیر کی شکل بنتی ہے، اور بھٹکنے والا غیر کام میں لگ جاتا ہے۔ کسی چیز کو اس کے منشاء تخلیق کے مطابق استعمال کرنا مخلصین کے اتباع سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر راستہ خلق اللہ کو تبدیل کرنے کی کوشش کی طرف جاتا ہے۔ صریح خسارہ یہ ہے کہ خوف و حزن سے نجات کی راہ ہی مسدود ہو جائے۔

حاصل : تکاثر کی آرزو، علمِ حقیقی کے مقابل اپنے آبا کی پیروی، اور خلق اللہ کو اس کے منشاء تخلیق کے مقابل اپنی خواہشات کے تحت تبدیل کرنا شیطان دوستی کا ثبوت ہے۔ اس طرح خوف و حزن سے نجات کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ

انہیں وعدہ دیتا ہے۔ اور ان کو آرزوئیں

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

دلاتا ہے۔ اور شیطان انہیں فریب کا ہی وعدہ دیتا ہے۔

شیطان کا وعدہ دینا اور امید دلانا نفس کو اس لئے پسند ہوتا ہے کہ اس میں تفاخر موجود ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی کو جب بھی اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق استعمال کیا جائے، رضائے الٰہی کی خلاف ورزی ہوگی، اور اللہ سے دوری بڑھے گی۔ یہی غرور ہے۔

حاصل : جس وعدے اور آرزو کا نتیجہ قربِ الٰہی ہو، وہ حق ہے۔ دوسرا ناحق ہے اور غرور ہے۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔

غرور کا حاصل جہنم ہے۔ یہ انسان کے اپنے کئے کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ اس سے بچ جانا اور اس سے بھاگ جانا ممکن نہیں۔

حاصل : جو نتیجہ پسند نہ ہو، اس کی طرف جانے والی راہ کو فوراً چھوڑ دینا چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے، انہیں ہم جلد ہی باغوں میں داخل کریں گے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اور اللہ سے بڑا سچا فرمان کس کا ہے۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے، اسے معیتِ حق کا انعام ملتا ہے۔ جنّت اس کا مقام ہوتا ہے، جس میں دائمی بہار موجود ہوتی ہے۔ اسی میں ہمیشہ اسے رہنا ہے۔ اللہ کا وعدہ دعوتِ فلاح ہے، اور کسی غرض و غایت کیلئے نہیں ہے۔ وعدۂ حق کی یہی شان ہے۔ اللہ احتیاج سے پاک ہے۔ ہر شے کا مالک ہونے کے باوجود کسی شے کو اپنے لئے مخصوص نہیں کرتا۔ اس لئے اس سے بڑا سچا کوئی نہیں ہو سکتا۔ سچا جو بھی ہوگا، اللہ کے ساتھ ہوگا جو سب سے بڑا سچا ہے۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ سچا جنّتی ہوتا ہے۔

ہمارے وعدے کی حقیقت دعوتِ فلاح ہونی چاہیئے۔ صادق ہمیشہ اصدق کے ساتھ ہوتا ہے۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو برا عمل کرے گا اس کی جزا پائے گا۔ اور اللہ کے مقابل نہ کوئی اپنا دوست پائے گا نہ مددگار۔

یہ وعید کفار کے لئے ہے کہ کسی کی امید پر خیر کا انحصار نہیں ہے۔ جو برا عمل کرے گا، اس کی جزا پائے گا۔ جو عمل غرور پر مبنی ہو وہ یقیناً برا ہے۔ اس کی جزا بھی ویسی ہی ہوگی۔ برے عمل والا جزا دینے والے قادر مطلق کے سامنے کسی کی ولایت و نصرت نہ پائے گا۔ جو اللہ کے دوست کو نہ چاہے اللہ اسے نہیں چاہتا۔ دوستی وہی دائمی ہے، جس کی بنیاد تقوے پر ہو۔ اس کے علاوہ ہر دوستی کا حاصل دشمنی ہے۔

حاصل : جزا کسی کی امید اور آرزو سے نہیں بنتی۔ جو برا عمل کرے گا، مغرور ہو گا، اور اپنے کئے کی جزا سے بچ نہ سکے گا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

اور جو صالح عمل کرے، مرد ہو یا عورت، اور ہو مومن، تو وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے. اور انہیں تل بھر تکلیف نہ ہو گی۔

صالح عمل وہ ہوتا ہے جس میں اللہ کی پسند کو پسند کیا جائے، اور ناپسند کو ناپسند کیا جائے۔ ایسا کرنے والے مرد اور عورتیں سب جنتی ہیں۔ جو رضائے الٰہی کے علاوہ کسی طرف دیکھتے ہی نہیں انہیں تل بھر تکلیف بھی نہیں ہوگی۔

حاصل : جو عنداللہ اکرم ہے، اس کی تکریم سے اور اس کے اتباع سے عملِ صالح ثابت ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی مرد اور عورتیں جنتی ہیں۔ جس کی نظر رضائے الٰہی کے علاوہ کسی طرف نہ اٹھے، اسے جزا کے دن تل بھر تکلیف بھی نہ ہوگی۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ

اور اس سے احسن دین کس کا جس نے اللہ کے لئے اپنے رخ کو جھکا دیا ہو اور ہو محسن اور اتباع کرے ملت ابراہیم حنیف

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾

(علیہ السلام) کا۔ اور اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دوست ٹھہرایا۔

جس کا دین احسن ہو، اسی کے ساتھ سے حسنِ عمل عطا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ عنداللہ مقبولیت کا معیار یہی ہے کہ رخ ہر مقام پر اللہ کی رضا کا ہو، عملاً احسان کیا جائے، اور علیٰ ملّتِ ابراہیم حنیف علیہ السلام کا اتباع کیا جائے۔

حاصل : جس کا مقصود ہر مقام پر رضائے الٰہی ہو، جو عملاً یہ نہ دیکھے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کر رہے ہیں یہ دیکھے کہ اسے لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، اور علیٰ ملّتِ ابراہیم حنیف علیہ السلام کا اتباع کرے، اللہ کے نزدیک اس کا دین احسن ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ ١٨
ع ١١ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾ ١٥

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کا احاطہ ہر شے پر ہے۔

خالقِ کل اللہ ہے۔ وہی رب العالمین ہے۔ اس لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کچھ اسی کا ہے۔ ہر شے پر اس کا احاطہ ہے، علم کے اعتبار سے بھی اور قدرت کے اعتبار سے بھی۔ امر بھی اسی کا غالب ہے۔ قدرت بھی اسی کی کامل ہے۔ اب اگر کوئی کسی شے کو تصرّف میں لاتے ہوئے حدود اللہ سے تجاوز کرتا ہے، تو وہ یقیناً خسارے میں پڑے گا۔

حاصل : ہر شے کو تصرّف میں لاتے ہوئے حدود اللہ کا احترام کرنا لازم ہے اور اسی میں فلاح ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم السجدہ میں فرمایا ہے :

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾

[فرما دیجئے : بھلا بتاؤ اگر یہ عنداللہ ہے پھر تم اس کا انکار کرتے ہو، تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو دور کی ضد میں ہے۔]

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاۗءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور آپ سے عورتوں کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں۔ فرما دیجئے : کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اور جو تم

فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

پر کتاب میں پڑھا جاتا ہے ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے، جن کو تم جو کچھ ان کے لئے اور ناتواں بچوں کے لئے لکھا گیا ہے نہیں دیتے، اور ان کے نکاح کی رغبت بھی نہیں رکھتے۔ اور یہ کہ یتاما کے لئے انصاف قائم کرو۔ اور جو بھلائی کرو گے تو اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے۔

انسانی عقل سے پیدا ہونے والا دستور عدل و انصاف کے قائم کرنے میں مانع ہوتا ہے۔ کم لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور زیادہ کو اس سے دکھ پہنچتا ہے۔ جب علم حقیقی کے حصول کا یقین ہو تو ایسی مشکلات کے بارے میں سوال کرنا قدرتی بات ہے۔ میراث ان کا حق سمجھا جاتا تھا، جو دشمنوں سے لڑیں، اور غنیمت کا مال لائیں۔ اس طرح یتیم عورتوں اور ناتواں بچوں کی حق تلفی ہوتی تھی۔ فتویٰ پوچھا گیا تو ارشاد ہوا کہ یتیم عورتوں کے ساتھ نکاح کی رغبت اور یتاما کے لئے انصاف قائم کرنا بھلائی کا فعل ہے۔ یتیم اور بے سہارا عورتوں سے نکاح کی طرف رغبت ہو، تو معاشرے میں پاکیزگی اور زندگی کا عمل بڑھتا ہے، اور یتاما کے ساتھ انصاف کیا جائے تو ہر فرد کو احساسِ حفاظت میسر آتا ہے۔ جب بھی لوگوں کو اپنی اور اپنی نسلوں کی فلاح کا یقین ہو جائے حسن معاشرت کی اعلیٰ مثالوں کا مشاہدہ عام ہو جاتا ہے۔ جس کا رخ خیر کی طرف ہو اس کا عمل خفی ہو یا جلی، اللہ اس کا پورا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل: علم حقیقی کا حصول ممکن ہو، تو انسانی تجویز سے بننے والے دستور پر فتویٰ پوچھنا چاہئے۔ یتیم لوگوں کو ان کا حق دینے کے ساتھ ان کی اس قدر تکریم کرنی چاہئے کہ کسی کو ان کے ساتھ جھگڑا کرنے کا خیال بھی نہ آئے، تب انصاف قائم ہو گا۔ بھلائی خفی ہو یا جلی، اللہ اس کا پورا علم رکھنے والا ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۚ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ

اور اگر کسی عورت کو شوہر کے نشوز یا اعراض کا ڈر ہو، تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں، اور صلح بہتر ہے۔ اور انفس کے سامنے حرص موجود ہے۔ اور اگر تم احسان کرو، یا تقویٰ کرو، تو اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے۔

اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۲۸﴾

جب کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو، تو ان دونوں کو شبہات کے ازالے کی کوشش کرنی چاہئے کہ یہی صلح کی بنیاد ہے۔ اور صلح ہی بہتر ہے۔ اس صلح کے لئے طرفین اپنے حقوق کا بار کم کر دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ یہ صلح کے پیشِ نظر ہو گا۔ نفس شح اور حرص میں مبتلا ہونے کی وجہ سے عدم احسان اور عدم تقویٰ کے مظہر بن جاتے ہیں شح سے بچنے والا ہی فلاح پاتا ہے۔ (۵۹ :۹) احسان یہ ہے کہ اپنا حق چھوڑنے سے اگر دوسرے کو راستہ ملتا ہو، تو اپنا حق چھوڑ دیا جائے، اور تقویٰ یہ ہے، کہ دوسرے کے عمل سے ہمارے عمل کا رخ نہ بدلے۔ پیشِ نظر رضائے الٰہی ہی رہے۔ عملاً اللہ کو خبیر ماننے والے ایسا ہی کرتے ہیں۔

حاصل : شبہات کے ازالے کی کوشش اور اپنے حقوق کا بار کم کرنا کوئی گناہ نہیں۔ صلح بہتر ہے۔ حرص غالب ہو تو احسان و تقویٰ نہیں ہو گا۔ احسان و تقویٰ ہو، تو اللہ تعالیٰ کو خبیر ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

اور تمہیں عورتوں کے مابین عدل کی استطاعت نہ ہو گی اگرچہ اس کی حرص کرو۔ تو یہ نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ، پھر دوسری کو معلق چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ کرو تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

بیویوں کے مابین عدل کرنا خاص کر جب ان کے نفس پر شح کا احاطہ ہو محال ہے، چاہے مرد کو اس کی کتنی ہی تمنا ہو۔ مرد پر یہ لازم ہے کہ وہ ایک طرف ہی نہ جھک جائے، کہ دوسری کو معلق ہونے کا احساس گھیر لے۔ بیویوں کی ضروریاتِ زندگی کا اہتمام ایسے ہو کہ ان کے مابین توازن برقرار رہے، تو یہ اصلاح کرنے کی صورت ہو گی۔ اور ہر ایک سے تعلق رضائے الٰہی کے تابع ہو تو یہ تقویٰ ہو گا۔ جہاں یہ صفاتِ حسنہ ہوں گی وہاں بخشش اور رحمت کا پہرہ ہو گا۔

حاصل : بیویوں کے مابین عدل بھاری کام ہے۔ توقعات اور خواہشات کے مابین عدل کرنا محال ہے۔ مرد کو بیویوں کی ضروریاتِ زندگی کا اہتمام کرنے میں توازن رکھنا چاہئے اور اللہ کی رضا کے تابع رہنا چاہئے، تبھی وہ اللہ کی بخشش اور رحمت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں، تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو غنا دے گا۔ اور اللہ

حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وسعت والا حکمت والا ہے۔

زوجین کو ایک دوسرے سے شکایات ہی رہیں، اور اصلاح محال ہو جائے، تو پھر تفریق ہی حل ہو گا۔ جب دونوں جدا ہو جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو غنا دے گا۔ ایسی صورت میں طبائع کا قناعت پسند ہو جانا بھی یقینی ہو جاتا ہے، کہ سابقہ تجربے کی روشنی میں احتیاط کا بڑھ جانا ضروری ہوتا ہے۔ اللہ سے اعانت طلبی بھی بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آسانیاں عطا فرما دیتا ہے کہ وہ وسعت والا حکمت والا ہے۔

حاصل : جب اصلاح محال ہو، شکایات بڑھتی جائیں تو زوجین کا ایک دوسرے سے الگ ہو جانا دونوں کے لئے اچھا ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

اور اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور ہم نے وصیت کی جنہیں تم سے قبل کتاب عطا ہوئی، اور تمہیں بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اگر کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ غنی ہے حمد والا۔

خالق کل اللہ ہی ہے۔ اس لئے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو بھی فرمایا گیا ہے اور جب بھی فرمایا گیا ہے لوگوں کی بھلائی کے لئے فرمایا گیا ہے۔ اللہ کا خوف بڑھے تو یہ علمِ حقیقی کے بڑھنے کی سند ہے۔ جہاں بھی اشیاء کے استعمال میں رضائے الٰہی مطلوب ہو گی، راستہ آسان ہو جائے گا۔ خوف و حزن دور رہے گا اور راحت بھی حاصل ہو گی۔ اگر رضائے الٰہی کی مخالفت کا رخ ہو گا، تو نقصان کفران کرنے والے کا ہی ہو گا، کہ اللہ تو احتیاج سے پاک ہے اور ہر ایک کو علم سے پالنے والا ہے۔

حاصل : اللہ کی رضا مطلوب ہو، تو اللہ کا خوف ہو گا۔ اللہ کا خوف ہو گا، تو راستہ آسان ہو جائے گا اور منزل قدم کے نیچے آ جائے گی۔ ورنہ مشقت گلے پڑ جائے گی۔ رضائے الٰہی تو لوگوں کو آسانیاں عطا کرنے کے لئے ہے، اور فرد و معاشرے کی زندگی میں توازن پیدا کرنے کے لئے ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

اور اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے وکیل۔

جب مالکِ کل اللہ ہے، علیمِ مطلق بھی وہی ہے، تو اس سے بڑا کارساز اور کفایت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ جہاں، جب، جیسی اور جس قدر ضرورت ہوگی، اللہ پوری کر سکتا ہے۔ اور اسے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔

حاصل : زندگی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سے ہی یہ تیقن پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بنایا ہے، بندے کے لئے بنایا ہے، اور بندے کو اپنے لئے بنایا ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

اے لوگو، وہ چاہے تو تمہیں لے جائے، اوروں کو لے آئے۔ اور اللہ کو اس پر قدرت ہے۔

جو لوگ حال پر ہیں، یہ بھی اپنی تجویز سے یہاں نہیں آئے، اور ان کی رخصت بھی ان کی پسند اور ناپسند کے تابع نہیں ہے۔ جو قادرِ مطلق ان کو یہاں لایا ہے، یہاں پال رہا ہے، وہ ان کی جگہ دوسروں کو لانے پر بھی قادر ہے۔

حاصل : زندگی معیّتِ حق میں نہ گزر رہی ہو، تو یقیناً بے حقیقت ہوتی ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹ ۸ ۱٦

جو ثواب دنیا کا ارادہ کرے، تو اللہ ہی کے پاس ہے ثوابِ دنیا و آخرت، اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

راہِ عمل کے انتخاب میں ہی انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ اگر رضائے الٰہی مقصود نہ ہوگی، تو صرف دنیوی فائدہ ملحوظ ہو گا، جو رب العالمین کی طرف سے رکھا ہی انسان کے لئے گیا ہے۔ اگر رضائے الٰہی مطلوب ہوگی تو ثوابِ دارین حاصل ہو گا، کہ عمل زندہ رہے گا۔ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہی ہر مقام پر بندے کو پورا رکھ سکتا ہے۔

حاصل : ہمارا سننا اور دیکھنا رضائے الٰہی کے تابع ہو، تو ہمارا عمل زندہ ہو گا، اور انعام اس کا ثوابِ دارین ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا میں ارشاد فرمایا ہے :

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾

[تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین، ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں، یا ان پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں۔ بے شک اس میں نشانی ہے، ہر رجوع لانے والے بندے کے لئے۔]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾

اے ایمان والو انصاف قائم رکھو اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے اگرچہ معاملہ تمہاری ذات یا والدین اور اقربین کا ہو۔ اگر کوئی غنی ہے یا فقیر ہے تو اللہ ان دونوں کا بڑا خیر خواہ ہے۔ تو اپنی خواہش کا اتباع نہ کرو تاکہ عدل کر سکو، اور اگر تم پیچ دار بات کرو یا اعراض کرو، تو بے شک اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

انصاف یہ ہے کہ اللہ کی پسند کے مقابل ہماری پسند ساکن ہو جائے۔ دوسروں کے معاملات میں جہاں منصف طرفین سے کوئی قرابت نہ رکھتا ہو، انصاف کرنا اور امرِ الٰہی کے مطابق رہنا نسبتاً آسان ہوتا ہے مگر اس سے انصاف قائم نہیں ہوتا۔ انصاف تبھی قائم ہوتا ہے کہ انصاف کرنے والا اپنی ذات یا والدین اور اقربین پر گواہی دیتے وقت بھی رضائے الٰہی کی طرف پورا جھکا رہے، اور کسی کے غنا و فقر کو بھی نہ دیکھے کہ یہ بھی اللہ سے تقدم ہو گا۔ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ عدل نہیں کر سکے گا۔ جو اپنی خواہشات کا اتباع نہ کرے گا وہ انصاف قائم کرنے والا ہو گا۔ انصاف قائم ہو تو معاشرے میں محاسن بڑھتے ہیں۔ قوتِ کار کردگی بڑھتی ہے۔ افراد کے مابین روابط خوف سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نور پھیلتا چلا جاتا ہے، اور ظلمت سمٹتی چلی جاتی ہے۔ جب خواہش لطیف صورت اختیار کر لے تو پھر پیچ دار بات کی صورت پیدا ہوتی ہے یا حق سے اعراض کیا جاتا ہے۔ جب بات میں اپنی مرضی کے معنی پیدا کرنے کے لئے ذو معنی الفاظ استعمال کیے جائیں تو اس بات کو پیچ دار بات کہتے ہیں۔ اور جب انصاف طلب کرنے والے کو سارا نہ دیا جائے تو یہ حق سے اعراض ہوتا ہے۔ اللہ ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ اسے ہر ایک کے عمل کی پوری پوری خبر ہے۔

حاصل : اپنی ذات، والدین اور اقربین پر گواہی دیتے ہوئے رضائے الٰہی کی طرف پوری طرح جھک جانے سے اور کسی بھی رعایت کے نہ طلب کرنے سے انصاف قائم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تقدم کبھی انصاف نہیں ہو سکتا۔ خواہش کی پیروی سے نجات ہو، تو انصاف ممکن ہوتا ہے۔ پیچ دار بات یا اعراض، توکّل کی عدم موجودگی کا ثبوت ہو گا۔ عمل صالح ہو تو اللہ تعالیٰ کو خبیر ماننے کا ثبوت ملے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾

اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو، اور اس کتاب کو جو اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی اور اس کتاب کو جو اس سے قبل نازل فرمائی، مانو۔ اور جو اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتب اور اس کے رسل (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور یوم آخر کو نہ مانے یقیناوہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

قول پہلا درجہ ہے۔ عمل دوسرا درجہ ہے۔ علم تیسرا درجہ ہے۔ اور ان تینوں مدارج پر پورا رہنے والے کو مخلص ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ ایمان کا دعویٰ زبانی اقرار سے ثابت ہو گا۔ اس اقرار پر عملاً پورا رہنے سے یہ دعویٰ سچا ثابت ہو گا۔ ایمان کے دعویداروں پر واضح فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانو، اس کتاب کو مانو جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور ان کتب کو بھی مانو جو اس سے قبل نازل ہوئیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا یہ ہے کہ ان کی رضا کو ہر مقام پر احق مانا جائے۔ اور اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے علاوہ کسی بھی مقام پر کچھ مقصود نہ ہو۔ قرآن پاک کو ماننا یہ ہے کہ یہ متقین کے لئے ہدایت، رحمت اور شفا ہے۔ اور شک و کجی سے پاک ہے۔ اور انبیائے سابقین پر نازل ہونے والی کتابوں کا مصدّق ہے۔ اللہ کی طرف سے جو بھی نازل فرمایا گیا ہے وہ حق ہے۔ ماضی حال کی بشارت دیتا ہے۔ حال ماضی کی تصدیق کرتا ہے۔ حکم ماننا یہ ہے کہ اس کو سنا جائے، اور اس پر عمل کیا جائے، اور اس کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ جو اللہ، اس کے ملائکہ، اس کی کتب، اس کے رسل اور یوم آخر کا انکار کرے گا وہ فلاح کے راستے سے دور جا پڑے گا۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو وہ خاسرین کی طرح استعمال کرے گا۔

حاصل : جس دعوے کے ساتھ شہادت نہ ہو وہ دعویٰ سچا ثابت نہیں ہوتا۔ عملاً ایمان یہ ہے کہ رضائے الٰہی اور رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ حکم خداوندی کو اپنی سمجھ کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کرے۔ جن امور کی تسلیم میں فلاح ہے، ان کے انکار میں یقیناً خسارہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾ ؕ

بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر کفر میں اور بڑھے، اور اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا، اور نہ ان کے لئے ہدایت کی سبیل

ہو گی۔

ایمان قول کے درجے میں ہو، تو اس کی حقیقت اقرار ہے زبان سے۔ اگر عہد و اقرار کو پورا کیا جائے تو دعویٰ ایمان سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر منیب کے اتباع کے مقابل من مانی کی جائے تو اس سے ایمان کے عہد کی نفی ہو جائے گی۔ حالات کے تھپیڑے سے اگر پھر تسلیم کی طرف آنا ہو جائے، اور یہ عہد کیا جائے کہ اب اپنی مت کو ساکن رکھنا ہے اور بہتر جاننے والے کی ماننی ہے، اور بغیر جانے ماننی ہے، تو یہ دعویٰ ایمان کا اعادہ ہو گا۔ اس کے بعد ایسے مواقع یکے بعد دیگرے آئیں گے، جہاں یہ دیکھا جائے گا کہ وفائے عہد ہو رہا ہے یا اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ پھر من مانی ہو گی تو یہ کفر ہو گا، اور خواہشات نفس کی حکومت وجود پر بڑھتی جائے گی۔ یہ ناقابل بخشش بات ہے۔ یہ فسق ہے، اور فاسق کے لئے ہدایت نہیں رکھی گئی۔

حاصل : حکم ہے وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ۔ (۱۵:۱۳) جس منیب کے اتباع سے ہدایت کو مانا جائے، پھر من مانی کی جائے، پھر مانا جائے اور من مانی بڑھتی ہی جائے، تو انسان فاسق ہو جاتا ہے، بخشش اور ہدایت سے دور ہو جاتا ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ﴿۱۳۸﴾

منافقین کو بشارت دیجئے کہ ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

جو ماننے کے دعوے کے بعد نہ مانے اور بہتر جاننے والے کے اقرار کے بعد من مانی کرے وہ منافق ہوتا ہے۔ جو علم کے مقابل اپنی خواہش کے اتباع میں راحت تلاش کرتا ہے، وہ المناک عذاب کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اس کو اس کے انجام کی خبر دینی چاہئے۔

حاصل : منافق کو اس کے انجام کی خبر دی جائے، تو مخبر صادق کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ﴿۱۳۹﴾

وہ جو مومنین کے مقابل کافرین کو دوست بناتے ہیں، کیا ان کے ہاں عزت کے متلاشی ہیں۔ تو عزت سب اللہ کی ہے۔

عزت اللہ کی ہے، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اور مومنین کی ہے، اور منافقوں کو علم نہیں (۸ : ۶۳)۔ جو مومنین کی صف میں شمار ہو گا، باعزت ہو گا، جو ان کے مقابل کافروں کے ہاں عزت ڈھونڈے گا، وہ منافق ہو گا اور بے عزتی کی طرف جا رہا ہو گا۔

حاصل : جو مومنین کے مقابل کافروں کی دوستی چاہے، وہ منافق ہے اور عزت کی راہ پر بھی نہیں ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۝۱۴۰

اور بے شک کتاب میں تم پر نازل ہو چکا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کا انکار اور استہزاء سنو تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو، حتیٰ کہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوں۔ ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو گے۔ بے شک اللہ منافقین اور کافرین کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

کافروں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی دعوت دینا مومنین کی شان ہے۔ مگر جب کافر حق کو سننے کی بجائے اس کے انکار و استہزاء میں لگ جائیں، تو وہ لینے کے درجے میں نہیں ہوتے۔ اس وقت دینے والوں کو ان کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے۔ حق کی عدم تسلیم کفر ہے اور اسے اپنی خواہش کے مطابق معنی دینے کی کوشش استہزاء ہے۔ یہ دونوں باتیں وقوف کی راہ کو مسدود کرتی ہیں۔ اس صورت میں ان کے پاس بیٹھنا معصیت ہے۔ اگر دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں تو ان کے پاس بیٹھنا درست ہے کہ اس وقت ان پر شوکت نفس کا پہرہ نہیں ہوتا۔ منافقین اور کافرین اللہ کی رضا کے مقابل اپنے علم کو کافی جانتے ہیں اور رضائے الٰہی کے خلاف کرنے کی بدولت جہنم کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، وہیں انہیں اکٹھا کیا جائے گا۔

حاصل : جب لوگ حق کا انکار و استہزاء کر رہے ہوں، تو مومنین کا ان کے ساتھ بیٹھنا معصیت ہے۔ جب کوئی لینے کے درجے میں ہو تو دینے والے کو دیکھتا ہے۔ کافر و منافق کا انجام جہنم ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ښ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱ ع ۲۰ ۷ ۱۷

وہ جو تمہاری تاک میں ہیں، تو اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ہو تو کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ اور اگر کافروں کا حصہ ہوں تو کہتے ہیں: کیا ہم نے تمہیں گھیر نہ لیا تھا اور ہم نے تمہیں مومنین سے بچایا۔ تو اللہ قیامت کے دن تمہارے مابین فیصلہ کر دے گا۔ اور اللہ کافروں کو مومنین پر کوئی راہ نہ دے گا۔

منافق مفاد پرست ہوتا ہے۔ مومنین کی فتح ہو تو ان سے اپنی خواہش کے تحت طلب کو بیان کرتے ہوئے اپنے ساتھ کا

ذکر کرتا ہے۔ اگر مقصود جہاد رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ اور ہو تو یہی منافقت ہے۔ رضائے الٰہی مطلوب ہو تو پھر کوئی سوال باقی نہیں رہ جاتا۔ کافروں کو بھی کبھی رعایت مل جاتی ہے اور یہ اصلاح کی طرف آنے کے لئے مزید مہلت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھانا بھی کافروں کو راہ راست پر لا سکتا ہے۔ کافروں کو وقتی فائدہ پہنچا ہو تو منافق ان سے بھی اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور انھیں اپنی خدمات یاد دلاتے ہیں۔ جب اعمال کی جزا دی جائے گی تو فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر پتہ چل جائے گا کس کا کیا رخ تھا۔ کافروں کو کبھی مومنین پر غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مومنین کو مسبّب الاسباب کا ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ کافر اسباب کے ساتھ ہوتے ہیں، اور اسباب ہمیشہ مسبّب کے حکم میں رہتے ہیں۔

حاصل : منافق مفاد پرست ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ کافروں کو مومنین پر کبھی راہ نہیں ملتی کہ وہ ان پر غلبہ پا سکیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید میں ارشاد فرمایا ہے :

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲

[آسمان اور زمین اسی کی ملک ہیں، زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۴۲

بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور وہ انہیں گمراہ کرے گا۔ اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاتے ہیں، اور اللہ کا ذکر قلیل ہی کرتے ہیں۔

منافقین اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ جلوت میں مومنین کے ساتھ ہوتے ہیں، خلوت میں شیاطین کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مومنین کا ساتھ استہزاء کے ارادے سے ہوتا ہے۔ علیم مطلق سے اپنی کیفیت کو مخفی خیال کرنا منافقین کی طرف سے خدع ہے۔ اللہ کی طرف سے خدع کی صورت اس طرح بنتی ہے کہ منافقین کی تجویز ہی انہیں ڈبو دیتی ہے اور جس نتیجے سے وہ بچنے کی کوشش کرتے ہیں وہی ان پر مسلط ہو جاتا ہے، عزت کی راہ انہیں حاصل نہیں ہوتی۔ دل تو ان کا غیر کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے ان کی نماز میں خشوع نہیں ہوتا۔ کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ منشاء لوگوں کو دکھانا ہوتا ہے کہ نماز ادا ہو رہی ہے۔ جب رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو اور لوگوں کو دکھانا ملحوظ ہو، تو عمل بے حقیقت ہوتا ہے۔ منافق پر اکثر اس کی پسند کا غلبہ رہتا ہے۔ مجبوری کے چند لمحات میں جب وہ مومنین کے ساتھ ہو تو اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اس لئے اس ذکر کو قلیل کہا گیا ہے۔

حاصل : علیم بذات الصدور سے اپنی کیفیت کو مخفی خیال کرنا اللہ کو دھوکا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ منافق کی تجویز کو اسی پر ڈال دیتا ہے، پھر وہ بے عزت ہوتا ہے۔ نماز میں کاہلی سے کھڑے ہونا خشوع کی عدم موجودگی کا ثبوت ہے۔ لوگوں کے دکھانے کو نماز پڑھنا رضائے الٰہی کا عملاً انکار ہے۔

اللہ کا ذکر قلیل کرنا خست و لغو گوئی میں وقت ضائع کرنے کا ثبوت ہے۔ اور یہ سب منافقت کی نشانیاں ہیں۔

مُّذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴿۱۴۳﴾

دونوں کے درمیان مذبذب ہیں، نہ ادھر کے نہ ادھر کے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے تم اس کے لئے سبیل نہ پاؤ گے۔

منافقین حق کا صریح اقرار بھی نہیں کرتے، صریح انکار بھی نہیں کرتے۔ تذبذب میں اپنے مفاد کی خاطر کبھی ایک طرف جھکتے ہیں کبھی دوسری طرف۔ اس طرح ان کی وفاداری کسی طرف بھی استوار نہیں ہوتی۔ وہ اپنے فسق کی بدولت گمراہ ہو جاتے ہیں۔ جہاں بھی اللہ کے فرمان میں اپنی خواہش کو داخل کیا جائے راستہ گم ہو جاتا ہے، بے یقینی محیط ہو جاتی ہے۔ جسے اللہ گمراہ کرے تذبذب سے نکلنے کی اس کے لئے کوئی سبیل نہیں رہتی۔

حاصل : منافق حق کے اقرار و انکار کے درمیان مذبذب رہتے ہیں۔ راستہ دینے والے کو دھوکا دینے کی کوشش سے گمراہی مسلط ہو جاتی ہے، اور نجات کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَاۤءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۴۴﴾

اے ایمان والو، مومنین کے مقابل کافرین کو دوست نہ بناؤ۔ کیا اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت قائم کرنے کا ارادہ کرتے ہو۔

مومنین سے دوستی شاہدین کے حوالے سے ہوتی ہے، اور رضائے الٰہی کے لئے ہوتی ہے۔ یہ دوستی کسی غرض و غایت کے تابع نہیں ہوتی۔ کافروں سے دوستی کے معنی شاہدین سے دوری ہے اور اپنے لئے خسارے کو مقدر کر لینے والی بات ہے۔

حاصل : کافروں سے دوستی ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں۔ ایسی دوستی ہمیشہ عدم توکل پر مبنی ہوتی ہے، اور یہ خاسرین میں شمار کئے جانے کے لئے، اپنے اوپر حجت قائم کرنے والی بات ہے۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِيۡرًا ﴿۱۴۵﴾

بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہیں۔ اور تم ان کے لئے کوئی نصرت دینے والا نہ پاؤ گے۔

درجات کا ذکر رفعت کے ساتھ آتا ہے، اور پستی کا رخ ہو تو درک استعمال ہوتا ہے۔ منافقین حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش کی بدولت فاسق ہو جاتے ہیں اور اللہ صرف فاسق کو ہی گمراہ کرتا ہے۔ اس لئے انتہائی سزا انہی کے لئے ہے۔ انہیں اس سزا سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔

حاصل : منافق ہی فاسق ہوتے ہیں، اور سب سے بڑی سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان کا جزا کے وقت سے بچنا محال ہو گا۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾

مگر وہ جو تائب ہوئے، اور اصلاح لی، اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھاما اور اپنا دین خالص اللہ کا کیا، تو یہ مومنین کے ساتھ ہیں۔ اور جلد ہی اللہ مومنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

جو حال پر دورخی کو چھوڑ دے، تائب ہو جائے، صالحین سے اصلاح لے، رضائے الٰہی کو محکم پکڑے اور ایسا خالص ہو جائے کہ اس کے علاوہ کچھ نہ چاہے، وہ اَلَا بِقَوْمِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الصّٰ کو عملاً مان لیتا ہے۔ (۳۹:۳) اسے مومنین کا ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ وہ باعزت ہو جاتا ہے اور انسانیت کی سطح سے بلند ہو جاتا ہے۔ ایسے پاک لوگوں کو اللہ جلد ہی اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے کہ خوف و حزن سے انہیں نجات ہو جاتی ہے۔ راحت انہیں ہر وقت سرشار رکھتی ہے۔

حاصل : دورخی سے تائب ہونے والے کو، اصلاح لینے والے کو، رضائے الٰہی کی رسی کو محکم پکڑنے والے کو، اور اس کے علاوہ کچھ نہ چاہنے والے کو مومنین کے ساتھ سے باعزت ہونے کا انعام ملتا ہے۔ پھر جلد ہی اسے اجر عظیم سے نوازا جاتا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ کو تمہارے عذاب سے کیا کرنا ہے۔ اور اللہ شاکر ہے علم والا۔

جو شکر کرے، اور ایمان لائے، وہ اللہ کی عطا کو اپنی کاوش کی بدولت نہیں جانتا۔ اور اسے اپنی ذات کے لئے ہی مخصوص نہیں کر لیتا۔ اس یقین سے خرچ کرتا ہے کہ جو عطا ہوا ہے، پورا ہے اور ان تمام حقوق کے پورا کرنے کے لئے پورا ہے جو اللہ کی عبودیت کے اظہار کے اعتبار سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ شاہد کو معیارِ حق جانتا ہے۔ جس کا یہ حال ہو جائے، اس کی ماضی کی کوتاہیاں ناپید ہو جاتی ہیں۔ اس کے حال کی اللہ کو بڑی قدر ہوتی ہے۔ اس کی عبودیت اللہ کو پسند ہوتی ہے۔ علیم مطلق اسے مزید علم سے نوازتا ہے۔

حاصل : شکر و ایمان حال ہو تو ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ پھر عذاب کا مقام باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر اعتراف عبودیت ہے۔ بندے کی طرف سے شکر اعترافِ کفالتِ نعماء ہے۔ بندے کے علم میں شکر سے اضافہ ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے :

وَأَنِيبُوٓا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُۥ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٤﴾

[اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ اور اسے تسلیم کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے، پھر تمہاری مدد نہ ہو۔]

الجزء السادس ٦

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوٓءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿١٤٨﴾

اللہ بری بات کی تشہیر کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو۔ اور اللہ سننے والا علم والا ہے۔

زبردست جب زبردست کے متعلق زبان کھولے گا، تو اس کی بات اس کے حال سے متعلق ہوگی، اور اس پر ہونے والے ظلم کی نسبت سے ہوگی۔ مظلوم ہمیشہ اپنے استحقاق کو مجروح پا کر چیختا ہے۔ اگر وہ اس بات کو ملحوظ رکھے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سنا ہے، اور اللہ کو علم ہے، تو پھر متاثر کرنے والی بری بات کی تشہیر سے نفس کو روکنا آسان ہو جاتا ہے۔

حاصل : جس کا استحقاق مجروح ہوا ہو اس کے علاوہ ہر کسی کو دوسرے کی بری بات کی تشہیر سے بچنا لازم ہے۔ مظلوم کو یقین ہو کہ اللہ کی نصرت سے بڑی تائید کا تصور بھی محال ہے اور وہ سننے والا علم والا ہے، تو وہ ظالم کی بری بات کی تشہیر میں قوت و وقت کو ضائع نہیں کرتا۔

إِن تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَن سُوٓءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿١٤٩﴾

اگر تم کوئی بھلائی ظاہر کرو یا چھپاؤ یا کسی کی برائی سے عفو کرو تو بے شک اللہ عفو کرنے والا قدرت والا ہے۔

بھلائی وہ ہے جس سے کسی کو حق کی ادائیگی میں مدد ملے۔ جس سے بھلائی کی گئی ہے، وہ اسے ظاہر کرے یا چھپائے دونوں باتیں جائز ہیں۔ ظاہر کرے تو اس یقین سے کہ بھلائی کرنے والے نے رضائے الٰہی کے لئے اس کے ساتھ معاملہ کیا ہے اور جس سے بھلائی کی گئی وہ متوکل رہا، اس طرح اللہ کا فضل شاملِ حال ہوا۔ اس سے سننے والوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا شرف ہو گا۔ چھپانے کی صورت یہ ہے کہ بھلائی کرنے والے نے ہنگامی صورتحال سے نپٹنے کے لئے ایسا طریق کار اختیار کیا جو عام حالات میں ممکن نہیں ہوتا۔ اگر کسی کی برائی سے درگزر کیا جائے تو اس یقین کے ساتھ کہ برائی کرنے والے سے برائی کج علم کی بناء پر ہوئی ہے۔ اس طرح درگزر کرنے سے عفو و قدیر کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اور یہی عبادِ مخلصین کا مقصدِ حیات ہوتا ہے۔

حاصل : بھلائی سے ہمیشہ حق کی ادائیگی میں مدد ملتی ہے۔ ظاہر کرنے والی بات دائمی نوعیت کی ہوتی ہے۔ چھپانے والی بات وقتی نوعیت کی ہوتی ہے۔ عفو کرنے سے پہلے یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ برائی کرنے والے سے کوئی علم کی بدولت ویسے ہو گیا ہے۔ ایسے کیا جائے تو عفو کرنے والے کو عفواقدیرا کا ساتھ نصیب ہو گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسل کا انکار کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسل کے مابین تفریق کریں، اور کہتے ہیں : ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے۔ اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں ایک راہ نکالیں۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے۔ اس نے لوگوں کے سامنے معیارِ ہدایت ہر زمانے میں رکھا ہے۔ اس کے رسول ہمیشہ مطاع رہے ہیں۔ ان کی اطاعت ہو تو اللہ کی اطاعت کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کا اتباع ہو تو عملاً سچا ثابت ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ رسول کی شان یہ ہے کہ اس کی اپنی بات نہیں ہوتی۔ اس کی ہر بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول کے مابین تفریق کرے تو یہ بڑی ناشکری ہوگی۔ جو لوگ بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں، وہ اپنی پسند اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے درمیان راستہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا کے مقابل اپنی تجویز رکھنا اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔

حاصل : اللہ کے رسول کی اپنی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کی بات اللہ کی بات ہے۔ رسول ہی ہمیشہ معیارِ ہدایت رہے ہیں۔ اس لئے ان سب کا ماننا لازم ہے۔ اور اللہ کے اور ان کے مابین تفریق کی کوشش یا اللہ کی رضا کے مقابل اپنی تجویز رکھنے کی کوشش اللہ کا صریحاً انکار ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾

یہی حقیقی کافر ہیں۔ اور ہم نے کافرین کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

شیطان اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویدار تھا۔ جب اس نے اللہ کے فرمان کا انکار کیا تو انکار کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول کے مابین تفریق ہی تھی۔ جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بات عطا کرتا ہے۔ اس کا انکار یقیناً اللہ کا انکار ہوتا ہے۔ یہی حقیقی کفر ہے۔ ایسے لوگ اپنی تجاویز کو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہی ان کے لئے ذلت کا باعث ہوتی ہیں۔ اور یہ ذلت ان کے اپنے اعمال کے نتیجے میں تیار ہوتی رہتی ہے۔

حاصل : جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کے اور اللہ کے درمیان تفریق کرنے کا ارادہ ہمیشہ باعثِ ذلت ہوتا ہے۔ عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ ع ۱۱

اور وہ جو اللہ اور اس کے رسل پر ایمان لائے، اور ان کے مابین تفریق نہ کی، انہیں جلد ہی ان کے اجر عطا فرمائے گا۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ پر ایمان لانا قول ہے۔ اللہ کے رسول پر ایمان لانا عمل ہے۔ اور جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا ثابت نہیں ہوتا۔ صادقین اللہ اور اس کے رسل کے مابین تفریق نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ اللہ کو اس کے رسول کے حوالے سے مانتے ہیں۔ رسول کو ناصح امین جانتے ہوئے اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا و آخرت میں فلاح ہے۔ جب کوئی حال پر حق کو مان لیتا ہے اور اسلام میں پورا پورا داخل ہو جاتا ہے تو اس کے ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اس کو بخشش سے نوازا جاتا ہے، اور رحمت اس پر برسنے لگتی ہے۔

حاصل : اللہ کو اس کے رسول کے حوالے سے مانا جائے، تو ماننے کا حق ادا ہوتا ہے۔ ماضی کی کوتاہیوں کی نفی بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ بخشش اور رحمت سے فیضیاب ہونے کی صورت بھی یہی ہے۔

شہادت : اللہ نے سورۃ الشعراء میں ارشاد فرمایا ہے :

[منکرین کو جب ان کے کیے کے انجام سے واسطہ ہو گا، تو کہیں گے فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (٢٦ : ١٠٢) تو اسی طرح ہمیں پھر جانا ہوتا تو ہم مومنین سے ہوتے۔]

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں، کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب نازل کر دی جائے۔ تو موسیٰ (علیہ السلام) سے وہ اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں۔ پھر کہنے لگے ہمیں اللہ واضح دکھائیے، تو ان کے ظلم کی بدولت انہیں کڑک نے پکڑ لیا۔ پھر روشن نشانیوں کے آ چکنے کے بعد

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾

بچھڑا لے بیٹھے۔ تو ہم نے یہ معاف کر دیا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) کو صریح غلبہ دیا۔

اہلِ کتاب کا سوال کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب نازل کر کے دکھائی جائے، باعثِ حیرت نہیں ہونا چاہیے، کہ یہ لوگ تو اس سے بڑی جہالت کی بات بھی کر چکے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ ہم تو اللہ کو بن دیکھے نہیں مانیں گے، تو ان کے دیکھتے دیکھتے انہیں کڑک نے آلیا۔ پھر ان کی موت کے بعد انہیں اٹھایا گیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت میں اپنی صداقت کو حسن تسلیم سے ثابت کریں، اور شکر کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدولت ان لوگوں کو آلِ فرعون سے نجات ملی۔ بحر نے انہیں راستہ دیا، اور اسی بحر میں ان کے دیکھتے آلِ فرعون غرق ہوئے۔ ان پر ابر کو سائبان کیا گیا۔ ان پر من و سلویٰ اتارا گیا۔ طیّبات سے رزق دیا گیا۔ پھر ان لوگوں نے روشن نشانیوں کی کیا قدر کی۔ جب موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا گیا، تو ان لوگوں نے اپنی خواہشات کی پیروی میں بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ روشن نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی جو من مانی کرنے سے باز نہ آئیں ان کا سوال ہدایت طلبی کے لئے نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ آسانیاں عطا کرتا ہے، کوتاہیاں معاف کرتا ہے، اور تضاد سے پاک ہو جانے والوں کی قدر کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف تو ان لوگوں کے اپنے مشاہدات و تجربات کی بناء پر بھی ضروری تھا۔ مگر جب انہوں نے من مانی کا راستہ اختیار کیا، تو پھر ان پر طور کو بلند کر کے میثاق لیا گیا۔ اور فرمایا گیا۔ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (٢ : ٦٣) پکڑو جو ہم تمہیں عطا کرتے ہیں قوت سے، اور جو اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی ہو۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا صریح غلبہ تھا۔

حاصل : ہدایت کی جستجو سوال کی جان ہو، تو مخلصین سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور جب علمِ حقیقی کی قدر و منزلت کے مقابل اپنی خواہش کا اتباع عزیز ہو، تو پھر سوال محض جھگڑنے کے لئے ہی ہوتا ہے۔ حق کو عاجز کرنے کی کوشش میں پہلے منکرینِ حق برباد ہو چکے ہیں۔ یہ اللہ کی سنت ہے اور اللہ کی سنت بدلا نہیں کرتی۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾

اور ہم نے ان پر طور کو بلند کیا، ان سے میثاق لینے کو۔ اور ہم نے فرمایا : دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو۔ اور ان سے فرمایا : کہ ہفتہ میں حد سے نہ بڑھو۔ اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا۔

جو اپنے مشاہدات کو قربِ حق کے لئے زینہ نہ بنائے، اور اپنے تجربات کو وقعت نہ دے، وہ توفیقِ ایزدی کی ناشکری کرتا

رہتا ہے۔ اس پر ایسا مقام آ جاتا ہے کہ پھر اسے واضح طور پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب میں کسی مقام پر بھی اللہ کو شاہد کے حوالے سے ماننے میں کوتاہی نہیں کروں گا، اور حق کے مقابل اپنی خواہش کا اتباع نہیں کروں گا، اور شک کے قریب جانے سے اجتناب کروں گا۔ یہ میثاقِ غلیظ ہے۔ جہاں ایسا میثاق ہو وہاں سے ذاتی پسند کو فوراً رخصت ہو جانا چاہئے۔ ورنہ فسق ثابت ہوتے ہی تباہی گھیر لیتی ہے۔ اہلِ کتاب کو آلِ فرعون سے نجات دینے کے بعد انہیں ایک قریئے میں داخل ہونے کا حکم ہوا، جس میں جہاں سے چاہیں کھا سکتے تھے۔ دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہونے کا حکم تھا۔ اور اپنی خطاؤں پر مغفرت طلب کرنے کا امر تھا۔ ان لوگوں نے ارشادِ خداوندی کو بدل دیا، تو ان پر آسمان سے عذاب اتارا گیا کہ یہ لوگ فسق کرتے تھے۔ اسی طرح جن لوگوں نے ہفتے کے دن اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کیا وہ بھی مبتلائے عذاب ہوئے۔ گاڑھا عہد جس سے بھی لیا جائے، اسے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنے کا آخری موقع دیا گیا ہوتا ہے۔

حاصل : جو اپنے مشاہدات، تجربات، واردات کو وقعت نہ دے اور من مانی سے باز نہ آئے، وہ توفیقِ ایزدی کی ناشکری کرتے رہنے کی بدولت ایسے مقام پر آ جاتا ہے، کہ اسے آخری بار یہ عہد کرنا پڑتا ہے کہ اب اسے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنے کا جو موقع دیا گیا ہے وہ اس میں شک کے قریب بھی نہیں جائے گا۔ یہ میثاقِ غلیظ ہے۔

فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ وَكُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ وَّقَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۖ﴿۱۵۵﴾

تو ان کی میثاق شکنی کی وجہ سے اور آیات خداوندی کا انکار کرنے کی وجہ سے اور انبیاء سے ناحق لڑنے کی وجہ سے اور ان کی اس بات پر کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی بدولت ان پر مہر لگا دی۔ تو وہ قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔

میثاق کو توڑ دینا، آیاتِ خداوندی کا انکار کرنا، انبیائے کرام سے ناحق لڑنا اور ان کے ارشاداتِ عالیہ کو سن کر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ تمہاری بات ہمارے دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی چونکہ دل پر غلاف ہے جو اس تک اثرات کو پہنچنے ہی نہیں دیتا، یہ سب علاماتِ کفر ہیں۔ جو حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرے وہ حدِ اصلاح سے گزر جاتا ہے۔ اس کے قلب پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ اس کی سماعت متاثر ہو جاتی ہے۔ اس کی بصارت پر پردہ آ جاتا ہے۔ خواہشات کا اتباع کرنے والے تو کثیر ہوتے ہیں، اور اپنے تضاد کو دور کرنے والے قلیل ہوتے ہیں۔ ایمان تو وہی لاتے ہیں، جو اپنے تضاد کو دور کرتے ہیں۔

حاصل : میثاق شکنی، آیاتِ خداوندی کا انکار، شاہدین سے خصومت اور ہٹ دھرمی علاماتِ کفر ہیں۔ جو حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرے اس کا رخ ظلمات کی طرف ہوتا ہے۔ جو اپنے

آپ کو حق کے مطابق بنانے کی سعی کرے اس کا رخ نور کی طرف ہوتا ہے۔ ایمان وہی لاتا ہے، جس کا رخ نور کی طرف ہو۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

اور ان کے کفر پر اور مریم (علیہا السلام) پر بہتان عظیم باندھنے پر۔

کفر کی حقیقت حق کا انکار اور عطائے خداوندی کی ناشکری ہے۔ اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ اللہ کے لئے معاملہ کرنے والوں کو شک کی نظر سے دیکھنا اور اپنے شبہ کو زبان دیتے وقت اپنی پسند کے پیمانے کی صحت کا کوئی ثبوت پیش نہ کرنا بہتانِ عظیم باندھنے والی بات ہے۔ اہلِ کتاب کی کارکردگی ان کے حال اور ماضی کے تضاد کو واضح کرنے کے لئے بیان فرمائی گئی ہے۔

حاصل : حق کا انکار کفر، اور نمونۂ حق پر شک بہتانِ عظیم ہوتا ہے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾

اور ان کی اس بات پر کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو قتل کیا۔ اور انہوں نے آپ کو قتل کیا اور نہ آپ کو صلیب پر چڑھایا۔ ولیکن ان کے لئے ایک شبیہہ بن گئی۔ اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں، یقیناً وہ اس سے شک میں ہیں۔ انہیں اس کا کچھ علم نہیں سوائے ظن کے اتباع کے۔ اور یقیناً انہوں نے آپ کو قتل نہیں کیا۔

اہلِ کتاب کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام اہلِ کتاب کے ہاتھوں مصلوب ہوئے، غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف میں ارشاد فرمایا ہے : اور جو اللہ کے داعی کی بات نہ مانے، وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں۔ اللہ کے مقابل اس کے کوئی مددگار نہیں۔ وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔ (٤٦ : ٣٢) سورۃ المومن میں ارشاد ہے : بے شک ضرور ہم اپنے رسولوں کی نصرت فرماتے ہیں اور ایمان والوں کی، حیاتِ دنیا میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ (٤٠ : ٥١) سورۃ آلِ عمران میں ارشاد ہے : اگر اللہ تمہاری نصرت کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (٣ : ١٦٠) اس سے صاف روشن ہوا کہ کسی بھی نبی کو قتل نہیں کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے یا نہ ماننے کی توفیق تو اہلِ کتاب کو تھی۔ ان لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی اور معیارِ اخلاق کو اپنی خواہشات میں سدِّراہ جان کر ہٹانے کی تدبیر کی۔ اور آپ کے شبیے میں کسی دوسرے کو مار دیا اور شک میں پڑ گئے۔ وہ محض اپنے ظن کے پیچھے لگے، اور یقیناً انہوں نے آپ کو قتل نہیں

کیا، نبی کا قتل ممکن ہی نہیں۔ یقتلون النبین بغیر الحق کے معنی انبیاء سے ناحق لڑنا ہے قتل کے معنی جان سے مار دینے کے ہی نہیں ہوتے جیسے سورۃ توبہ میں ارشاد ہے قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۹ : ۳۰) اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ سورۃ الممتحنہ میں عدواللہ کی دوستی سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ (۶۰ : ۹) بے شک اللہ تمہیں ان سے منع کرتا ہے۔ جو دین میں تم سے لڑے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے کہ جب متخلفین آپ سے جہاد میں شمولیت کا اذن طلب کریں، تو فرمادیجئے میرے ساتھ نہ نکلو۔ وَلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا (۹ : ۸۳) اور میری معیت میں کبھی دشمن سے نہ لڑو۔ سورۃ نساء میں ایمان والوں کی نشانی يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور کافروں کی نشانی يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ (۴ : ۷۶) بیان فرمائی گئی۔ سورۃ الصّف میں صفیں باندھ کر اللہ کے لئے لڑنے والوں کو اللہ کا محبوب فرمایا گیا ہے۔ (۶۱ : ۴) سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے۔ اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان کے مابین صلح کراؤ۔ اور ایک دوسرے پر زیادتی کرے فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (۴۹ : ۹) تو زیادتی کرنے والے سے لڑو حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔ سورۃ الحشر میں ارشاد ہے کہ منافق، اہل کتاب میں سے اپنے ساتھیوں کو کہتے ہیں کہ اگر تم نکال دیئے گئے تو ہم یقیناً تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، اور ہرگز تمہارے بارے میں کسی کی نہ مانیں گے۔ وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۔(۵۹ : ۱۱) اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ضرور تمہاری مدد کریں گے۔

حاصل : اللہ قادرِ مطلق ہے۔ اس کی نصرت کے مقابل کوئی قوت بھی وقعت نہیں رکھتی۔ اس نے رسولوں سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قادرِ مطلق کے بھیجے ہوئے معیارِ مطلق کو اگر اولیاء الشیطان ختم کر دیں، تو یہ علمِ الٰہی پر علمِ غیر کے تفوق کا ثبوت ہو گا۔ جو محال ہے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف رفعت دی۔ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ علیم مطلق ہے۔ نصرت جس طرح درکار تھی کی گئی۔ قادرِ مطلق کی قدرت اسباب کے تابع نہیں، اس لئے اسباب کی محتاج بھی نہیں۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اور منکرینِ حق کی کاوش کو ناکام بنا دیا۔ عزت والے، حکمت والے قادرِ مطلق کی معیّت ہی عالمِ اسباب میں بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتی ہے۔

حاصل : عزت والے، حکمت والے، قادرِ مطلق کی معیّت ہی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

اہل کتاب سے کوئی نہیں جو اپنی موت سے قبل آپ پر ایمان نہ لائے۔ اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔

اہلِ کتاب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا، ان کی شان میں گستاخی کی، ان کے قتل کی تدبیر کی، لیکن حیاتِ دنیا کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کے خاتمے پر اہلِ کتاب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ آپ پر ایمان لاتے ہیں، اس وقت عملاً اپنے آپ کو سچا ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لئے موت سے قبل ان کا ایمان لانا انہیں کچھ نفع نہیں دیتا۔ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہلِ کتاب کے انکار پر گواہی دیں گے۔

حاصل : جس کا انکار بے سند ہو، اس کا اقرار ایسے وقت میں کرنا پڑتا ہے جب خسارے کا گھیرا نظر آنے لگتا ہے۔ اس وقت قبولیتِ حق نفع نہیں دیتی۔ جس کی گواہی عنداللہ سند کا درجہ رکھتی ہو اس کا انکار دونوں جہان کے خسارے کا باعث ہوتا ہے۔

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَبِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۙ‏ ﴿۱۶۰﴾

تو یہودیوں کے ظلم کی بدولت ہم نے بعض طیّبات جو ان پر حلال تھیں حرام فرما دیں۔ اور اس لئے کہ انہوں نے کثیر کو اللہ کی راہ سے روکا۔

حیاتِ دنیا میں اللہ کی نعمتوں کو افادیت کے حوالے سے استعمال کرنے کی بجائے لذت کے حوالے سے استعمال کرنے کا رخ اختیار کیا جائے، تو ناشکری کا ارتکاب ضرور ہوتا ہے۔ ناشکری سے نعمت کی برکت اللہ کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ اور وہی نعمت مضرِ صحت بھی ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس نعمت کا عدمِ استعمال ہی ناشکرے کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اسے جسمانی اور روحانی صحت عطا ہو سکتی ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنا بڑا ظلم ہے۔ اور یہود نے یہ ظلم اکثر کیا ہے۔

حاصل : لوگوں کو حق کے مقابل ان کی خواہشات کے پیچھے لگانا، اللہ کی راہ سے روکنا ہے۔ اور یہ بڑا ظلم ہے۔ افادیت کے مقابل لذت کو معیار بنایا جائے تو جسمانی اور روحانی صحت کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ علم و حکمت کا اتباع حدود اللہ کے عملاً احترام کا ثبوت ہوتا ہے، اور اسی میں ہمہ وقتی صحت و سلامتی موجود ہے۔

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ‌ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا‏ ﴿۱۶۱﴾

اور اس لئے کہ وہ سود لیتے تھے، اور انہیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ اور باطل سے لوگوں کے اموال کھا جاتے تھے۔ اور ان میں جو کافر ہوئے، ہم نے ان کے لئے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جس بات سے علیم مطلق منع فرمائے، مخلصین اس کے باعث خسارہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اس میں وقتی فائدہ تو

خواہشات کی پیروی کرنے والوں کو نظر آتا ہے، مگر دائمی نقصان انہیں نظر نہیں آتا۔ یہود لوگوں کے اموال کو کھاتے وقت، گناہ اور زیادتی اور حرام خوری پر دوڑتے تھے اور دوڑتے ہیں۔ بے شک یہ لوگ بہت ہی برے کام کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ (۵ :٦١)۔ اہلِ کتاب سے جن لوگوں نے رضائے خداوندی کا انکار کیا اور اپنی خواہشات کا اتباع کیا وہ کافر ہوئے۔ ان کے اعمال کا حاصل المناک عذاب کی صورت میں انہیں تیار ملے گا، جس سے بچ جانا ان کے بس میں نہ ہو گا۔

حاصل : جس کی بات ذاتی غرض و غایت سے پاک ہو اس کی ماننے میں فلاح، اور نہ ماننے میں خسارہ یقینی ہوتا ہے۔ بندے کے اعمال کا حاصل اسے جزا کے وقت تیار ملے گا۔

لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ
الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ
الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
ع ٢٢ ١٠ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ع ﴿١٦٢﴾

لیکن ان میں جو علم میں راسخ ہیں اور مومن ہیں، اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل ہوا، اور جو آپ سے قبل نازل ہوا، اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور یوم آخر کو مانتے ہیں۔ ایسوں کو عنقریب ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔

اہل کتاب میں سے جو جو لوگ علم میں راسخ ہیں، ان کی نشانیاں یہ ہیں کہ وہ حال پر نازل ہونے والے حق کو بھی مانتے ہیں اور ماضی میں نازل ہونے والے حق کو بھی مانتے ہیں، صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور یوم آخر کو قولاً بھی مانتے ہیں، عملاً بھی مانتے ہیں۔ ان کے قول کی صداقت عمل کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمایا جاتا ہے۔

حاصل : راسخ علم والے حال کو بھی مانتے ہیں، ماضی کو بھی مانتے ہیں، صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ قولاً تسلیم کرنا تبھی فائدہ دیتا ہے، جب عملاً اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔ جس کی صداقت ثابت ہو جائے، اسے یقیناً اجرِ عظیم عطا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ نے سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا ہے :

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿١٣﴾

[اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے، یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ تو انہیں ان کے رب نے وحی بھیجی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کریں گے۔]

اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ۚ وَاَوۡحَيۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ‌ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ۚ﴿۱۶۳﴾

بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی، جیسے ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد نبیوں پر وحی فرمائی۔ اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسمٰعیل (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور ایوب (علیہ السلام) اور یونس (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی۔ اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔

اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی جیسے انبیاء سابقین کی طرف وحی فرمائی۔ ان سب حضرات کا مقصود ایک ہے۔ اس لئے ان میں تفریق کرنا خلاف حق ہے۔ اہل کتاب اگر حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور ان کے بعد والوں عیسیٰ علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور لقمان علیہ السلام کو مانتے ہیں، تو کس بنا پر مانتے ہیں۔ ان حضرات کی تعلیم بھی وحی کے مطابق تھی۔ ہر ایک کو کتاب تو عطا نہیں فرمائی گئی۔ اور کتاب کا نہ ہونا کسی نبی کے انکار کا جواز نہیں بنا۔ داؤد علیہ السلام کو کتاب عطا ہوئی۔ انھیں بھی تسلیم کیا گیا۔ جب انبیائے سابقین کی تسلیم میں کتاب کے نزول کو نبوت کی نشانی نہیں بنایا گیا، تو اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ نزول کتاب کو علامت صداقت ٹھہرانا بے جا ہے۔

حاصل : ماضی اور حال میں تسلیم تضاد سے پاک ہو، تو ہدایت یقیناً عطا ہوتی ہے۔ جب ماضی اور حال ایک دوسرے کے مصدق ہوں تو ماضی کو تسلیم کرنا اور حال کا انکار کرنا ہدایت سے دور جانے کی سند ہے۔

وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ‌ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ۚ﴿۱۶۴﴾

اور رسل جن کو اس سے قبل ہم آپ پر بیان کر چکے، اور رسل جن کا بیان آپ پر نہیں ہوا۔ اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام فرمایا، کلام فرمانا۔

جن رسولوں کا ذکر ان کے اسماء گرامی کے ساتھ ہوا ہے وہ بھی اللہ کے بھیجے ہوئے تھے۔ اور جن کا ذکر اسمائے گرامی کے

ساتھ نہیں ہوا وہ بھی اللہ کی طرف سے ہی بھیجے گئے تھے۔ اور جن حضرات پر جو بھیجا گیا، علم مطلق سے بھیجا گیا۔ اس حال پر لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کے لئے جو کچھ درکار تھا. علیم مطلق سے بڑا اس کا جاننے والا کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ کے ہر رسول نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے لوگوں کے سامنے اپنی حیات طیبہ کو قولاً، عملاً اور علماً نمونہ بنا کر رکھا۔ علیم مطلق نے جو چاہا وہی ہوا۔ اور کسی رسول کی بات کو مرسلین میں تفریق کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا گیا، اس طرح دوسرے مرسلین سے کلام نہیں فرمایا گیا۔ تو اس سے ان کی رسالت کی شان میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ جب یہ اللہ کی طرف سے عطا ہے. تو پھر جس حال پر جیسے ہونی چاہئے تھی، ویسے ہوئی۔ اس لئے عطائے خداوندی میں تقابل بے جا ہو گا۔

حاصل : عطائے خداوندی علم مطلق سے ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں تقابل کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

رسول، بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے، تاکہ لوگوں کو رسولوں کے بعد اللہ پر کوئی حجت نہ رہے۔ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ نے مرسلین کو شاہد بنا کر بھیجا۔ انہوں نے حق کے ماننے والوں کو فلاح کی بشارت دی اور منکرین کو ان کے انجام سے ڈرایا، تاکہ جزا کے وقت کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یا اللہ مجھے تو آگاہی ہی نہیں ہوئی اور انجام سے میں بے خبر ہی رہا۔ اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔ اس کی رضا لوگوں کو مشقت سے پاک کرتی ہے۔ لوگوں کی پسند انہیں مشقت میں مبتلا کرتی ہے۔

حاصل : عزت والے حکمت والے قادر مطلق نے بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والوں کو حیات دنیا میں نمونہ بنا کر دکھا دیا ہے۔ اب اس پر کوئی حجت باقی نہیں رہی۔

لَّٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾

لیکن اللہ اس کی شہادت دیتا ہے، جو اس نے آپ کی طرف نازل فرمایا، اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔ اور اس کے ملائکہ شہادت دیتے ہیں۔ اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔

اللہ کا علم ہی علم مطلق ہے۔ اسی علم سے ہی ہر مقام پر پورا رہنا ممکن ہے۔ یہی علم فلاح دارین کی ضمانت دیتا ہے۔ جس نے سب کچھ بنایا اور خود احتیاج سے پاک ہے۔ جس نے کسی شے کو اپنے لئے مخصوص نہیں کیا، اس کی شہادت سے بڑی شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے۔ ملائکہ کی شہادت اس لئے وقعت رکھتی ہے کہ وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر ہوتا ہے۔ جس کی اپنی پسند کوئی نہ ہو، اس کی شہادت خلاف حق ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : جو خواہش سے پاک ہو، اس کی شہادت بڑا درجہ رکھتی ہے، کہ اسے اللہ کی شہادت سے نسبت ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا۔ اور اللہ کی راہ سے روکا، وہ یقیناً دور کی گمراہی میں پڑے۔

جن لوگوں نے حق کا انکار کیا جب کہ وہ ان پر واضح ہو چکا تھا، اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا، وہ یقیناً دور کی گمراہی میں پڑے ہیں۔ وہ خود بھی خسارے میں پڑے اور دوسروں کو بھی خسارے کی دعوت دیتے ہیں۔

حاصل : حق کا انکار اور اللہ کی راہ سے روکنا دور کی گمراہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿١٦٨﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ ہر گز انہیں نہیں بخشے گا اور نہ انہیں راہ دکھائے گا۔

جن لوگوں نے حق کا انکار کیا، اور فرمان خداوندی کے خلاف کیا، انہوں نے دعوت فلاح کے مقابل من مانی کی اور من مانی کرنے والوں کا گمراہ ہونا یقینی ہوتا ہے۔ کفر کے ساتھ جہاں ظلم شامل ہو جائے، تو بخشش سے دوری اور عذاب کا قرب یقینی ہو جاتا ہے۔

حاصل : کفر و ظلم کی موجودگی، بخشش و ہدایت کی نفی کرتی ہے۔

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٦٩﴾

مگر جہنم کا راستہ کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ اللہ کو آسان ہے۔

جو خیر کو قبول نہ کرے، غیر اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔ کفر و ظلم کا راستہ جہنم کا راستہ ہے۔ اللہ احتیاج سے پاک ہے اس لئے ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینا اللہ کو آسان ہے۔

حاصل : کفر و ظلم کا راستہ جہنم کا راستہ ہے۔ جو خواہش سے پاک ہو اسے انصاف کرنا آسان ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ

اے لوگو تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف

بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

لائے۔ تو ایمان لاؤ، اپنے بھلے کو۔ اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم معیار اخلاق ہیں۔ رب العالمین کی عنایت ہے کہ اس نے لوگوں کو آسانی عطا کرنے کے لئے اکمل نمونہ بھیجا ہے۔ تاکہ لوگ اللہ کے دوست کو دوست بنا کر اللہ کے دوست ہو جائیں۔ یہی ایمان ہے۔ اور اسی میں بھلائی ہے۔ راحت سوائے اس کے کسی مقام پر موجود ہی نہیں۔ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا جائے تو یہ منکر کے لئے ہی خسارے کا باعث ہو گا۔ کہ اللہ تو احتیاج سے پاک ہے۔ آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اسی کا ہے۔ اسے کسی سے توفیق واپس لیتے کیا دیر لگے گی۔ وہ علم و حکمت والا ہے۔

حاصل : رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست بنانا، اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت ہے۔ من مانی کرنے والے منکر ہیں۔ مومن کا ایمان اسی کی بھلائی کے لئے ہے۔ کافر کا کفر بھی اسی کے خسارے کے لئے ہے۔ علم و حکمت والا مالک ہر شے کا ہے۔ اور ہے احتیاج سے پاک۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰي مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَھُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ (وقف لازم) وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰي بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ ع ٢٣

اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اور اللہ پر نہ کہو مگر حق۔ بے شک مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں، کہ مریم (علیہا السلام) کی طرف القی فرمایا۔ اور اس کے ہاں کی روح۔ تو اللہ اور اس کے رسل پر ایمان لاؤ۔ اور تین نہ کہو۔ اپنے بھلے کو باز رہو۔ بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے۔ پاکی ہے اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے وکیل۔

اہل کتاب کو امر دیا گیا ہے کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ بے سند بات نہ کرو۔ اللہ پر وہ بات نہ کہو جو حق نہ ہو۔ اور حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ جب اس میں اپنی تجویز کو داخل کیا جائے، تو پھر اس کا حاصل خسارہ ہو گا۔ مسیح ابن

مریم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کا ایک کلمہ ہیں۔ یہ کلمہ اللہ نے بی بی مریم کی طرف القی فرمایا۔ وہ امر کن سے مخلوق ہوئے اور روح اللہ ہوئے۔ اللہ پر ایمان لانا، اللہ کو اس کے رسل کے حوالے سے ماننا ہے۔ رسل کے حوالے کے بغیر مانا جائے تو یہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ تین کہنے سے اللہ پر ایمان کا دعویٰ باطل ہو جائے گا، اور اس کے رسول پر ایمان کا دعویٰ بھی باطل ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو دنیا و آخرت میں مقربین سے ہیں۔ ان کے ساتھ بے سند بات کو منسوب کرنے والے ہی تضاد میں مبتلا ہوں گے اور یکسوئی ان کی زندگی سے رخصت ہو جائے گی۔ بھلائی تو اسی میں ہے کہ مخلصین کا اتباع کیا جائے۔ تقدم سے تو بھلائی کا حصول ممکن ہی نہیں۔ اللہ معبود واحد ہے، اس کی کوئی مثل نہیں، رب العالمین ہے، مالک کل ہے، خالق کل ہے، اور احتیاج سے پاک ہے۔ اللہ بچے سے پاک ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ کافی ہے کارساز۔ کارساز نتیجے کا مالک ہوتا ہے۔ رخ اختیار کرنا بندے کے ذمے ہے، نتیجہ باذن اللہ ہوتا ہے۔ مخلصین کی خوشی یقیناً اللہ کی خوشی ہوتی ہے کہ وہ شاہد ہوتے ہیں، مگر نتیجہ ان کی طرف سے نہیں ہوتا۔ وہ اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ شاہدین کو جو علم عطا ہوتا ہے وہ اسے ہی تقسیم کرتے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ یہ بڑی شان ہے۔ شاہدین بشارت و انذار کا حق ادا کر کے فارغ رہتے ہیں۔ جو ان کی مان لے، اسے خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے، جو نہ مانے اس پر خوف و حزن کا تسلط رہتا ہے۔ مگر ہدایت و گمراہی دونوں اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہیں، جو اللہ کو اس کے شاہدین کے حوالے سے مانے اسے ہدایت ہوتی ہے، جو اللہ کو شاہدین کے حوالے سے نہ مانے اسے گمراہی ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ اس نے نتائج کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، ورنہ یکسوئی ممکن ہی نہ ہوتی، اور لوگ خواہش کا اتباع کرنے سے بچ ہی نہ سکتے۔

حاصل : اہل کتاب دین میں غلو کرتے ہیں۔ بات وہی کہنی چاہئے جو حق ہو۔ تثلیث فی التوحید، اور توحید فی التثلیث خلاف حق ہے۔ اللہ کو ہی معبود ماننا حق ہے۔ نہ اس کا کوئی بچہ ہے نہ وہ کسی کا بچہ ہے۔ وہ مالک کل ہے۔ اور نتائج پیدا کرنے والا کارساز ہے۔ اللہ کو وکیل ماننے کا دعویٰ تبھی سچا ثابت ہوتا ہے جب صبر و شکر دونوں مقامات پر اللہ کی معیت میں رہنے کا شرف ہو۔

شہادت : اللہ نے سورۃ حم السجدہ میں ارشاد فرمایا ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٤٦﴾

جو صالح عمل کرے تو اپنے بھلے کو، اور جو برائی کرے تو اپنے برے کو، اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۗ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾

مسیح (علیہ السلام) کو اللہ کا عبد ہونے میں ہرگز عار نہیں اور نہ مقرب ملائکہ کو۔ اور جس کو اس کی عبادت سے عار آوے اور وہ تکبر کرے، تو وہ ان سب کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا۔

حضرت مسیح علیہ السلام تو اللہ کے عبد اور رسول تھے۔ انہیں اپنی شان عبدیت ہی میں نظر آتی تھی۔ انہیں عبدیت سے قطعاً عار نہیں۔ مقرب ملائکہ کو بھی اللہ کی بندگی میں ہی خوشی ہے۔ اگر کوئی اپنی تجویز سے مسیح علیہ السلام اور مقرب ملائکہ کے درجے کے متعلق بے سند باتیں کرتا ہے، تو یقیناً یہ اس کے بھلے میں نہیں ہوتیں۔ اللہ کی عبادت سے جنہے عار ہو، کراہت ہو، وہ ضرور تکبر کرتا ہے۔ جو تکبر کرتا ہے وہ ضرور خسارے میں پڑتا ہے۔ جس کی طرف سے آتا ہوا ہے اور اس آنے میں آنے والے کی مرضی کو کچھ دخل نہیں تھا، اسی کی طرف جانا ہوگا۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔

حاصل : اللہ کی عبدیت سے عار تکبر کی علامت ہے۔ جو اپنے منشاء حیات پر نظر رکھے وہ تکبر نہیں کر سکتا۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٧٣﴾

تو وہ جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ان کے اجر انہیں پورے دے گا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ بھی دے گا۔ اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا انہیں عذاب کرے گا، المناک عذاب۔

جو لوگ ایمان لائے اور دعویٰ ایمان کو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت کیا، انہیں ان کے اجر پورے پورے دیئے جائیں گے، اور اللہ کے فضل سے انہیں زیادہ انعامات بھی ملیں گے کہ انہوں نے کسی مقام پر بھی اللہ کی عبادت میں عار محسوس نہ کی ہوگی۔ جن لوگوں نے اللہ کی عبادت سے عار محسوس کی اور تکبر کیا، یہ حق کے منکر ہیں انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اور وہ عذاب ہوگا، المناک عذاب۔ رضائے الٰہی کے مقابل جو راستہ اختیار کیا جائے گا وہ تکبر کا راستہ ہوگا۔ اس میں عزت کا حصول ممکن ہی نہیں۔ عزت تو اللہ کی ہے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور مومنین کی ہے۔ منشائے حیات سے بے پرواہی کے معنی ہی عمل کے لئے دی گئی توفیق کو ضائع کر کے المناک عذاب کو اکٹھا کرنا ہے۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ صالح اعمال سے سچا ثابت ہو تبھی درست ہوتا ہے۔ سچے کو اس کا اجر پورا ملے گا، اور اللہ کے فضل سے زیادہ ملے گا۔ جو اللہ کی عبادت سے عار کرتے ہیں، انہیں عذاب ہوگا، المناک عذاب۔

وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٣﴾

اور اللہ کے مقابل نہ اپنا کوئی دوست پائیں گے اور نہ نصرت دینے والا۔

اللہ کی بندگی میں عار محسوس کرنے والے اور استکبار کرنے والے، جب المناک عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ تو ان سے کوئی دوستی کرنے والا نہ ہوگا۔ کوئی ان کو مدد دینے والا نہ ہوگا۔ اس وقت حق کو ماننا بھی نفع نہ دے گا۔ اس لئے حال پر اپنے

رخ کو درست کرنا چاہئے، ندامت سے بچنے کی یہی صورت ہے۔

حاصل : اپنے حال کو حق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ خلاف حق کرنے والے کو جاننا چاہئے کہ اللہ کے مقابل نہ کوئی دوستی کر سکتا ہے نہ مددگار ہو سکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿١٧٥﴾

اے لوگو : بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان آ چکا۔ اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین نازل فرمایا۔

برہان وہ وقف ہے، جو تضاد سے پاک رہنے والوں کے لئے روشنی کا مینار ہوتا ہے۔ برہان صداقت کی سند ہوتا ہے۔ برہان پیش کرنا حق سے اعراض کرنے والوں کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ برہان جہاں بھی ہو گا، وہاں خوف و حزن سے نجات کا یقینی راستہ بھی موجود ہو گا، اور خوف و حزن سے نجات پانے والے بھی اس کے شاہد ہوں گے۔ نور مبین کے نزول سے استفادہ کرنا بندے کی شان ہے۔ نور مبین کے خلاف جہاں بھی رخ ہو گا، ظلمات سے سابقہ ضرور ہو گا۔ وہاں تضاد بھی ہو گا، دکھ بھی ہو گا۔

حاصل : برہان، صداقت کی سند ہے۔ خوف و حزن سے نجات کا یقینی راستہ اسی سے ملتا ہے۔ نور مبین کی قدر کرنے کا حق بندے پر عائد ہوتا ہے۔ ادائیگی اسی طرح ممکن ہے، کہ ہر مقام پر رخ رضائے الٰہی کے حصول کا رہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿١٧٦﴾

تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اسے محکم پکڑا، تو انہیں جلد ہی اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرے گا، اور انہیں اپنی طرف صراط مستقیم کی ہدایت دے گا۔

جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اسی کی رضا کے لئے انعام یافتہ حضرات کا اتباع کرتے ہیں اور حق کے مقابل اپنی خواہشات کی طرف نہیں جھکتے۔ یہ اللہ کی رسی کو محکم پکڑنے والے ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کی خوشی کا لحاظ ضروری ہے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا لحاظ سب سے بڑا حق ہے، اور اگر لوگوں سے ڈرنا ناگزیر ہے تو اللہ سے ڈرنے کا حق بھی سب سے بڑا ہے۔ ایسے لوگوں کو جلد ہی اللہ کی رحمت اور اس کا فضل اپنے احاطے میں لے لیتا ہے، اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا ہوتی ہے۔

حاصل : جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مقابل کسی کی خوشی کو وقعت نہ

دے۔ اور لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ سے ڈرے۔ اللہ کی رحمت اور اس کا فضل اسے گھیر لیتے ہیں اور اسے ہدایت و راحت عطا ہوتی ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي
الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ
وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا
تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ
لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ
فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ
كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً
فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع

آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، فرما دیجئے اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ اور کوئی مرد فوت ہو اور اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو، تو ترکہ میں اس بہن کا نصف ہے۔ اور مرد اپنی بہن کا وارث ہو گا، اگر اس کی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ترکہ میں ان کا دو تہائی، اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی، تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر۔ اللہ تمہارے لئے روشن فرماتا ہے کہ کہیں بھٹک نہ جاؤ۔ اور اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

کلالہ وہ ہوتا ہے، جس کے وصال کے وقت نہ والدین زندہ ہوں، نہ اولاد۔ کلالہ کی میراث کیسے تقسیم کی جائے، اس سوال کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے : اگر مرد کلالہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکے میں اس کا نصف ہو گا۔ یہ یقیناً وصیت اور دین کی ادائیگی کے بعد ہو گا۔ اگر عورت کلالہ ہو اور اس کا ایک بھائی ہو تو وہ اپنی بہن کا وارث ہو گا۔ اگر کلالہ کی بہنیں ہوں، تو ترکے میں ان کا دو تہائی، اور اگر بھائی بھی ہوں بہنیں بھی ہوں، تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہو گا۔ اللہ نے احکام واضح فرما دیے ہیں کہ انسانی خواہشات معاملات کو متاثر نہ کریں۔ جہاں خواہش کی پیروی ہو گی، گمراہی ضروری ہو گی۔ ہر شے کا علم رکھنے والے نے جو حدود مقرر فرمائی ہیں، ان کے احترام سے ہی انسانی زندگی دائمی راحت سے فیضیاب ہو سکتی ہے۔ انسانی تجویز سے راحت نہ آج تک کسی کو حاصل ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔

حاصل : کلالہ وہ ہے، جس کے وصال کے وقت نہ والدین زندہ ہوں نہ ولد۔ مرد کلالہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو، تو ترکے میں اس کا نصف ہو گا۔ دو یا زیادہ بہنیں ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ہو گا۔ عورت کلالہ ہو، اور اس کا بھائی ہو تو وہ وارث ہو گا۔ اگر کلالہ کے بھائی بھی ہوں بہنیں بھی ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہو گا۔ حدود اللہ کے احترام سے ہی دائمی راحت حاصل ہوا کرتی ہے۔ اور علیم مطلق کے علم سے ہی ہر مقام پر توازن قائم رہ سکتا ہے۔

شہادت : اللہ نے سورۃ الانبیاء میں ارشاد فرمایا ہے :

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾

اور کہتے ہیں، رحمٰن نے بیٹا اختیار کیا۔ پاک ہے وہ۔ بلکہ مکرم بندے ہیں۔ بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے، اور اسی کے امر پر عمل کرتے ہیں۔

قرآن پاک کی سورتوں کے نام اور آیات کی تعداد

شمار	نام سورت	آیات
1	الفاتحہ	7
2	البقرۃ	286
3	آل عمران	200
4	النساء	177
	منزل اول کی کل آیات 670	
5	المائدہ	120
6	الانعام	166
7	الاعراف	206
8	الانفال	75
9	التوبہ	129
	منزل دوم کی کل آیات 696	
10	یونس	109
11	ھود	123
12	یوسف	111
13	الرعد	43
14	ابراہیم	52
15	الحجر	99
16	النحل	128
	منزل سوم کی کل آیات 665	
17	الاسراء (بنی اسرائیل)	111
18	الکہف	110
19	مریم	98
20	طٰہٰ	135
21	الانبیاء	112
22	الحج	78
23	المومنون	118
24	النور	64
25	الفرقان	77
	منزل چہارم کی کل آیات 903	
26	الشعراء	227
27	النمل	93
28	القصص	88
29	العنکبوت	69
30	الروم	60
31	لقمان	34
32	السجدہ	30
33	الاحزاب	73
34	سبا	54
35	فاطر	45
36	یٰسٓ	83
	منزل پنجم کی کل آیات 856	
37	الصافات	182
38	صٓ	88
39	الزمر	75
40	غافر (مومن)	85
41	فصلت (حم سجدہ)	54
42	شوریٰ	53
43	الزخرف	89
44	الدخان	59
45	الجاثیہ	37
46	الاحقاف	35
47	محمد	38
48	الفتح	29
49	الحجرات	18
	منزل ششم کی کل آیات 842	
50	قٓ	45
51	الذاریات	60
52	الطور	49
53	النجم	62
54	القمر	55
55	الرحمٰن	78
56	الواقعہ	96
57	الحدید	29
58	المجادلہ	22
59	الحشر	24
60	الممتحنہ	13
61	الصف	14
62	الجمعہ	11
63	المنافقون	11
64	التغابن	18
65	الطلاق	12
66	التحریم	12
67	الملک	30
68	القلم	52
69	الحاقہ	52
70	المعارج	44
71	نوح	28
72	الجن	28
73	المزمل	20
74	المدثر	56
75	القیامہ	40
76	الانسان (دھر)	31
77	المرسلت	50
78	النبأ	40
79	النزعات	46
80	عبس	42
81	التکویر	29
82	الانفطار	19
83	المطففین	36
84	الانشقاق	25
85	البروج	22
86	الطارق	17
87	الاعلیٰ	19
88	الغاشیہ	26
89	الفجر	30
90	البلد	20
91	الشمس	15
92	اللیل	21
93	الضحیٰ	11
94	الم نشرح	8
95	التین	8
96	العلق	19
97	القدر	5
98	البینۃ	8
99	الزلزال	8
100	العادیات	11
101	القارعہ	11
102	التکاثر	8
103	العصر	3
104	الھمزۃ	9
105	الفیل	5
106	قریش	4
107	الماعون	7
108	الکوثر	3
109	الکافرون	6
110	النصر	3
111	المسد (لھب)	5
112	الاخلاص	4
113	الفلق	5
114	الناس	6
	منزل ہفتم کی کل آیات 1606	
	قرآن پاک کی کل آیات 6238	

کیٹلاگ کارڈ نمبر ۱۲۲۹، ۲۹۷
297,1229 فضل شاہ، حضرت
تفسیر فاضلی، (الفاتحہ تا النساء) ۔ مرتبہ محمد اشرف فاضلی
لاہور، فاضلی فاؤنڈیشن ۔ چیکو روڈ کوٹ لکھپت لاہور پوسٹ کوڈ ۔ 54770
ج ۔ ۱ (منزل اول)

سرٹیفکیٹ

ہرگاہ میں نے تفسیر فاضلی کی منزل اول (سورہ الفاتحہ تا سورہ النساء) کا عربی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عربی عبارت میں اب کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

گڑھی شاہو۔ لاہور
۱۵ر اگست ۱۹۸۴ء

حافظ سراج الدین گجراتی

حافظ سراج الدین گجراتی
پروف ریڈر